کمانڈر صحابہ رضی اللہ عنہم

زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمانڈر صحابہ کی
جرأت اور بہادری کی لازوال داستان

تالیف
علامہ محمد شعیب چشتی

ممتاز اکیڈمی لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ
وعلٰی اٰلک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم

مولای صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

ھو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ
لکل ھول من الاھوال مقتحم

محمد سید الکونین والثقلین
والفریقین من عرب ومن عجم

فان من جودک الدنیا وضرتھا
ومن علومک علم اللوح والقلم

زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمانڈر صحابہ کی

جرأت اور بہادری کی لازوال داستان

کمانڈر صحابہ رضی اللہ عنھم

تالیف

علامہ محمد شعیب چشتی

ممتاز اکیڈمی

فضل الٰہی مارکیٹ

چوک اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ....۔ کمانڈر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مصنف ....۔ علامہ محمد شعیب چشتی

پروف ریڈنگ .... علامہ مولانا محمد حنیف سعیدی

صفحات 688

تعداد 1100

طابع .... شکیل ممتاز

ناشر .... ممتاز اکیڈمی فضل الٰہی مارکیٹ

.... چوک اُردو بازار لاہور

قیمت .... روپے

فہرست

دیباچہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٰہی پھر مسلمانوں میں پہلی شان پیدا کر

نبی کریم ﷺ کی ذات والا برکات نے مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے کی تاکید فرما رکھی تھی یہاں تک کہ مشرکین مکہ نے ان پر ہر قسم کے ظلم کو روا رکھا مگر کسی ایک صحابی یا صحابیہ نے مقابلۃً لوگوں پر ہاتھ تک نہ اٹھایا۔ حتیٰ کہ آپ کو ہجرت کا حکم ہوا مشرکین کے جور و ظلم سے محفوظ رہنے کی یہ ایک اسکیم تھی چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں متعدد حبشہ کی طرف اور کئی مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہو گئے۔

بلکہ سید عالم محسن کائنات رحمۃ للعلمین ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر کو ساتھ لیا اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے مگر مشرکین و کفار مکہ نے جب مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسلامی خدمات کے فوائد و ثمرات کو اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے لئے بار آور دیکھا تو جل بھن گئے اور مدینہ طیبہ پر چڑھائی کے منصوبے مرتب کئے جس کے نتیجے میں غزوات و سرایا کا آغاز ہوا اور یکے بعد دیگرے غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوہ خیبر، غزوۂ تبوک اور دیگر معرکے سر کئے۔

اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ نے جانثاران مصطفےٰ ﷺ کی ملائکہ سے نصرت و مدد فرمائی اور یوں بشارت سے بھی نوازا۔

اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجاً

اور اس بشارت کو عملی مظاہر، ۱۰ ماہ رمضان المبارک ۸ ہجری، کو ظہور پذیر ہوا اور لوگ فوج در فوج نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر زیور اسلام سے آراستہ ہوتے رہے یہ سلسلہ یہاں تک ختم نہ ہوا بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کے وصال باکمال کے بعد بھی متعدد جنگیں ہوئی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جرأت و بہادری کی ایسی داستانیں رقم فرمائیں کہ تا قیامت تک تاریخ کا حصہ بن گئی اور مشرق سے مغرب تک اسلام کے جھنڈے کو لہرا دیا۔ جس کی تفصیل پیش نظر کتاب ''کمانڈر صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں تفصیلاً ملاحظہ فرمائیں گے جسے ''مولانا الحافظ القاری محمد شعیب چشتی زید مجدہٗ'' نے نہایت محنت اور محبت سے رقم فرمایا۔

دُعا ہے اللہ تعالیٰ موصوف کے قلم کو برق رفتار بنائے اور ملت اسلامیہ کے لئے مفید سے مفید کتابیں تصنیف فرماتے رہیں نیز اللہ تعالیٰ اس کتاب، مستطاب کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے آمین ثم آمین

فقط

علامہ مولانا محمد حنیف سعیدی

سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

پیدائش:

مورخین کے مطابق آپ عمر میں رسول اللہ ﷺ سے تقریباً دو اڑھائی سال چھوٹے تھے، حضور سرورِ عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی اس بناء پر آپ اندازاً آخر ۵۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔

وصال:

۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ مطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء بروز پیر کا دن گزارنے کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان بعمر تریسٹھ سال وصال ہوا۔

آغازِ خلافت:

بروز پیر ۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہُوا اور آپ اُسی روز مسلمانوں کی متفقہ رائے سے خلیفہ منتخب ہوئے۔

مدّتِ خلافت:

دو برس تین ماہ اور نو دن۔

نمازِ جنازہ حضرت عُمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ رسول اللہ

ﷺ کے پہلو میں اس طرح دفن کیے گئے کہ آپ کا سر نبی آخرالزمان ﷺ کے مُبارک شانوں کے متوازی ہے۔

فرمان رسول اللہ ﷺ:

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

''میں نے کہا تھا لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس وقت تم نے مجھے جُھٹلایا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ سچے ہیں''۔

''ابوبکر تم اللہ کی طرف سے دوزخ سے آزاد ہو'' حضرت ابوبکرؓ (رضی اللہ عنہ) کا لقب اسی وقت سے عتیق پڑ گیا۔

''ابوبکر (رضی اللہ عنہ) دین میں میرے بھائی ہیں اور غار میں میرے رفیق۔ (مرض الموت میں اپنے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے) ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو وہ نماز پڑھائیں''۔

''سب سے زیادہ میں جس کی محبت اور دولت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اگر میں کسی کو اپنی امت میں دوست بنا سکتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن اسلام کی اُخوت اور مودّت کافی ہے''۔

نام ونسب، خاندان:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ اور کنیت ابوبکر تھی، آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر تھا اور کنیت ابوقحافہ تھی۔

والدہ کا نام سلمٰی بنت صخر بن عامر اور کنیت اُم الخیر تھی۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اسلام لانے سے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام عبدالکعبہ تھا لیکن اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔

لقب عتیق کی تحقیق:

اہل سیر کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق اور عتیق تھا، ابو وہب مولائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شب اسریٰ (شب معراج) میں حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا کہ قوم میری تصدیق نہیں کرے گی، اُنہوں نے کہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے (کیونکہ) وہ صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ (طبقات ابن سعد حصہ سوم)

بعض روایات کے مطابق آپ کو عتیق کہنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی واالدہ کے لڑکے زندہ نہیں رہتے تھے اُنہوں نے نذر مانی کہ اگر اُن کے ہاں لڑکا پیدا ہُوا اور وہ زندہ رہا تو وہ اس کا نام عبدالکعبہ رکھیں گی اور اسے کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گی، چنانچہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیدا ہُوئے تو انہوں نے نذر کے مطابق اِن کا نام عبدالکعبہ رکھا مگر جوان ہونے پر وہ عتیق (آزاد کردہ غلام) کے نام سے موسوم کئے جانے لگے کیونکہ اُنہوں نے موت سے رہائی پائی تھی، بعض راویوں کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عتیق کا لقب نہایت سرخ و سفید ہونے کی وجہ سے دیا گیا تھا، بعض کا بیان ہے کہ چونکہ آپ کے نسب میں کوئی عیب نہ تھا اس لئے آپ کو عتیق کہا گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

ایک روایت کے مطابق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام عتیق (آزاد) کیوں رکھا گیا؟ اُنہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ یہ آگ سے (دوزخ سے) اللہ کے آزاد کئے ہوئے ہیں۔ (طبقات ابن سعد حصہ سوم)

مقام تعجب ہے کہ آپ کی کنیت ابوبکر جو آپ کے دیگر ناموں، القابات و خطابات پر غالب رہی اس کا حقیقی سبب معلوم نہیں ہوسکا۔ بعض مورخین کے مطابق یہ کنیت اس لئے پڑی کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ کو لفظ "صاحب" اور "ثانی اثنین" سے خطاب فرمایا ہے۔

والد کی طرف سے شجرہ:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا والد کی طرف سے پورا نسب یہ ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (عبداللہ) بن ابو قحافہ (عثمان) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی تیمی۔

والدہ کی طرف سے شجرہ:

والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے سلمیٰ (اُم الخیر) بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب ساتویں پشت پر مرّہ میں رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے یعنی

حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ۔

حضرت ابوبکر صدیق بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو تیم تھا بنو تیم قبیلہ قریش سے تھے قریش کی دس شاخیں تھیں اور کعبہ کے مناصب میں سے کوئی نہ کوئی منصب قریش کی ان شاخوں کے سپرد ہوتا تھا خون بہا اور دیت وغیرہ کا اکٹھا کرنا بنو تیم کی ذمہ داری تھی، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جوان ہوئے تو یہ خدمت ان

کے سپرد ہوئی، خون بہا اور دیتوں کے تمام مقدمات ان کے سامنے پیش ہوتے اور جو فیصلہ وہ صادر فرماتے اُسے قریش کو منظور کرنا ہوتا تھا خون بہا کے متعلق تمام اموال بھی ان کے پاس جمع ہوتے تھے، اگر ان کے سوا کسی اور شخص کے پاس جمع ہوتے تو قریش اسے تسلیم نہ کرتے تھے۔

حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ (عثمان بن عامر) شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت سن رسیدہ تھے آپ بھی ابتدا میں دیگر اہل مکہ کی طرح تحریک اسلامی کو بچوں کا کھیل سمجھتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو میں حضور نبی کریم ﷺ کی تلاش میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آیا، وہاں حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس طرف سے گزرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برہمی سے کہا کہ:۔

"ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا ہے"۔

حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ (۸ ھ) تک اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، فتح مکہ کے بعد اپنے فرزندِ سعید حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے ضعفِ پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ ان کو کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا، اس کے بعد نہایت شفقت سے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا۔

حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے طویل عُمر پائی، اپنے فرزندِ ارجمند حضرت ابو

بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے، آخری عمر میں زیادہ ضعیف ہوگئے تھے اور آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۱۴ھ میں بعمر ستانوے سال انتقال کیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت اُم الخیر رضی اللہ عنہا بنتِ صخرہ ابتداہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئی تھیں، اُس وقت صرف اُنتالیس اصحاب کو قبول اسلام کا شرف حاصل ہُوا تھا، اُنہوں نے بھی بڑی عمر پائی اور اپنے نامور بیٹے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے عالمِ آخرت کو سدھاریں۔

مکی زندگی قبلِ اسلام:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن یہیں گزارا اور بڑے ہوکر کپڑے کی تجارت شروع کردی جس میں انہیں معمولی فروغ حاصل ہُوا اور ان کا شمار مکہ کے کامیاب تاجروں میں ہونے لگا، تجارت کی کامیابی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جاذب نظر شخصیت اور بے نظیر اخلاق کو بھی بڑا دخل حاصل تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیانت، راستبازی اور امانت میں خصوصی شہرت رکھتے تھے اہل مکہ ان کو علم تجربہ اور حسن اخلاق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے ایام جاہلیت میں جبکہ تمام لوگ اخلاق ذمیمہ میں مبتلا تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہر خلق، اخلاقِ محمدی کا پرتو تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں شراب کا قطرہ تک نہ چکھا حالانکہ اہل مکہ شراب کے عادی ہی نہیں بلکہ حد سے زیادہ عاشق تھے۔

ابن ہشام اپنی سیرت میں ان کے اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی قوم میں بہت ہر دلعزیز تھے، علم الانساب کے بہت بڑے ماہر تھے قریش مکہ کے تمام خاندانوں کے نسب انہیں ازبریاد تھے اور ہر قبیلہ کے عیوب و نقائص اور محامد و فضائل سے بخوبی واقف تھے، اس وصف میں قریش کا کوئی فرد آپ کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا، وہ خلیق، ایماندار اور ملنسار تاجر تھے قوم کے تمام لوگ ان کے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ برتاؤ کے معترف تھے اور انہی فضائل کے باعث ان سے بیحد محبت کرتے تھے:۔ (سیرت ابن ہشام)

رسول اللہ ﷺ سے تعلق:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ کے اس محلہ میں رہتے تھے جہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا اور قریش کے دُوسرے بڑے بڑے تاجر سکونت پذیر تھے، رسول اللہ ﷺ چونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد انہی کے گھر منتقل ہوگئے تھے اس لئے گمان ہے کہ اس بات نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان رشتہ مودّت و یگانگت پیدا کردیا ہوگا، مزید برآں دونوں کی عُمروں میں صرف دو اڑھائی سال کے معمولی فرق نے احساس ہم عمری کو پختہ کرنے کے ساتھ ساتھ پیشے میں اشتراک طبائع میں یک جہتی قریش کے عقائد فاسدہ سے نفرت اور اہل مکہ کی زندگی میں رچی بسی بُری عادات سے اجتناب جیسی قدرِ مشترک نے بھی دونوں کی دوستی کو پروان چڑھانے میں بہت مددی ہوگئی۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی تعلقات سے متعلق مورخین میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ بعثت سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں گہرے دوستانہ تعلقات تھے اور ان

مورخین کے نزدیک یہی دوستی دیک جہتی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے اسلام لانے کا محترک ہوئی، لیکن بعض مورخین کا بیان ہے کہ دونوں کے تعلقات میں پختگی اسلام کے بعد پیدا ہوئی، البتہ اسلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تعلقات صرف ہمسائیگی اور ذہنی میلانات و رجحانات کی یکسانی و ہمرنگی تک ہی محدود تھے۔

قبول اسلام:

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو شرفِ رسالت ﷺ سے مشرف فرمایا تو رسول اللہ ﷺ مردوں میں سب سے پہلے اپنے با اعتماد رفیق اور شریف و نجیب ہمسایہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام دینے کے لئے اُن کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا جس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قطعی کوئی تردّد نہ کیا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ایمان لے آئے، تمام مورخین اس حقیقت کے معترف ہیں کہ آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں اپنے والدین کو سوائے اس کے نہ سمجھتی تھی کہ وہ دونوں ایک دین کے پیروکار ہیں ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ رسول اللہ ﷺ صبح و شام ہمارے پاس نہ آئے ہوں۔

(ابن سعد کے مطابق یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چند سال کی تھیں)۔

حضرت اسماء بنتِ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب مسلمانوں سے پہلے میرے والد اسلام لائے واللہ میں اپنے کو والد کو بس اتنا سمجھتی تھی کہ وہ ایک دین کے پیروکار ہیں۔ ابن ہشام کے مطابق رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

''میں نے جب کسی کو اسلام کی دعوت دی اُسے اس کے قبول کرنے میں ایک طرح کی تاخیر سوچ و بچار اور پس و پیش تھا، بجز ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کی حالت کے، کہ جب میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس میں تاخیر کی نہ پس وپیش۔ (سیرت ابن ہشام)

غرض ان روایات کی روشنی میں یہ بات مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں رہتی کہ قبول اسلام میں اوّلیت کا طغرائے شرف و امتیاز صرف اسی ذاتِ گرامی کے لئے مخصوص ہے

اشاعتِ اسلام:

ابتدائے اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آغازِ اسلام سے ہی اپنے اندر دین حنیف کی نشر و اشاعت اور رسول اللہ ﷺ کی امداد و اعانت کا غیر معمولی جذبہ رکھتے اور ہر وقت نہایت خلوص سے اس میں مشغول رہتے تھے آپ نے مسلمان ہو کر اپنی ذات سے رسول اللہ ﷺ اور اسلام کو بڑی تقویت پہنچائی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تجارت کی وجہ سے دولت کی کمی نہ تھی چنانچہ آپ نے بھاری رقوم ادا کر کے اُن غلاموں کو آزادی کی نعمت سے بہرہ وَر کیا جو قبول اسلام کے باعث قریش کے مظالم کا نشانہ بنے ہوئے تھے، مورخین کے بیان کے مطابق جس روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے ان کے پاس

چالیس ہزار درہم تھے چنانچہ وہ اسی رقم سے مسلمان غلام آزاد کراتے اور مسلمانوں کو قوت پہنچاتے رہے، یہاں تک کہ پانچ ہزار درہم مدینہ لائے اور پھر یہاں بھی وہی کرتے رہے جو مکہ میں کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد حصہ سوم)

ابن ہشام کی تصریح کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف ہجرت سے پیشتر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ چھ لونڈیاں اور غلام آزاد کرائے، (یعنی حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت زنیرہ، حضرت ام عبیس، حضرت نہدیہ اور ان کی صاحبزادی اور بنی موہل کی لونڈی)۔

اس ضمن میں ابن ہشام نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ نے انہیں کہا کہ اے بیٹے میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور غلام آزاد کرتے ہو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو اگر ایسا کرو کہ قوی افراد کو آزاد کرو تو وہ تمہاری مدافعت کریں گے اور تمہارے لئے سینہ سپر ہوں گے، اس کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

''ابا جان میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں، اللہ عزوجل کے لئے کرنا چاہتا ہوں''۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس خصوصیت کا اعتراف خود سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ نے ایک خطبے میں یوں فرمایا ہے:۔

''سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوا وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی دعوت پر ایمان لانے والے صحابہ:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ مالدار ہونے کے علاوہ اہل مکہ میں اپنی دیانت

اور راستبازی کی وجہ سے نہایت ہر دلعزیز اور بیحد قابلِ احترام بھی تھے، اس لئے آپ نے قبول اسلام کے ساتھ ہی اپنے حلقہ اثر میں اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جدو جہد شروع کردی، چنانچہ آپ کی ان مخلصانہ کوششوں سے ایسے اصحاب دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے جو بلاشبہ معدنِ اسلام کے نہایت درخشندہ وتابدار موتی ہیں ان میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن العاص جیسے عظیم المرتبت بزرگ شامل ہیں، جو اسی ذاتِ گرامی کی ہدایت کے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر نیّرِ اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے گرد گھومنے والے اخترہائے تاباں بنے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علانیہ دعوتِ اسلام کے علاوہ آپ کا مخفی رُوحانی اثر نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لائے ہوئے دین حنیفی سے آپ کا والہانہ جذب وعشق بھی سعید و پاکباز رُوحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا، آپ نے اپنے صحنِ خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی جس میں آپ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے، آپ چونکہ نہایت نرم دل تھے اس لئے جب قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، لوگ آپ کی آہ وزاری اور گریہ وُ بکا کو سن کر جمع ہوجاتے اور اس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔ (سیر الصحابہ حصہ مہاجرین جلد اوّل)

مکہ کی زندگی:

رسول اللہ ﷺ بعثت کے بعد تقریباً تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں رہے

اس دوران میں کفار نے پیغمبر اسلام ﷺ کی ایذار سانی کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اور قدم قدم پر رسول اللہ ﷺ کا راستہ روکا مگر رسول اللہ ﷺ نے اس مخالفت و مزاحمت کی پروا کئے بغیر تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ ابتدائے اسلام سے ہی اسلام کے جانثار اور سرورِ عالم ﷺ کے راز دار بن گئے تھے، اس لئے آپ اس لیے بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رائے و مشورہ، غرض ہر حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے۔ رسول اللہ ﷺ روزانہ صبح و شام اس راز دارِ نبوت کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس راز قائم رہتی۔ رسول اللہ ﷺ جب قبائل عرب اور عام مجمعوں میں تبلیغ و ہدایت کے لئے جاتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ہمرکاب ہوتے اور نسب دانی اور کثرتِ ملاقات کے باعث لوگوں سے حضور نبی کری ﷺ کا تعارف کراتے۔ (ایضاً)

دفاع رسول ﷺ:

مورخین اسلام نے نبوت کے تیرہ سالہ مکی دور میں کفار کے ظلم و تعدی کے واقعات کی تفصیل بیان کرتے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانثاری و جانفروشی کا ذکر بھی بڑی وضاحت سے کیا ہے۔ اہل سیر کے مطابق کفارِ جب کبھی رسول اللہ ﷺ پر دستِ درازی کرتے تو نبوت ﷺ کے یہ مخلص جانثار اپنی جان خطرہ میں ڈال کر خود سینہ سپر ہو جاتے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے کہ مشرکین ارشاد نبوت سن کر سخت برہم ہوگئے اور حضور نبی کریم ﷺ کو اس قدر اذیت پہنچائی کہ آپ بیہوش ہوگئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر کہا "خدا کی قسم تم سے سمجھے، کیا تم صرف اس لئے ان کو قتل کر دو گے کہ آپ ایک خدا

کا نام لیتے ہیں''۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل، حصہ مہاجرین)

اسی طرح ایک روز حضور نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا، اس وقت اتفاقاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور اس بد بخت کی گردن پکڑ کر رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ کیا اور فرمایا ''کیا تم ان کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے''۔

مسلسل رفاقت:

علماء کا اس پر کلی اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبول اسلام سے رسول اللہ ﷺ کی رحلت تک سفر و حضر میں ہمیشہ حضور ﷺ کے ساتھ رہے اس ضمن میں البتہ حج اور جہاد کے دوران خدمتِ اقدس سے دُوری کو اہل سیر نے مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسے سفر منشائے نبوت کی تابعداری میں اختیار کئے تھے، تاہم رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کے تقریباً تیئیس سالوں میں مجموعی طور پر چند ماہ ہی ایسے گزرے ہوں گے جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوت ﷺ سے غیر حاضر رہے ہوں ورنہ آپ ہر دن ایک جانثار اور مشیر و معین کی حیثیت سے بارگاہِ نبوت ﷺ میں حاضر رہے، مکہ معظمہ میں مسلسل رفاقت کے علاوہ ہجرت میں آپ نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا اور غار میں جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے آپ (ثانی اثنین) دو میں سے دوسرے تھے، مکہ سے مدینہ تک کے سفر میں آپ رسول اللہ ﷺ کے ہم کاب رہے، اور جیسا کہ آئندہ کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامِ مدینہ کے دوران میں بھی بارگاہِ رسالتمآب ﷺ سے آپ کی حاضری کا تسلسل کبھی ٹوٹنے نہ پایا۔

ہجرتِ حبشہ کا ارادہ:

مکہ میں جب مسلمانوں پر کفار کے ظلم و ستم بہت بڑھ گئے اور اہل اسلام پر عرصہ حیات تنگ ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ رجب ۵ بعثت میں ارشاد نبوت ﷺ کے مطابق ہجرت حبشہ کا سلسلہ شروع ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی چونکہ باوجود ذاتی وجاہت اور خاندانی اعزاز کے کفارِ مکہ کی اس ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، اس لئے آپ بھی رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے رختِ سفر باندھ کر عازمِ حبشہ ہوئے جب آپ برک الغماد کے مقام پر پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا "ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کہاں کا قصد ہے"؟ آپ نے جواب دیا کہ قوم نے مجھے جلا وطن کردیا ہے، اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک میں چلا جاؤں اور آزادی کے ساتھ خدا کی عبادت کروں، ابن الدغنہ نے سن کر کہا:۔

"تم سا آدمی جلا وطن نہیں کیا جاسکتا، تم مفلس و بے نوا کی دستگیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو اور مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو تم میرے ساتھ چلو اور اپنے وطن میں ہی اپنے خدا کی عبادت کرو"۔

چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ہمراہ مکہ واپس آگئے، یہاں پہنچ کر اس نے آپ کو امان دینے کا اعلان کیا جسے قریش نے قبول کیا مگر فرمائش کی کہ (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح چاہیں اپنے گھر میں نمازیں پڑھیں اور قرآن حکیم کی تلاوت کریں، لیکن گھر سے باہر نمازیں پڑھنے کی اُن کو اجازت نہیں۔

مگر جیسا کہ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی جس میں آپ نمازیں پڑھتے اور ایسے رقت آمیز طریقہ سے قرآن حکیم کی تلاوت کرتے کہ گھر کے پاس سے گزرنے والے لوگ جمع ہو جاتے اور کلام الٰہی کی تاثیر سے بے حد متاثر ہوتے۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حسب معمول خدائے واحد کی عبادت شروع کی تو کفار کو اس پر اعتراض ہوا اور انہوں نے ابن الدغنہ کو خبر دی کہ ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تمہاری اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں گے لیکن اب وہ صحنِ خانہ کی مسجد میں اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے ہم کو ڈر ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ نہ ہو جائیں لہٰذا تم (حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس سے باز رکھو، یا خود ذمہ داری سے بری ہو جاؤ۔

ابن الدغنہ قریش کی طرف سے یہ پیغام ملنے پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے جس شرط پر تمہاری ذمہ داری قبول کی تھی، تم اس کے پابند رہو یا مجھے اس سے بَری سمجھو کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ اہل عرب مجھے کسی سے بدعہدی کرنے کا طعنہ دیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ابن الدغنہ کی گفتگو سن کر نہایت استغنا کے ساتھ جواب دیا کہ

"مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں، میرے لئے خدا اور اُس کے رسول اللہ ﷺ کی پناہ کافی ہے"۔ (معارج النبوت)

رشتہ مصاہرت:

یہ نبوت ﷺ کا دسواں اور ماہ رمضان کا مہینہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی

غم گسار و ہمدرد رفیقہ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس جہان فانی سے کوچ کیا جس سے رسول اللہ ﷺ کے گھر کا نظام دگرگوں ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ مغموم ومحزون رہنے لگے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی اس پریشانی کو دیکھتے ہوئے حضرت خولہ بنتِ حکم رضی اللہ عنہا کی اس تحریک پر رضا مندی ظاہر کردی جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مرضی سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق حضرت اُم رمان رضی اللہ عنہا کی معرفت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچائی تھی، چنانچہ شوال ۱۰ھ بعثت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقد رسول اللہ ﷺ سے کردیا۔

(حضرت عائشہ کی رخصتی شوال ۱ھ میں ہوئی)

اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اہل بیت میں شامل ہوکر اُم المومنین کے درجہ پر ممتاز ہوئیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ شرف کیا کم تھا کہ اُن کی دامادی میں وہ شخص داخل ہو جو رحمت عالم ﷺ اور شہنشاہِ کونین ﷺ ہے۔

صدّیق کا لقب:

مورخین کے مطابق ۲۷ رجب ۱۰ھ بعثت کی شب کو رسول اللہ ﷺ کو وہ بے نظیر شرف حاصل ہوا جسے عرف عام میں ''معراج'' کہا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ اس شب کے ایک حصہ میں بحکم تعالیٰ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے آپ ﷺ ملاء اعلیٰ کے منازل ارتقاء طے فرماتے سبع سموٰت اور سدرۃ المنتہٰی تک پہنچے، یہاں سے پھر عروج فرما کر ایسے مقام تک بلند ہوئے کہ جہاں سے حضور ﷺ صریف الاقلام کو سنتے تھے ان بلند مقامات پر آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ صبح سے پہلے مکہ

مکرمہ پہنچ گئے، حضور نبی کریم ﷺ نے جب اس مقدس سفر کے حالات قریش مکہ سے بیان فرمائے تو اُنہوں نے حسب معمول تالیاں بجائیں اور تمسخر اُڑایا، چنانچہ کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے دوست یعنی محمد (ﷺ) یہ کہتے ہیں کہ میں آج رات بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے واپس آگیا، کیا تم اس کی بھی تصدیق کرو گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے، لوگوں نے کہا، ہاں اس پر آپ نے کہا کہ اگر حضور ﷺ نے فرمایا ہے تو بالکل سچ فرمایا ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں تو اس سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ کے بیان کردہ آسمانی خبروں کی صبح و شام تصدیق کرتا رہتا ہوں، چنانچہ اسی روز سے آپ کا لقب ''صدیق'' ہوگیا۔

سعید بن منصور نے اپنی مسند میں تحریر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں مقام طویٰ پر پہنچ کر فرمایا، اس واقعہ کی تصدیق میری ملت نہیں کریگی، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ کی تصدیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کریں گے جو ''صدیق'' ہیں۔ (سعید بن منصور)

ہجرتِ مدینہ اور رفاقتِ غار:

مکہ میں جب کفار و مشرکین کا دست ستم زیادہ دراز ہوگیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ہجرت کا قصد فرمایا، اس دفعہ آپ کی منزل مقصود سرزمین مدینہ تھی جہاں اسلام پوری آب و تاب کے ساتھ نور پاشی کر رہا تھا اور مظلوم و ستم زدہ مسلمانوں کو نہایت خلوص و محبت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کی تیاری کر رہے تھے کہ بارگاہِ نبوت ﷺ سے حکم ہُوا کہ ابھی عجلت نہ کرو، اُمید ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم

ہوگا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت تعجب سے پوچھا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں کیا آپ ﷺ کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا؟ ارشاد ہوا ''ہاں'' عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے ہمراہی کا شرف نصیب ہو'' فرمایا ''ہاں، تم ساتھ چلو گے'' اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی کر دیا اور چار ماہ منتظر رہے۔

(معارج النبوت)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عموماً صبح و شام ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے ایک روز چہرہ مبارک چھپائے ہوئے خلاف معمول وقت پر تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا کوئی نہیں، یہ سن کر حضور ﷺ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت بیتابی کے ساتھ کہا:۔

''یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ، آپ ﷺ پر قربان کیا میری رفاقت آپ کے ساتھ ہوگی''؟

ارشاد ہوا، ''ہاں'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو چار ماہ سے اسی حکم کے منتظر تھے فوراً تیار ہو گئے، اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جلدی جلدی رختِ سفر درست کیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اس عجلت میں توشہ دان باندھنے کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھا اور دربارِ نبوت ﷺ سے ذات النطاقین کا خطاب پایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی دو اونٹ اس دن کے لئے تیار کر لئے تھے ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور دوسرے پر خود سوار ہوئے اور جبل ثور پہنچ کر ایک غار میں پوشیدہ ہو گئے۔

ہجرت کا واقعہ ایک پر خطر راز تھا لیکن خاندان صدیق ﷛ کے سینے اس راز کا مدفن بن گئے تھے، اس ضمن میں حضرت ابوبکر ﷛ اور حضرت اسماء ﷝ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر ﷛ اور حضرت عامر بن فہیرہ ﷛ نے بھی قابل قدر خدمات انجام دیں، حضرت عبداللہ بن ابوبکر ﷛ نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی کہ فوراً وقت مقرر پر غار پر پہنچ جاتے، رات وہیں بسر کرتے صبح ہوتے ہی مکہ واپس آجاتے اور دن بھر قریش میں جو رسول اللہ ﷺ کو متعلق مشورے ہوتے، آپ سے رات کے وقت غار میں حاضر خدمت ہو کر حضور ﷺ کو آگاہ کرتے، اسی طرح حضرت ابوبکر ﷛ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ ﷛ دن بھر مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چراتے رات کو چرواہوں کی نظر بچا کر ریوڑ غار کے دہانے پر لاتے، بکریاں کا دُودھ دوھ کر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر ﷛ کو پہنچاتے، صبح ہوتی تو حضرت عبداللہ بن ابوبکر ﷛ کے نشانِ قدم مٹانے کی غرض سے ریوڑ انہی راہوں پر ہانک کر دُور لے جاتے، غرض تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں اور یہ تمام کاروائی اس طرح عمل میں آتی تھی کہ قریش کو ذرا بھی شُبہ نہ ہوا۔ (معارج النبوت)

ایک طرف تو خاندان صدیق ﷛ کی یہ جانثاریاں تھیں کہ حضرت ابوبکر ﷛ اُن کا بیٹا غلام حتیٰ کہ جانور تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل کر رہے تھے، اور دوسری طرف قریش مکہ تھے جن کے سینے بُغض و عداوت کی آگ سے جل رہے تھے، انہوں نے چاروں طرف نگہباں مقرر کر دیئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچنے سے قبل ہی راستے میں روک لئے جائیں۔

مؤرخین کے مطابق مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل، پہاڑ اور سنسان میدان ایسا نہ رہا تھا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو، یہاں تک کہ کفار کی ایک

جماعت غارِ ثور کے پاس بھی پہنچ گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قدموں کی آواز سُنی تو سر اُٹھایا اور دیکھا کہ غار کے دہانے پر کفار کے پاؤں نظر آرہے ہیں، یہ نہایت پریشان کن منظر تھا، چنانچہ آپ نہایت بےچینی و اضطراب کے عالم میں بولے، "اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم کو دیکھ لئے جائیں گے"۔ مگر اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ "خاموش رہو، اے ابوبکر تمہارا ان دو شخصوں کے متعلق کیا خیال ہے جن کا تیسرا خدا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ارشاد سُنتے ہی خاموش ہوگئے اور اُن کا مضطرب و بیقرار دل امدادِ غیبی کے یقین پر لازوال جرات واستقلال سے مملو ہوگیا، خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ آفتابِ نبوت کے سامنے کفار کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور وہ ناکام واپس ہوگئے"۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.

(سورۃ التوبۃ)

بہر کیف یکم ربیع الاوّل ۱۳ھ بعثت بروز دوشنبہ (مطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء) غار میں تین روز قیام فرمانے کے بعد یہ مقدس قافلہ رات کی تاریکی میں عازمِ مدینہ ہُوا، اب اس قافلہ میں دو کی بجائے چار آدمی تھے، یعنی راستے کی خدمت کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ عبداللہ بن اریقط بھی تھا، جو اگرچہ کافر تھا تاہم قابلِ اعتماد ہونے کے باعث اُجرت پر

راہنما مقرر کیا گیا تھا یہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے کبھی آگے بڑھ جاتے اور کبھی پیچھے ہو جاتے، یہ مقدس قافلہ رات بھر محو سفر رہا، دُوسرے دن جب آفتاب سر پر آ گیا اور مسافروں کا چلنا موقوف ہوا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے آرام کے لئے ایک چٹان کا دامن منتخب کیا، پھر اپنے ہاتھ سے زمین جھاڑ کر صاف کی، اُس پر اپنی پوستین بچھائی اور سرورِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آرام فرمائیں، حضور نبی کریم ﷺ مصروفِ استراحت ہوئے اور جانثارِ نبوت نے آس پاس کی زمین صاف کرنا شروع کی، لیکن ساتھ ساتھ آپ دُور دُور تک نگاہ بھی دوڑا رہے تھے کہ کوئی رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں نہ آ رہا ہو، اِدھر سے جب قدرے اطمینان ہُوا تو خوراک کی تلاش میں نکلے، اتفاق سے ایک گڈریا ریوڑ لئے اسی چٹان کی طرف آ رہا تھا، آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اُس نے ایک قریش کا نام لیا، پھر دریافت فرمایا کہ ان میں کوئی دُودھ دینے والی بکری بھی ہے؟ اُس نے اثبات میں جواب دیا، فرمایا کہ اس کے تھن اور اپنے ہاتھ مٹی سے صاف کرلو، اس نے حسبِ ہدایت دُودھ دوھ کر پیش کیا جسے ٹھنڈا کرنے کے بعد آپ نے قدرے پانی ملایا اور کپڑے سے چھان کر جب خدمت اقدس میں پہنچے تو حضور ﷺ کو محوِ استراحت دیکھ کر بیدار کرنا اچھا معلوم نہ ہوا، لیکن رسول اللہ ﷺ خود ہی جاگ اُٹھے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر سرورِ دو عالم ﷺ نے جب دُودھ نوش فرمایا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ روانگی کا وقت گیا ہے؟ رفیق غار نے عرض کیا، ''جی ہاں'' چنانچہ آفتاب ڈھل چکا تو کوچ کا حکم دیا۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل)

صحیح روایات کے مطابق دلیلِ راہ نے درمیانی راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا، روایت ہے کہ حضور ﷺ جب رابغ کے موجودہ قلعہ اور ساحل بحر کے درمیانی میدان سے گزر رہے تھے تو سراقہ بن جعشم (یا سراقہ بن مالک بن جعشم) نے نبی کریم ﷺ کا تعاقب کیا اور رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ کر دم لیا، یہاں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سراقہ گر پڑا، اُٹھ کر ترکش میں ہاتھ ڈالا اور فال کے تیر نکالے، تیر میں "لا نکلا" لیکن انعام کی لالچ میں تیر کی بات نہ مانی، پھر گھوڑے پر سوار ہوا جب زیادہ قریب آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تلاوتِ کلام پاک میں مشغول تھے اور اپنے مالک حقیقی سے لَو لگائے بڑھے چلے جا رہے تھے، لیکن آپ ﷺ کے رفیق غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت اضطراب میں بار بار مُڑ کر دیکھتے تھے، آخر عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ یہ سوار آ گیا، حضور ﷺ نے فرمایا "مولیٰ کریم ہمیں اس کے شر سے بچا" ادھر یہ الفاظِ مبارکہ مُنہ سے نکلے اور ادھر گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ گر پڑا اور سمجھ گیا کہ حفاظتِ الٰہی پر غالب آنا محال ہے، نہایت عاجزانہ الفاظ میں جان کی امان مانگی، امان دی گئی، سراقہ آگے بڑھا اور عرض کی کہ اب میں ہر ایک حملہ آور کو پیچھے ہی روکتا ہوں گا، پھر اُس کی درخواست اور ارشادِ نبوت ﷺ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے خطِ امان لکھ کر سراقہ کے حوالے کیا۔ (سیرت رحمۃ اللعلمین)

اسی سفر کے دوران میں اس مقدس قافلہ کا گزر اُم معبد خزاعیہ کے خیمہ پر ہوا اور ایک مریل و کمزور بکری کے سوکھے تھنوں سے دُودھ نکلنے کا معجزہ رُونما ہوا جسے سب نے سیر ہو کر پیا، پھر راستے میں اس مقدس قافلہ کی ملاقات حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو چند مسلمان تاجروں کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سفید کپڑے پہنائے جنہیں پہنے ہوئے دونوں بزرگ مدینہ میں داخل ہوئے۔

(سیر الصحابہ جلد اوّل)

مدینہ کے مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے روانگی کی خبر معلوم ہوچکی تھی، وہ روزانہ صبح سویرے اُٹھ کر حرا کی طرف نکل جاتے اور دوپہر تک انتظار کرتے رہتے، جب دھوپ تیز ہوجاتی تو واپس گھروں کو لوٹ جاتے، ایک دن دیر تک انتظار کے بعد گھروں کو واپس آئے ہی تھے کہ ایک یہودی کی آواز نے انہیں چونکا دیا، وہ یہودی کسی ضرورت کے تحت اپنے مکان کی چھت پر چڑھا تھا کہ اُس نے رسول اللہ ﷺ اور اُن کے رفقائے سفر کو دور سے آتا دیکھ کر آواز دی اے گروہِ عرب، تمہارا شاہدِ مقصود آپہنچا، مسلمان ہتھیار سجا کر دوڑے ہوئے آئے اور حرا کی پشت پر اس مقدس قافلہ کا نہایت پر جوش استقبال کیا حضور سرورِ دو عالم ﷺ دائیں طرف مڑ کر عمر بن عوف کے قبیلہ میں اُتر پڑے۔

(سیر الصحابہ جلد ل اوّل جزء المہاجرین)

یہ پیر کا دن اور ربیع الاوّل کا مہینہ تھا، (مورخین کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کا قبا میں داخلہ ۸ ربیع الاوّل ۱۳ھ بعثت مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو ہوا تھا اس دن حضور ﷺ کی عمر مبارک ٹھیک ترپن سال تھی) یہاں انصار جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے، رسول اللہ ﷺ خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوکر لوگوں کا استقبال کر رہے تھے۔

انصارِ مدینہ میں جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے جمالِ مبارک کی زیارت نہیں کی تھی وہ آپ ﷺ کے دھوکہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے تھے، یہاں تک کہ جب آفتاب سامنے آگیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر تان

کر اپنے آقائے نامدار ﷺ پر سایہ تب لوگوں نے چادر کے سایہ کیا میں آفتابِ رسالت ﷺ کو پہچانا۔

مدینہ میں ورودِ مسعود:

رسول اللہ ﷺ مقام قبا پر چار دن قیام فرمانے اور اسی دوران میں مسجد قبا کی بنیاد رکھنے کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل بروز جمعۃ المبارک کو مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ آئے اور حضرت خارجہ بن زید بن ابی زُہیر رضی اللہ عنہ کے پاس اُترے، چند دنوں کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال بھی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔

مورخین کے مطابق مدینہ منورہ کی آب و ہوا مہاجرین کے لئے عموماً نہایت ناموافق ثابت ہوئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خصوصیت سے ایسے شدید بخار میں مبتلا ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہوگئے، رسول اللہ ﷺ کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے دُعا فرمائی جس کے نتیجہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بسترِ علالت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لئے مکہ سے بھی زیادہ خوش آئندہ ہوگئی۔

مواخات:

مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار میں باہمی اجنبیت و بیگانگی دُور کرنے کے لئے ان کا ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرا دیا اس مواخات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی برادری حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے قائم کی گئی جو ایک بستی سخ میں رہتے اور نہایت معزز شخصیت کے مالک تھے حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تعلقات ان سے اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے اپنی بیٹی حبیبہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیا جن کے بطن سے اُمِ کلثوم پیدا ہوئیں۔

تعمیر مسجد نبوی ﷺ:

مدینہ منورہ، اسلام کے لئے آزادی کی سرزمین تھی اور رسول اللہ ﷺ کی مبارک آمد سے اس کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی چنانچہ وہ فرزندانِ توحید جو کفار کے ظلم وستم سے تنگ آکر ادھر ادھر آبادیوں میں منتشر ہوگئے تھے، آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے، اہل اسلام کو اب چونکہ آزادی و فراغت کے ساتھ اجتماعی طور پر معبودِ حقیقی کی عبادت کا موقع حاصل ہُوا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے تعمیر مسجد کی طرف متوجہ ہوئے، چنانچہ اس مقصد کے لئے جو جگہ حضور نبی کریم ﷺ نے منتخب فرمائی وہ مدینہ کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، یہ زمین اگرچہ بچوں کے اولیا و اقربا بلا قیمت دینے پر اصرار کر رہے تھے تاہم رسول اللہ ﷺ نے یتیموں کا مال بغیر کسی معاوضہ کے لینا پسند نہ فرمایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کی قیمت دلوادی، اس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچنے کے بعد نہ صرف مالی ایثار کا شرف اوّلین حاصل کیا بلکہ تعمیر مسجد میں اس پیرانہ سالی کے باوجود نوجوانوں کے دوش بدوش کام کر کے اسلامی محبت کی ایک نئی مثال قائم کی۔

غزوات میں شرکت:

مدینہ پہنچ کر اگرچہ مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا اور نہایت آزادی و فراغت کے ساتھ دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کا وقت

آ گیا تھا تاہم عرب کی جنگجو قوم مذہب کی صداقت و حقانیت کو بھی تیر و تفنگ اور نوکِ سنان سے وابستہ سمجھتی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس جنگجو یانہ فطرت نے علمبردا رانِ امن و سلامتی کو بھی منبرِ وعظ و ہدایت چھوڑ کر میدانِ جنگ میں آنے پر مجبور کیا، چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خونریز لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب معرکوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مشیر اور وزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی کے شرف سے مشرف رہے۔

غزوہ بدر:

غزوہ بدر حق و باطل کا اوّلین فیصلہ کن معرکہ تھا، رسول اللہ ﷺ ایک سائبان کے نیچے اپنی مٹھی بھر جماعت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آزمائش کی اس گھڑی میں بھی اس قدر جانبازی کے ساتھ شمشیر برہنہ اپنے ہادی کی حفاظت کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کفار و مشرکین ہر طرف سے جب یلغار کر کے آتے تو آپ نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیتے، تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اس خوفناک جنگ میں ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور پرنور ﷺ کی خدمت گزاری سے غافل نہ رہے، ایک دفعہ ردائے مبارک رسول اللہ ﷺ کے شانہ اقدس سے گر گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو تڑپ کر آئے، اسے اٹھا کر حضور ﷺ کے مبارک شانوں پر رکھا اور پھر رجز پڑھتے ہوئے کفار کے لشکر میں گھس گئے در حقیقت یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے جانثاروں کا ہی جذبہ لازوال تھا جس نے قلت کو کثرت کے مقابلہ پر سربلند کیا۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل، خلفائے راشدین)

غزوہ اُحد:

قریش کے لئے معرکہ بدر کی شکست ایک ایسا بدنما داغ تھا، جسے مٹانے کے لئے اُنہوں نے اپنے پورے وسائل و ذرائع داؤ پر لگا کر ایک لشکرِ جرار فراہم کیا اور جوشِ انتقام سے بھرے ہوئے جبل اُحد کے دامن میں جا خیمہ زن ہوئے، مجاہدینِ اسلام قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود پہلے لشکرِ کفار پر غالب آئے، لیکن ایک درّہ پر متعین تیر اندازوں کی غلطی کے باعث جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، اور کفار کے اچانک حملہ سے ایسی سراسیمگی پھیلی کہ بہت سے مسلمانوں کے پائے ثبات متزلزل ہوگئے، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آخر دم تک ثابت قدم رہے، پھر جب کفار کے پے در پے یورش سے رسول اللہ ﷺ زخمی ہوئے اور آپ ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہاڑ پر لائے تو جانثارِ نبوت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، لشکرِ کفار کے قائد ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آکر پکارا، کیا قوم میں محمد (ﷺ) ہیں؟ جب ادھر سے کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا، رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوسفیان کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کرنا اس حقیقت کا برملا اعتراف ہے کہ کفار بھی حضور پُرنور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی رئیس اُمت سمجھتے تھے۔

اختتامِ جنگ کے بعد جب کفار مکہ واپس ہوئے تو جو جماعت ان کے تعاقب میں روانہ ہوئی اُس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، غزوہ اُحد کے بعد بنو نضیر کی جلا وطنی، غزوہ ذات الرقاع، غزوہ بدر الاخریٰ، غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ مصطلق غرضیکہ جو معرکہ بھی پیش آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان میں برابر کے شریک تھے۔

آلِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی برکات:

غزوہ بنو مصطلق جو ۳ شعبان ۵ھ کو پیش آیا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد کی برکات کا اعلیٰ نمونہ تھا، مورخین کی تصریح کے مطابق اس غزوہ سے واپس آتے ہوئے کسی مقام پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گر پڑا جسے تلاش کرنے کی غرض سے تمام لشکر ٹھہر گیا، اتفاق سے جس جگہ لشکر کو رُکنا پڑا وہاں پانی دستیاب نہ تھا، کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کی کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور تمام لوگوں کو روک رکھا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تنبیہ کے لئے آئے تو دیکھا رسول اللہ ﷺ اُن کی ران پر سر مبارک رکھ کر سوئے ہوئے ہیں، تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سخت ناراض ہوئے کہ تم لوگوں کے لئے بلا اور مصیبت کا ذریعہ بن گئی ہو، رسول اللہ ﷺ جب بیدار ہوئے تو وضو کے لئے پانی نہ تھا، چنانچہ اسی مقام پر تیمم کی آیت نازل ہوئی جس سے تمام صحابہ خوش ہو گئے، حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے جوش مسرت میں کہا:۔

"اے آلِ ابوبکر! یہ تیمم کا حکم نازل ہونا تمہاری پہلی برکت نہیں بلکہ تمہاری برکت سے اور بھی بہت سی سہولتوں اور آسانیوں کے احکام نازل ہو چکے ہیں"۔

واقعۂ افک:

اسی غزوہ میں ایک کڑی آزمائش یہ پیش آئی، کہ جس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حوائجِ ضروری کے لئے خیمہ سے باہر گئی ہوئی تھیں، اہل قافلہ نے غلطی سے اُن کا اُونٹ ہانک دیا، آپ واپس آئیں تو گمشدہ ہار اُس جگہ مل گیا مگر

قافلہ کوچ کر چکا تھا، آپ کو اس کا بڑا قلق ہوا اور آپ نہایت غمگین و ملول اُسی مقام پر بیٹھ گئیں، اتفاق سے حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ نے جو پیچھے روانہ ہوا کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ لیا اور انہیں اُونٹ پر بٹھا کر خود مہار پکڑے ہوئے پیدل چل پڑے یہاں تک کہ اگلی منزل پر جا کر مجاہدین سے مل گئے لشکر میں راس المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی موجود تھا، اس منافق کو اس سے بڑھ کر فتنہ پردازی کا کیا موقع مل سکتا تھا؟ چنانچہ ان لوگوں نے افک کا واقعہ تمام لشکر میں پھیلا دیا، غلطی سے چند مسلمان جن میں حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اِن لوگوں کے ہمنوا ہو گئے۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑ گئیں اور جب یہ خبر معلوم ہوئی تو مرض میں اور اضافہ ہو گیا، تحقیق کے لئے میکہ تشریف لائیں، اپنی ماں سے حالات دریافت کئے، انہوں نے تسکین دی، پھر پوچھا کہ میرے باپ کو بھی خبر ہے، ماں نے اثبات میں جواب دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھا ماں نے جواب دیا کہ اُن کو بھی یہ خبر مل چکی ہے، یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چیخ چیخ کر رونے لگیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت بالا خانہ پر تلاوتِ کلام پاک میں مصروف تھے، جب آپ کو چیخوں کی آواز سُنی تو نیچے اُتر آئے اور بیٹی کا حال دیکھ کر خود بھی آبدیدہ ہو گئے۔

عزت و آبرو انسان کو دُنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، اسی بنا پر یہ خبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے ایک نہایت کڑی آزمائش تھی، لیکن خدائے عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے بہت جلد خاندانِ صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کرب ناک اذیت سے نجات دے دی اور وحی الٰہی نے منافقین کے اس شرمناک بہتان کی اس طرح قلعی کھول دی:۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ.

(سورۃ النور)

مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:۔

لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ. (سورۃ النور)

رسول اللہ ﷺ نے جب براتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ارشادِ ربانی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مطلع فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اکبر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ بے پایاں سے صدیق اور خاندانِ صدیق رضی اللہ عنہ کو نگاہِ نبوت ﷺ میں ایک بار پھر امتیازی شان بخش دی تھی۔

جیسا کہ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی اس تہمت میں منافقین کے ہمنوا ہو گئے تھے، حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی کفالت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھی، چنانچہ آیاتِ برات کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا نفقہ بند کر دیں گے اور اُن کی کسی قسم کی امداد نہ کریں گے، اس پر ارشادِ ربانی ہوا:۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ.

(سورہ النور)

اس ارشادِ خداوندی پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے"۔ اور قسم کھائی کہ اب ہمیشہ اس کا (یعنی حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا) کفیل رہوں گا،

سریہ اُم قرفہ:

غزوہ بنو مصطلق کے بعد آپ غزوہ خندق، غزوہ بنو قریظہ، غزوہ بنو لحیان اور غزوہ ذی قردہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے رمضان المبارک ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ایک جماعت کے ساتھ بنی فزارہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا، اس قبیلہ کی سردار اُمّ قرفہ تھی جس کا اصل نام فاطمہ بنتِ ربیعہ تھا، ایک دفعہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مالِ تجارت کے ساتھ شام جاتے ہوئے ادھر سے گزرے، بنی فزارہ نے حملہ کر کے ان کو زخمی کیا اور تمام مالِ تجارت چھین لیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا چنانچہ آپ اس مہم سے کامیاب لوٹے۔

اکثر مورخین کے نزدیک اس دفعہ بھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا، مگر مولف "سیرت رحمتہ للعالمین" کے مطابق دوسری بار یہ جماعت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں گئی تھی۔ (واللہ اعلم)

واقعہ حدیبیہ:

یکم ذیقعد ۶ھ کو رسول اللہ ﷺ نے چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا، ذوالحلیفہ پہنچ کر سرورِ دو عالم ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو حالات معلوم کرنے کے لئے آگے بھیجا، وہ لوٹ کر غدیر الاشطاط کے

مقام پر بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہوا اور اطلاع دی کہ قریش مزاحم ہوں گے، یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''لوگو مجھے مشورہ دو''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:۔

''یارسول اللہ ﷺ آپ زیارتِ کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں، کسی سے لڑنے کے لئے نہیں، اس لئے تشریف لے چلئے، جو شخص مزاحمت کرے گا ہم اس کا مقابلہ کریں گے''۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل، جزء المہاجرین)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس رائے پسند کیا اور ارشاد فرمایا ''خدا کا نام لے کر چلو''۔ غرض آگے بڑھ کر حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا گیا اور طرفین میں مصالحت کے لئے سلسلۂ گفتگو شروع ہوا، اسی اثناء میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو اسلامی سفیر کی حیثیت سے اہل مکہ کے پاس گئے تھے، شہید کردئے گئے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے تمام جانثاروں سے بیعت لی، یہ وہی بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں ''بیعتِ رضوان'' کے نام مشہور ہے۔

قریش مکہ مسلمانوں کی ان تیاریوں سے خوفزدہ ہوکر کچھ نرم پڑ گئے اور سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا جو نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھا اور لوگوں میں خطیبِ قریش کے نام سے مشہور تھا بالآخر کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور فریقین میں چند شرائط پر مصالحت ہوگئی جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں، بہرکیف جن دنوں طرفین میں مصالحت کے لئے سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور عروہ بن مسعود قریش کی طرف سے سفیر بن کر آیا تو اثنائے گفتگو میں اُس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، ''محمد فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کردیا تو کیا اس کی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کردیا ہو، اس کے سوا اگر لڑائی کا رُخ بدلا تو تیرے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اُڑ جائے گی''۔

(سیرۃ النبی ج ا شبلی نعمانی)

اس جُملہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے حلیم الطبع بزرگ نے برہم ہو کر کہا "کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔ عروہ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں؟ لوگوں نے بتایا "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ" اُس نے مخاطب ہو کر کہا "اگر میں تمہارا زیرِ احسان نہ ہوتا تو تمہیں نہایت سخت جواب دیتا"۔

حدیبیہ میں جو معاہدہ طے پایا وہ چونکہ بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت مضطراب ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "کیا آپ پیغمبر برحق نہیں فرمایا "ہاں ہوں" عرض کیا "کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں،" ارشاد ہوا۔ "ہاں" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تو دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا، خدا میری مدد کرے گا"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ ارشادِ نبوت سننے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہی باتیں دہرائیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ محرمِ اسرار نبوت تھے فرمایا، رسول اللہ ﷺ خدا کے رسول ہیں، خدا کی حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا، تم رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرو اللہ کی قسم! آپ حق پر ہیں"۔

سریہ بنو کلاب:

معاہدہ حدیبیہ کے باعث قریش مکہ کی طرف سے یک گونہ اطمینان ہوا تو محرم ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی کی گئی، اس غزوہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے، پھر اسی سال ماہِ شعبان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے مامور ہوئے، حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ

تھے، اس معرکہ میں دشمن کے کچھ لوگ قتل ہوئے اور کچھ گرفتار کر لئے گئے، غرض اس مہم کو کامیابی سے سرکرنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس مدینہ پہنچے۔

فتح مکہ:

قریش مکہ دو سال تک تو معاہدہ حدیبیہ کے پابند رہے مگر بعد میں مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ کے خلاف بنوبکر کی حمایت کر کے معاہدے کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کی اس عہد شکنی کے باعث ۱۰ ماہ رمضان ۸ ھ کو دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضور ﷺ کے ہمراہ تھے، مکہ پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت ابو قحافہ عثمان بن عامر رضی اللہ عنہ کو دربارِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے بکمالِ شفقت ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر انہیں نورِ ایمان سے مشرف فرمایا۔

غزوہ حنین و طائف:

فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو بنو ہوازن سے برسرِ پیکار ہونا پڑا، بنو ہوازن نہایت شجاع اور قادر تیر انداز تھے اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے متعلق حاسدانہ جذبات رکھتے تھے، چنانچہ وادیٔ حنین میں جب دونوں لشکروں کی مڈ بھیڑ ہوئی تو بنو ہوازن کی ایک جنگی چال کی وجہ سے اوّل اوّل نہ صرف مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا بلکہ دشمن کے اچانک حملہ سے لشکرِ اسلام میں ایسی افراتفری پھیلی کہ شکست کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا لیکن ایسی حالت میں بھی جو صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے اُن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اس معرکہ میں کامیابی کے بعد لشکرِ اسلام نے آگے بڑھ کر طائف کا محاصرہ کیا جہاں کفار کی شکست خوردہ فوج قلعہ بند ہو گئی تھی، حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اسی محاصرہ کے دوران میں عبداللہ بن محجن ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور آخر کار یہی زخم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں ان کی شہادت کا باعث بنا۔

غزوہ تبوک اور انفاق فی سبیل اللہ:

رجب ۹ھ میں یہ افواہ پھیلی کہ قیصر رُوم، عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور اس غرض کے لئے اُس نے ایک لشکرِ جرار فراہم کیا ہے، مسلمانوں کے لئے مسلسل جنگوں کے باعث یہ چونکہ نہایت عُسرت اور تنگ حالی کا زمانہ تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے جنگی تیاریوں کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی، تمام صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ چونکہ دولتمند تھے اس لئے کافی کچھ دیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا اثاثہ پیش کیا، لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امتیازی حیثیت حاصل کی یعنی جو کچھ گھر میں تھا سب رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیا، حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ''تم نے اہل و عیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے''؟ جانثارِ رسول ﷺ نے عرض کیا۔ ''اللہ اور اُس کے رسول ﷺ ہی کافی ہیں''۔ غرض اس مجموعی سرمایہ سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہوئی جو حدُودِ شام کی طرف بڑھی لیکن تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ رُومی حملہ کی خبر غلط تھی، چنانچہ لشکرِ اسلام واپس آ گیا۔

امارتِ حج:

اسی سال رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرما

کر تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کردیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرے، اہل سیر کے مطابق اسلام میں امیر الحج کا یہ پہلا عہدہ تھا، جس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مامور ہوئے، قرآن حکیم نے اس کو حجِ اکبر کہا ہے اس لئے یہ پہلا موقع تھا کہ رسمِ حج کا مقصد یہ تھا کہ خانہ خلیل علیہ السلام میں عہدِ جاہلیت کے اختتام اور حکومتِ اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے، مناسک و رسوم حج کی عام تعلیم دی جائے، زمانہ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے۔

سورہ برأت چونکہ اسی زمانہ نازل ہوئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر نقضِ عہد سے متعلق چالیس آیات سُنانے کے لئے بھیجے گئے تھے اس لئے بعضوں کو یہ شک پیدا ہوگیا کہ امارتِ حج کی خدمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو تفویض کی گئی تھی، لیکن یہ شدید غلطی ہے۔

مورخین اسلام کے مطابق ہر دو مختلف خدمتیں تھیں، ایک قافلہ سالار کی تھی اور دُوسری نقیبِ اسلام کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ دوسری خدمت تھی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس شرف کے تنہا مالک تھے۔

صحابہ کی امامت ایک عظیم سعادت:

امامت نہایت مشکل کام ہے اور صحابہ کی امامت اور بھی مشکل تھی، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں دو مرتبہ یہ عظیم الشان شرف حاصل ہُوا،

ایک بار بنو عمرو بن عوف میں کچھ جھگڑا ہوا، رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے، نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نماز پڑھائیں گے؟ فرمایا ''ہاں'' چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز شروع ہوئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہوگئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب کسی طرح اس بات کا علم ہُوا تو آپ نے مُڑ کر دیکھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی جگہ قائم رہنے کا اشارہ فرمایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر بھی پیچھے ہٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، ادائے نماز کے بعد حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم اپنی جگہ کیوں قائم نہ رہے؟ میں نے تو اجازت دے دی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''ابو قحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ آپ ﷺ کے آگے کھڑا ہو جائے۔'' (مدارج النبوۃ)

دُوسری مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت انجام دینا پڑی، ان ایام میں جب حضور ﷺ تشریف لاتے رہے خود امامت فرماتے رہے، لیکن جب مرض میں اضافہ ہُوا اور نقاہت کے باعث اُٹھنا مشکل ہوگیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں، اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ۹ ربیع الاوّل کی نماز عشاء سے لے کر ۱۲ ربیع الاوّل کی نماز فجر تک سترہ نمازوں کی امامت فرمائی، رحلت سے ایک دو روز قبل جب مرض میں ذرا تخفیف ہوئی تو رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے، ظہر کا وقت تھا اور خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر بیٹھ کر نماز میں داخل ہوگئے، حضور ﷺ نماز پڑھاتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ

ﷺ کی اقتدا کرتے اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جو آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا آخری خطبہ تھا، ارشاد فرمایا:۔

''سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں، اگر میں دُنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے، مسجد کے رُخ کوئی دریچہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے''۔

(سیرۃ النبی جلد اوّل شبلی)

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مالی ایثار، جانثاری اور مسلسل رفاقت کے اعتراف اور حضور سرورِ دو عالم ﷺ کے قلب رؤف و رحیم میں اُن کی قدر و منزلت کے لئے قطعی حُجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

پیکرِ صبر و استقلال:

بروز پیر ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ بوقت چاشت رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا، آپ ﷺ کی وفات ایک قیامتِ کبریٰ تھی جس کا صحابہ کو یقین نہیں آتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی لوگوں کے ہمنوا تھے اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کے وصال فرمانے سے انکار کر رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وصال کے وقت موجود تھے، اس روز چونکہ حضور سرورِ دو عالم ﷺ کے مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا اس لئے نمازِ فجر کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر مقام سخ تشریف لے گئے تھے، چنانچہ رحلت کی خبر ملنے پر تشریف لائے، کسی سے بات کئے بغیر سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حُجرہ میں پہنچے اور حضور ﷺ

کی نعش مبارک پر پڑی ہوئی چادر کو چہرہ انور سے ہٹایا، جُھکے اور بوسہ لیا، پھر رو کر فرمایا:۔

''میرے باپ والدین آپ پر قربان، آپ ﷺ موت و زندگی میں پاک تھے، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو دوبارہ موت نہ دے گا، جو موت آپ ﷺ کے لئے لکھی ہوئی تھی وہ آ چکی''۔ (مدارج النبوۃ)

پھر مسجد میں تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوشِ ادائیگی میں اب تک قسم کھا کر رسول اللہ ﷺ کی رحلت سے انکار فرما رہے تھے اور تلوار ہاتھ میں لئے کہہ رہے تھے کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی، اُس کا سر اُڑا دُوں گا۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔''او قسم کھانے والے بیٹھ جا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تو آگے بڑھے، لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ان کے گرد جمع ہو گئے، آپ نے تقریر شروع کی، لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے اور اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھ گئے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

''ہاں! جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا (وہ سن لے کہ حضرت محمد ﷺ وفات پا گئے، اور جو خدا کی عبادت کرتا تھا (اُس کو معلوم ہونا چاہیے کہ) خدا زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا، خدائے برتر فرماتا ہے:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ

فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْـًٔا وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِیْنَ.

(سورہ آل عمران)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی! اس تقریر پر لوگ چیخ اُٹھے اور سب کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا یقین ہوگیا، اب ہر شخص کی زبان پر یہی آیات جاری تھی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔

خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہُوا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آیت پڑھی تو فرطِ غم سے زمین پر گر پڑے۔

سقیفہ بنو ساعدہ اور بیعتِ خلافت:

مدینہ میں منافقین کی جماعت، جن کا شعار دوستی کے پردہ میں اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا، ہمیشہ سے موجود تھی اور اسلام دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے خلافت کا فتنہ کھڑا ہوگیا اور انصار نے سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہوکر جانشینی کا دعویٰ کیا، یہ مسئلہ ایسے نازک وقت چھڑا تھا کہ اگر بر وقت تدارک نہ کیا جاتا تو اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بروقت اس کی اطلاع ہوگئی اور آپ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لے کر وہاں پہنچے، دورانِ گفتگو میں انصار نے مطالبہ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا، ظاہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ اس صورت کو قبول کرنا اسلامی نظام کو خود اپنے ہاتھوں درہم برہم کرنے کے مترادف تھا، البتہ یہ ممکن تھا کہ مسندِ خلافت مستقل طور پر انصار کے حوالے کردی جاتی لیکن اس میں دقت یہ تھی کہ اولاً خود قریش

دُوسرے عرب قبائل قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تھے، مزید برآں انصار میں بھی دو گروہ تھے، اوس اور خزرج، اِن میں باہم اتفاق نہ تھا غرض ان مشکلات کے پیش نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ اُمراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزرا تمہاری جماعت سے، اس پر حضرت خباب بن المنذر انصاری رضی اللہ عنہ بول اُٹھے، ''نہیں، '' خدا کی قسم نہیں، ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ جوش وخروش دیکھا تو نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا اور برمحل تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''مجھے تم لوگوں کے فضائل و مناقب اور تمہاری خدماتِ اسلامی سے انکار نہیں، لیکن عرب، قریش کے علاوہ کسی اور کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاندانی تعلق کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں، یہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو''۔

(مدارج النبوۃ)

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا:۔

''نہیں! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے''۔ (ایضاً)

چونکہ اس مجمع میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی با اثر بزرگ اور معمر نہ تھا اس لئے سب نے اس انتخاب کو بہ نظر استحسان دیکھا اور بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، اس طرح یہ اُٹھتا ہوا طوفان دفعۃً رُک گیا اور مسلمان رسول اللہ

ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔

اس کے دوسرے دن مسجد نبوی ﷺ میں عام بیعت ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر اپنی خلافت کا آغاز اِن الفاظ سے کیا:۔

''صاحبو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت، انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق اس کو نہ دلا دُوں، اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق حاصل نہ کرلوں، یاد رکھو، جو قوم جہادِ فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے، خدا اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بد کاری پھیل جاتی ہے، خدا اس کو عام مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اگر میں خدا اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں۔ تو میری اطاعت کرو اور اگر نافرمانی کروں تم پر میری اطاعت لازم نہیں''۔ (طبقات ابن سعد حصہ سوم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں تاخیر کا سبب :

بیعت عام کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں کچھ دنوں تک تاخیر کی اس توقف نے اگرچہ مسلمانوں میں عجیب وغریب مباحث پیدا کردیئے ہیں تاہم اگر اس تاخیر کی وضاحت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی اپنا بیان موجود ہو تو ہمیں ایسے مباحث سے گریز کرنا چاہیے جو محض قیاسات پر مبنی ہوں اور ایک بالکل صاف اور سیدھی بات کو پیچیدہ بنا دیں۔ موزخین کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استفسار

پر اس توقف کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا، لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں گا، اُس وقت تک نماز کے سوا اپنی چادر تک نہ اوڑھوں گا۔'' (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

بہرکیف حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے بھی بیعت کرلی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''آپ کو خدا نے جو رتبہ دیا ہے اس پر ہم کو حسد نہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات کچھ اس انداز سے فرمائی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، آپ نے فرمایا، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز رکھتا ہو''۔ غرض اس صاف دلی کی گفتگو کے بعد دونوں بزرگوں کا آئینہ دل صاف ہوگیا اور بعد نماز ظہر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے عذر خواہی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے نہایت شاندار الفاظ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کا اعتراف کیا۔

قضیہ فدک:

اکثر مورخین نے بیعت کی تاخیر کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ باغِ فدک اور مسئلہ وراثت کے جھگڑوں نے خلیفہ اوّل کی طرف سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دل میں کسی قدر ملال پیدا کردیا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاسِ خاطر سے بیعت میں تاخیر کی ہو، اس واقعہ کی تفصیل میں اہل سیر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ عمِ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضور ﷺ کی اُس میراث کا مطالبہ کیا، جو ارضِ فدک اور خیبر کی جائیدادوں میں حضور ﷺ کے حصہ پر مشتمل تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوگی، ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہوگا، البتہ آلِ محمد ﷺ اس سے نفقہ لے سکتے ہیں، خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی قرابت سلوک کرنے کے معاملہ میں مجھ کو اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے''۔

مزید فرمایا:۔

''میں، خدا کی قسم، رسول اللہ ﷺ کے صدقہ میں بالکل تغیر نہ کروں گا، جو حالت اُس کی عہدِ رسول ﷺ میں تھی، وہی رہے گی اور میں وہی کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے''۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ والی مُہم:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز اگرچہ بڑی مشکلات اور بڑے اہم حوادث سے ہُوا، تاہم آپ نے اپنے تدبر، عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے ان سب پر قابو حاصل کرلیا، ان میں سب سے اہم انقلاب عرب کا ارتداد تھا، بہت سے قبائل نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ اقدس میں اسلام قبول کرلیا تھا لیکن یہ ابھی ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا اس لئے حضور نبی کریم ﷺ کے

وصال باکمال کے بعد وہ ارتداد کی رَو میں بہہ گئے، دوسری طرف جھوٹے مدّعیانِ نبوت اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، مزید برآں منکرینِ زکوٰۃ نے علیحدہ شورش بپا کر رکھی تھی، ان مشکلات میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مہم بھی در پیش تھی، جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات اقدس میں ہی شام پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن جیشِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی سے قبل ہی چونکہ رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوگئے تھے اس لئے فوج کی روانگی میں تاخیر ہوگئی تھی، چنانچہ جب آپ نے اس مہم کو روانہ کرنے کا عزم فرمایا تو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے رائے دی کہ اس کو فی الحال ملتوی کر کے پہلے مرتدین و کذّاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے لیکن خلیفہ اوّل کو یہ گوارا نہ تھا کہ جو علَم رسول اللہ ﷺ کے حکم پر رُوم کے مقابلہ کے لئے بلند کے لئے بلند کیا گیا، ہو اُس کا رُخ کسی دُوسری جانب پھیر دیا جائے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بار بار اصرار پر آپ نے برہم ہو کر فرمایا:۔

"اگر جنگل کے بھیڑیئے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اُٹھا لے جائیں تب بھی میں وہ کام کرنے باز نہیں آؤں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے کرنے کا حکم دیا ہے"۔ غرض خلیفہ الرسول اللہ ﷺ نے خطرات و مشکلات کے باوجود حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا اور خود پیدل پا مدینہ کے باہر تک اسے رُخصت کرنے کے لئے نکلے، حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور آپ پیدل گھوڑے کے ساتھ دوڑتے جاتے اور ہدایات دیتے جاتے تھے کہ:۔

"خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بیوفائی سے بچنا، بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، ہرے بھرے اور پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ جانوروں کو بے کار ذبح نہ کرنا"۔ (تاریخ طبری حصہ دوم)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو گھوڑے کے ساتھ دوڑتے دیکھ کر تعظیماً عرض کی "اے جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں ورنہ میں بھی اُتر تا ہوں" فرمایا:

"یہ دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں، نہ تم اُتر سکتے ہو اور نہ میں سوار ہوں گا، میں اس وقت اس لئے پیدل چل رہا ہوں تا کہ اللہ کی راہ میں کچھ دیر تک پیدل چل کر اپنے قدم خاک آلود کرلوں"۔ (تاریخ طبری حصہ سوم)

بہر کیف چالیس دن کے بعد جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی فوج اپنا مقصد پورا کر کے شام سے لوٹی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اس کا نہایت پُر جوش استقبال کیا۔

مدّعیانِ نبوت کا استیصال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس ہی میں بعض مدّعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے، مسیلمہ کذاب نے اگرچہ اسی زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا مگر کذب و افترا کی یہ آواز صورِ صداقت کے سامنے نہ اُبھر سکی تھی لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور بہت سے طالع آزماؤں کے دماغ میں یہی سودا سما گیا تھا، چنانچہ اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد وغیرہ کئی مدّعیانِ نبوت پیدا ہو گئے، مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس خبط میں مبتلا ہو گئی تھیں، اس ضمن میں قبیلہ تمیم کی ایک عورت سجاح قابل ذکر ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے مسیلمہ سے شادی کر لی تھی۔

بہر حال جنگ موتہ کی مہم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کذابوں کے استیصال کی طرف توجہ دی اور صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اس کام کے لئے

کون شخص زیادہ موزوں ہوگا، سب کی مشترکہ رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تھی لیکن چونکہ وہ اس وقت تک تمام تعلقات دُنیوی سے کنارہ کش تھے اس لئے ان کے بعد قرعہ فال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام نکلا چنانچہ وہ ۱۱ھ میں حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہاجرین وانصار کی جمعیت لے کر ان جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کے لئے نکلے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سب سے پہلے طلیحہ بن خویلد کی طرف بڑھے، اس کے پیروکاروں کو قتل وگرفتار کر کے عیینہ بن حصن سمیت تیس قیدیوں کو مدینہ روانہ کیا طلیحہ شام بھاگ گیا، پھر تجدید اسلام کر کے مسلمان ہوگیا، مسیلمہ کی بیخ کنی کے لئے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ مامور ہوئے ان کے ساتھ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل بھی تھے، جنہوں نے حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ سے پہلے پہنچ کر مسیلمہ کے پیرو بنی حنیفہ پر حملہ کردیا مگر ہزیمت اُٹھائی، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے بھیجا، مسیلمہ کذّاب نے اپنے چالیس ہزار متبعین کو لے کر نہایت شدید جنگ کی، لیکن مسلمانوں نے اسے شکست فاش دی اور مسیلمہ خود حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مقتول ہوا۔

فائدہ:

مورخین کے مطابق مسیلمہ کے قتل میں دو شخص شریک تھے، ایک حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ خود حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے مسیلمہ پر حربہ پھینکا اور ایک انصاری نے نہایت تیزی سے تلوار کا وار کیا، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے وار سے مسیلمہ کا خاتمہ ہُوا۔

مسیلمہ کی بیوی سجاح خود مدعی نبوت تھی شوہر کے قتل کے بعد بصرہ بھاگ گئی اور کچھ دنوں بعد مرگئی، اس جنگ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی جس میں تقریباً ستر حفاظِ قرآن بھی تھے تیسرے مدّعی نبوت اسود عنسی کی جماعت میں خود اختلاف پیدا ہوگیا اور وہ اپنے ہی ساتھیوں قیس بن مکشوح اور فیروز دیلمی کے ہاتھوں نشہ کی حالت میں مارا گیا،غرض چند دنوں کے اندران جھوٹے نبیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل)

مُرتدین کا استیصال:

مدّعیان نبوت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان عرب سرداروں کی طرف توجہ فرمائی جو رسول اللہ ﷺ کے بعد مُرتد ہوکر اپنے اپنے علاقہ کے بادشاہ بن بیٹھے تھے، ان میں نعمان بن منذر نے بحرین میں، لقیط بن مالک نے عمان میں اور متعدد سرداران قبائل نے کندہ کے علاقہ میں مُرتد ہوکر خودسری کا اعلان کیا چنانچہ خلیفہ رسول ﷺ نے حضرت علاء بن حضرمی، حضرت حذیفہ بن محصن اور حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم کو بالترتیب اِن مُرتد سرداروں کے مقابلہ کے لئے بھیجا، حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے نعمان کا قلع قمع کیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ لقیط کو واصل جہنم کیا اور حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے مُلوک کندہ کو زیر کر کے دوبارہ اسلام پر قائم کیا۔

منکرینِ زکوٰۃ کی تادیب:

ان سب میں زیادہ اہم اور نازک مسئلہ منکرین زکوٰۃ کا تھا چونکہ یہ گروہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور صرف زکوٰۃ کی ادائیگی کا منکر تھا، اس لئے اس کے خلاف تلوار اُٹھانے میں بعض کبار صحابہ نے اختلاف کیا، یہاں تک کہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ جیسے صاحب رائے بزرگ بھی ان لوگوں کے خلاف تلوار اُٹھانے کے حق میں نہیں تھے، لیکن خلیفہ الرسول ﷺ کا ارادہ و استقلال صحابہ کرام نے اختلاف کے باوجود غیر متزلزل رہا، چنانچہ آپ نے صاف کہہ دیا:۔

"خدا کی قسم، جو شخص رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ بھی زکوٰۃ میں دیتا تھا، اگر وہ اس کے دینے سے انکار کریگا تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کروں گا"۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل خلفائے راشدین)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اصرار یہ تھا کہ اگر آج انہیں زکوٰۃ نہ دینے پر معاف کردیا جائیگا تو کل یہ لوگ صوم وصلوٰۃ سے بھی منکر ہو جائیں گے اور اس طرح اسلام ایک تماشہ بن جائے گا، آخر آپ کی اصابت رائے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی کے ساتھ منکرینِ زکوٰۃ قبائل کے مقابلہ میں خود تشریف لے گئے، اس تشدّد کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند دنوں کے اندر تمام منکرین نے زکوٰۃ ادا کر دی اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مذہبی بصیرت، اصابت رائے اور استقلال و استقامت سے وہ تمام فتنے دَب گئے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دفعۃً بپا ہو گئے تھے۔

تدوینِ قرآن:

مدّعیان نبوت اور مرتدین اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہو گئے تھے خصوصاً مسیلمہ کذاب کے خلاف خونریز جنگ میں اس قدر صحابہ رضی اللہ عنہم کام آئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خدشہ محسوس ہونے لگا اگر صحابہ کی شہادت کا یہی سلسلہ رہا تو کلام الٰہی کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ چنانچہ اس خدشہ کے پیش نظر انہوں نے خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کی تحریک

کی۔ اہل سیر کے مطابق پہلے تو آپ نے عذر کیا مگر جب اس کام کی اہمیت واضح ہوگئی تو آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو عہدِ نبوت میں کاتبِ وحی تھے قرآن حکیم جمع کرنے کا حکم دیا، اس طرح قرآن حکیم نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ ایک کتاب کی شکل میں مدون ہوگیا اور ابدالآباد تک تحریف سے بچ گیا نیز اُممِ سابقہ کے آسمانی صحائف کا جو حشر ہوا تھا، اسلام میں اس کا اعادہ نہ ہوسکا۔

اس ضمن میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں قرآن حکیم کو باہم مرتب کرنا نہ تھا کیونکہ سورتوں کے نام اور آیتوں و سُورتوں کی باہمی ترتیب کا کام رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں ہی وحی والہام کے ذریعہ مکمل ہوچکا تھا، خود حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم جمع کرنے کی جو صورت بتائی ہے وہ یہ تھی۔

''میں قرآن کو چمڑہ کے ورقوں، شانہ کی چوڑی ہڈیوں اور کھجور کی پتیوں اور لوگوں کے سینوں سے ڈھونڈھ کر جمع کرنا شروع کیا''۔

(سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

اس تشریح سے صاف ظاہر ہوگیا، کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے صرف قرآن حکیم کے متفرق اجزا کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدوّن کردیا تھا۔

یہ نُسخہ کب تک محفوظ رہا:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مدوّن کیا ہوا نسخہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حوالے فرمادیا اور وصیت کی کہ کسی شخص کو نہ دیں،

البتہ جس کو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اس سے استفادہ کرسکتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے عاریتاً لے چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات پر روانہ کر دیئے، لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا جسے مروان نے اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہ سے لے کر ضائع کر دیا۔

(سیر الصحابہ جلد اوّل خلفائے راشدین)

فتوحات ایران رُوم کی مخالف حکومتیں:

اندرُونی انقلابات کی کامیابی کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عرب کے ناگزیر سیاسی حالات کی بناء پر بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ کرنا پڑی، اس زمانہ میں جزیرہ نمائے عرب دُنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں میں گھرا ہوا تھا، ایک شام پر رُومی پھریرا لہرا رہا تھا اور دُوسری طرف ایران پر ساسانی خاندان کا تسلّط تھا، دونوں حکومتیں عربوں کی پرانی دشمن تھیں اور ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھیں خصوصاً ایرانیوں نے اس مقصد کے لئے بارہا بڑی بڑی فوجیں بھیجیں اور بعض اوقات انہوں نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ بھی کرلیا، یہاں تک کہ ساسانی سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سابور بن اردشیر نے حجاز و یمن دونوں کو باجگذار بنالیا تھا، اسی طرح سابور ذُوالاکتاف یمن وحجاز فتح کرتا ہوا مدینہ منوّرہ تک پہنچ گیا تھا، یہ عربوں کا اتنا شدید دُشمن تھا کہ جو عرب گرفتار ہو کر اس کے قبضہ میں جاتے تھے، وہ اُن کے شانے اُکھڑوا دیتا تھا، اسی لئے وہ عربوں میں ذوالاکتاف یعنی ”شانے والے“ کے لقب سے مشہور ہُوا، لیکن عرب چونکہ کسی بیرونی طاقت سے دبنے والے نہ تھے اس لئے جونہی انہیں موقع ملتا، چھٹکارا حاصل کرلیتے اور ان کا ملک

دبا بیٹھے تھے، چنانچہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلی تھیں اور اس سلسلہ کے ایک فرمانروا عمر بن عدی نے حیرہ کو دارالسلطنت بنایا تھا، غرض عربوں اور ایرانیوں میں قدیم عداوت چلی آرہی تھی اور ایرانی عربوں کو نہایت حقارت سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ محرم ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں خسرو پرویز، شہنشاہِ ایران کو خط لکھا تو اُس نے غضبناک ہوکر نامہ مُبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا ''میرا غلام ہوکر مجھے یوں لکھتا ہے''۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل خلفائے راشدین)

بہرکیف پہلے تحقیر کا یہ جذبہ تھا لیکن اس کے بعد جب اسلام نے سارے عرب کو ایک متحدہ طاقت بنادیا تو اُس وقت کی ساسانی حکومت اسے خوف وخطر کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ عربوں کی دُوسری ہمسایہ حکومت رُومیوں کی تھی جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، عرب کے پڑوس شام میں ہرقل رُومیوں کے ماتحت حکومت کرتا تھا اگرچہ یہ حکومت ایرانیوں کی طرح عربوں کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی تاہم دونوں قوموں میں قدیم سے رقابت چلی رہی تھی عرب کے بہت سے قبائل جو شام کے سرحدی اضلاع میں آباد ہوگئے تھے اُنہوں نے عیسائیت قبول کر کے بڑی بڑی ریاستیں قائم کرلی تھیں اور اسی مذہبی تعلق کی بنا پر ان کو رُومیوں کے ساتھ نہ صرف ایک قسم کی یگانگت پیدا ہوگئی تھی بلکہ ظہور اسلام کے بعد مشرکین عرب کی طرح حدُودِ شام کے عرب عیسائی بھی مسلمانوں کے سخت دشمن ہوگئے تھے، چنانچہ ۶ھ میں اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک سفیر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو، قیصر رُوم کی دعوت اسلام کا پیغام دے کر واپس آرہے تھے، لوٹ لیا تھا اور دُوسرے اسلامی سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو

حاکم بصریٰ شرجیل بن عمرو الغسانی نے قتل کر دیا تھا، اسی کا انتقام لینے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ۸ ھ میں تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر روانہ فرمایا تھا جس میں بڑے بڑے صحابہ نے جام شہادت نوش کیا، پھر ۹ ھ میں جب یہ معلوم ہوا کہ رُومی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ اس کی مدافعت کے لئے جب بہ نفسِ نفیس تبوک تک تشریف لے گئے تو رُومیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور عارضی طور پر جنگ کا خطرہ ٹل گیا، تاہم مسلمانوں کو شامی عربوں اور رومیوں کی طرف سے ہر وقت خطرہ رہتا تھا چنانچہ اس خطرہ کے انسداد اور شہدائے موتہ کا انتقام لینے کے لئے رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو شام بھیجنے کا ارادہ فرما ہی رہے تھے کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا چنانچہ انہی اسباب کی بناء پر خلیفہ رسول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

عراق کی مُہم:

اس زمانہ میں ایران کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی خسرو پرویز کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ اپنے تمام بھائیوں کو قتل کر کے تخت نشین ہوا مگر خود آٹھ ماہ سے زیادہ حکومت نہ کر سکا، اس کے بعد شیرویہ کا صغیر السن بیٹا تخت پر بیٹھا جسے ایک درباری افسر نے قتل کر کے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا چند دنوں کے بعد دُوسرے درباریوں نے اسے قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا ایک سال بعد یہ بھی مر گیا اب شاہی خاندان میں ایک کم عُمر شہزادے یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا جسے تخت نشین کیا جاتا چنانچہ شاہی خاندان کی ایک عورت پوران دخت کو اس

شرط تخت کیانی پر بٹھایا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچے کے بعد وہ بادشاہ بنایا جائیگا۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

عراق کے وہ قبائل جو ہمیشہ سے ایرانیوں کے ظلم و ستم برداشت کرتے آرہے تھے ایسے مواقع سے فائدہ اُٹھانے کے منتظر تھے، چنانچہ عراق کے عرب قبیلہ وائل کے دو، سرداروں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر حرہ اور ابلہ پر تاخت شروع کر دی تاہم ایرانی حکومت اس زوال کے باوجود اتنی قوی تھی کہ اسے زیر کرنا عرب سرداروں کے بس کی بات نہ تھی اس لئے مثنیٰ نے دربارِ خلافت میں حاضر ہو کر عراق پر فوج کشی کی اجازت حاصل کی مثنیٰ خود تو اسلام لا چکے تھے لیکن ان کا قبیلہ بدستور عیسائی تھا چنانچہ مدینہ سے واپس آکر سب سے پہلے اُنھوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام جیسی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور کیا اور پھر اسے لے کر عراق روانہ ہو گئے، اس وقت تک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جھوٹے مدّعیانِ نبوت اور مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے تاہم وہ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک جمعیت کے ساتھ مثنیٰ کی امداد کے لئے عراق جانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ فوجیں لے کر سیدھے عراق روانہ ہو گئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچتے ہی جنگ کی صُورت بدل دی اور بانقیا، کسکر، اُلیس اور امغیشیا وغیرہ فتح کر کے آپ نے حیرہ کا محاصرہ کرلیا اہل حیرہ نے ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی اور ساتھ ہی قرب و جوار کے باشندے بھی بیس ہزار درہم سالانہ پر مطیع ہو گئے ادھر سے فارغ ہو کر آپ انبار پہنچے اور اس کی تسخیر کے بعد عین التمر کا معرکہ سر کیا یہاں سے آپ نے حضرت عیاض رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے دومتہ الجندل کا رُخ کیا اور اکیدر، اور جودی کو قتل کر کے ان کے قلعوں پر قبضہ کرلیا، پھر فراض روانہ ہوئے اور اس معرکہ میں

اہل فارس روم کی مشترکہ فوجوں کو شکست فاش دی۔

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق اس لڑائی میں دُشمن کے ایک لاکھ سپاہی ہلاک ہو گئے فراض میں دس دن قیام کے بعد اسلامی لشکر کو حیرہ کی طرف واپسی کا حکم دے کر خود پچیس ذیقعد ۱۲ھ کو خُفیہ طور پر حج کے لئے روانہ ہو گئے اور واپسی پر دوبارہ عراق کی مُہم میں مصروف ہو گئے۔ (تاریخ طبری)

شام پر فوج کشی:

عراق کی مُہم کی ابھی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ دُوسری طرف شام کی سرحد پر جنگ چھڑ گئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ۱۳ھ میں کبار صحابہ کے مشورہ سے شام پر فوج کشی کا فیصلہ کیا اور ہر ہر حصہ میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں، دمشق کی مہم پر حضرت زید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ مامور ہوئے حمص پر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، اُردن پر حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور فلسطین پر حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ فوج کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان سب پر سالار اعظم مقرر ہوئے۔

مسلمانوں کی فوج کشی کے وقت ہرقل والئ شام، حمص میں تھا، اس نے مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے تمام مسلمان افسروں کے مقابلہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہوسکیں چنانچہ مسلمان جب شام کی سرحد پر پہنچے تو انہیں قدم قدم پر رُومی جتھوں کا سامنا ہُوا، مسلمانوں نے اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مزید فوج کے لئے لکھا، اس وقت چونکہ دارالخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی اس لئے خلیفہ اوّل نہایت فکر مند ہوئے، آخر آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام بھیجنے کا

فیصلہ کیا، چنانچہ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ عراق کا انتظام حضرت مثنیٰ کے حوالے کرکے شام چلے جائیں، اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو راستہ میں حدرواء، سوی قصم اور مرج راہط وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنا پڑیں، سرزمین شام میں قدم رکھنے کے بعد بصریٰ پر فوج کشی کرکے یہاں کے بطریق کو شکست دی اور اہل بصریٰ سے اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے۔

دُوسری طرف فلسطین کے مورچہ پر حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے اور اُن کے مقابلہ پر اجنادین میں رُومیوں کا عظیم الشان لشکر جمع کیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس صورت حال کے پیشِ نظر بصریٰ سے فراغت کے بعد حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے روانہ ہوگئے وہاں پہنچ کر رُومیوں سے نبرد آزما ہوئے اور انہیں شکست دے کر اجنادین پر قبضہ کرلیا، اس کے بعد متحدہ لشکر نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے مل کر دمشق کا محاصرہ کرلیا جو کامل تین ماہ جاری رہا، یہ حالت ابھی قائم تھی کہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ ختم گیا۔ (فتوح الشام)

مرض الموت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف:

ماہ جمادی الثانی ۱۳ھ میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے اور پندرہ روز تک اس شدّت کے ساتھ بخار میں مبتلا رہے کہ مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہوگئے ان دونوں میں آپ کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کی خدمت انجام دیتے رہے، آخر آپ جب زندگی سے مایوس ہوگئے تو اکابر صحابہ

رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنے جانشین کے بارہ میں مشورہ کیا، اور اپنی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن وہ کسی قدر سخت ہیں"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اُن کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے" حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے آئے تو اُنہوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی کی شکایت کی اور کہا "جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہیں تو آپ کے بعد نہ جانے کیا کریں گے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ "جب ان پر خلافت کا بوجھ پڑے گا تو خود نرم ہو جائیں گے"۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا "آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مزاج کی سختی کے باوجود انہیں اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں، ذرا سوچ لیجئے کہ آپ خدا کو کیا جواب دیں گے" آپ نے فرمایا "میں عرض کروں گا کہ مولیٰ کریم، میں نے تمہارے بندوں میں سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب میں اچھا تھا"۔

(تاریخ الخلفاء)

غرض سب کو مطمئن کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ ضعف کے سبب غش آ گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا، تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ تحریر پڑھیں، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سُنا تو بیساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور فرمایا "حق تعالیٰ آپ کو اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے" غرض جب وصیت نامہ مکمل ہو گیا تو اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عام مجمع میں سُناؤ، خود بالاخانہ پر تشریف لے جا کر حاضرین سے فرمایا:۔

"میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ

لوگوں کا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ پس آپ ان کے احکام سُنیں اور ان کی اطاعت کریں"۔ سب نے بالاتفاق اس حسن انتخاب پر سمعنا و اطعنا کہا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بُلا کر نہایت مفید نصیحتیں کیں کو ان کی کامیاب خلافت کے لئے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔ (سیرت صدیق اکبر از محمد رضا مصری)

آخری وصیتیں اور وصال:

انتخابِ خلیفہ کے فرض سے بصد حسن و خوبی عہدہ برآ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی اور خانگی اُمور کی طرف توجہ کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بُلا کر فرمایا۔ "میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ سے اسے ادا کرنا، میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اُونٹنیاں ہیں، انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دینا، اس کے علاوہ اگر اور کوئی چیز نکل آئے تو اسے بھی بیت المال میں داخل کر دینا"۔ (معارج النبوت)

کفن کے متعلق فرمایا" میرے بدن پر جو کپڑا ہے اسی کو دھو کر دُوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے، کفن کے لئے نیا ہونا چاہیے، فرمایا "زندے مُردوں کی نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حق دار ہیں"۔ اس کے بعد پوچھا "آج کونسا دن ہے" معلوم ہوا کہ پیر کا دن ہے پھر پوچھا "رسول اللہ ﷺ کا وصال کس روز ہُوا تھا"۔ حاضرین نے کہا فرمایا "میری بھی یہی آرزُو ہے" چنانچہ آپ کی یہ آرزُو پوری ہوئی اور آپ نے ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ پیر کا دن گزرنے کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان بعمر تریسٹھ سال انتقال فرمایا۔ (طبقات ابن سعد حصہ سوم)

وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین ہوئی، آپ کی زوجہ محترمہ

حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قبر میں اُتارا، اور اس طرح سرورِ کونین ﷺ کا رفیق غار حضور نبی کریم ﷺ کے پہلو میں مدفون ہوکر دائمی رفاقت کے لئے جنت میں پہنچ گیا۔

اَزواج و اَولاد:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں بعض مورخین نے ان کی تعداد پانچ لکھی ہے، ابنِ سعد نے اُن کی بیویوں کا ذکر کیا ہے جن سے اولاد ہوئی، ان کے نام یہ ہیں:۔

قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن عبدا سعد بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر، ان سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، حضرت اسماء کا لقب ذات النطاقین تھا۔

حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا بنتِ عامر بن عویمر بن عبدشمس بن عتاب، یہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی ماں تھیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ عمیس بن معد بن تیم بن حارث کے بطن سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔

حبیبہ رضی اللہ عنہا بنتِ خارجہ بن زید بن ابی زہیر سے ایک لڑکی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی جس کا نام اُمّ کلثوم تھا۔ (طبقات ابن سعد)

حُلیہ:

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں لکھا ہے کہ لوگوں نے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حُلیہ مبارک بیان کیجئے تو اُنہوں نے فرمایا:۔

"وہ گورے اور دُبلے تھے، دونوں رُخساروں پر بہت کم گوشت تھا، سینہ آگے سے اُبھرا ہُوا تھا پیشانی بلند وفراخ اور آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، اُنگلیوں کی جڑیں گوشت سے خالی تھیں ڈاڑھی میں کسم اور حنا کا خضاب لگاتے تھے"۔

(طبقات ابن سعد)

لباسِ وغذا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سادہ زندگی بسر کرتے اور موٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے، دستر خوان پر تکلّف نہ تھا، خلافت کے بعد یہ سادگی اور زیادہ ہوگئی تھی، آپ نے چونکہ اپنی ساری دولت اسلام پر نثار کردی تھی اس لئے عُسرت کے باعث دو دو تین تین وقت فاقہ سے گزر جاتے تھے، ایک روز رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں بھوک سے بیقرار دیکھا تو فرمایا:۔

"میں بھی تمہاری طرح سخت بُھوکا ہُوں"۔ حضرت ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہُوا تو انہوں نے گھر پر کھانے کی دعوت دی۔

ذریعہ معاش:

آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا، فرماتے ہیں کہ میں قریش میں سب سے بڑا اور دولتمند تاجر تھا، عہدِ اسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا اور آپ نے مال تجارت لے کر دُور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا، چنانچہ وصالِ نبوی ﷺ سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصریٰ تشریف لے گئے تھے۔

وظیفہ خلافت:

خلافت کا بار جب سر پر آیا تو قدرتی طور پر آپ کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہوگیا، اب بحیثیت خلیفہ المسلمین اگر آپ چاہتے تو ایک حدیث کی رُو سے رسول اللہ ﷺ کی متروکہ جائداد سے اپنے لئے معاش کا سامان کر سکتے تھے، لیکن آپ نے انتہائی زُہد و تقویٰ کی بنا پر ایسا نہیں کیا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہم مشورہ کر کے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور ان کے اہل و عیال کے لئے کپڑے اور کھانا مقرر کر دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو منظور کر کے فرمایا۔

"میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ اہل و عیال کا بار اُٹھانے سے قاصر نہ تھا اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مصروف ہوگیا ہُوں، اس بنا پر آل ابوبکر اس مال سے کھائیں گے، اور مسلمانوں کے لئے تجارت کریں گے"۔

(معارج النبوت)

انفاقِ فی سبیل اللہ:

مال و دولت اگر صحیح اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر و قیمت لا متناہی ہو جاتی ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس قبول اسلام سے پہلے چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے، اُنہوں نے یہ تمام دولت راہِ خُدا میں خرچ کر دی جس کے برمحل ہونے کا اعتراف خود سرورِ کونین ﷺ نے رہا فرمایا۔ "ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے زیادہ کوئی مال میرے لئے مفید نہ ہُوا"۔ اس فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ سرورِ کونین ﷺ جب بطور تشکر یہ ارشاد فرماتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور عرض کرتے "یا رسول اللہ ﷺ! جان

و مال سب آپ ﷺ کے لئے ہے" آغاز اسلام میں اکثر غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دیا، غزوہ تبوک کے موقع پر جس فیاضی کا آپ نے اظہار فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحہ تک جاری رہا یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی فقراء و مساکین کو فراموش نہ کیا اور اپنے مال میں ایک خمس کی ان کے لئے وصیت فرما دی۔

اخلاق و عادات:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ طبعًا اخلاقِ حمیدہ سے متصف تھے، ایامِ جاہلیت میں بھی عفت و پارسائی، رحمدلی، راستبازی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے، اُن دنوں جبکہ اہلِ عرب ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا تھے شراب پیتے، جُوا کھیلتے، سُود کھاتے اور ہر بے حیائی روا رکھتے تھے آپ کا دامن عفاف کبھی ان دھبوں سے داغدار نہ ہُوا تھا، رئیسِ قارہ ابن الدغنہ نے قریش کے سامنے آپ کے اخلاق کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:۔

"یہ صلہ رحم کرتے ہیں مقروضوں کا بار اُٹھاتے ہیں غریبوں کی اعانت کرتے ہیں مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں"۔ (معارج النبوت)

لیکن یہ زمانہ جاہلیت کے اوصاف کا ذکر ہے۔ زمانہ اسلام میں رسول اللہ ﷺ کی صُحبت نے انہی اوصاف کو اور زیادہ جامع، ہمہ گیر، موثر متنوع اور مجلا بنا دیا تھا۔

ایثار:

قوموں کی سعادت کا سرچشمہ ایثار نفس ہے اور یہ وصف حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ میں تقریباً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے نمایاں تھا، سقیفہ بنو ساعدہ میں آپ نے تقریر کرنے کے بعد خلافت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا اور اپنے آپ کو بالکل علیحدہ کرلیا، یہ آپ کے اسی ایثار کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کو آپ جیسا خلیفہ ملا جس کی بزرگی، پارسائی ایثار اور عظمتِ کردار کا ہر شخص معترف تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے حکم پر سر جھکانا باعثِ سعادت خیال کرتا تھا۔

شجاعت:

ترقی اقوام کا سب سے بڑا متحرک جذبہ شجاعت ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں تمام وکمال موجود تھا، کفر زارِ مکہ کا ذرّہ، ذرہ خدا کے آخری نبی ﷺ کا دشمن ہے، اکثر صحابہ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے ہیں، جانثارانِ خاص میں سے بھی زیادہ تر مدینہ روانہ ہو چکے ہیں، پیغمبر خدا ﷺ دشمنوں کے نرغہ میں ہیں کہ ہجرت کی اجازت ملتی ہے اور رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر روانہ ہوتے ہیں پھر غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تین دن قیام کیا اس کے بعد آپ مدینہ کے راستے میں رسول اللہ ﷺ کو ایک چٹان کے سایہ میں بیٹھا کر محافظت کے لئے باہر نکلتے ہیں اور چاروں طرف نگاہ دوڑاتے ہیں کہ دشمن نہ آرہا ہو، غزوہ بدر میں جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میدان جنگ میں مصروف پیکار تھے، صرف آپ کی ذات گرامی تھی جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر کھڑی تھی اور اس وقت بھی ''ثانی اثنین'' بنی ہوئی ہے۔ غزوہ اُحد میں گو جسم چور چور ہے پھر بھی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ وفات کے بعد مانعینِ زکوٰۃ کے مقابلہ پر جہاد کا عزم بالجزم، جب کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اُن سے جہاد ضروری

نہیں سمجھتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شجاعت کی روشن دلیل ہے۔

تواضع وانکساری:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ طبعاً نہایت منکسر المزاج واقع ہوئے تھے اور کسی کام سے ان کو عار نہ تھا، خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے سے پہلے اکثر بھیڑ بکریاں خود ہی چرالیتے اور محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوہتے تھے، جب آپ خلیفہ ہوئے تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی اور اُس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا "اب ہماری بکریاں کون دوہے گا"۔ آپ نے سُنا تو فرمایا "خدا کی قسم، میں بکریاں دوہونگا اُمید ہے کہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گزاری سے باز نہ رکھے گی"۔ (طبقات ابنِ سعد)

دارالخلافہ سے جب بھی کوئی مہم روانہ ہوتی تو آپ ضعف وکبرسنی کے باوجود دُور تک پیدل جاتے اور راہِ خدا میں اپنے پاؤں غبار آلودہ کرنے کو اپنے لئے سعادت سمجھتے، عجز وتواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جب جانشینِ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے تعظیم وتوقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی اور فرماتے کہ "مجھے لوگوں نے بہت بڑھا دیا ہے"۔ اسی طرح اگر کسی زبان سے اپنی مدح وستائش سُنتے تو فرماتے:۔

"مولیٰ کریم، تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، مولیٰ کریم، تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت فرما میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ فرمانا"۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل خلفائے راشدین)

مذہبی زندگی:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات بھر نماز پڑھتے، دن کو اکثر روزہ رکھتے اور موسم گرما خصوصاً روزوں ہی میں بسر ہوتا تھا، نماز پڑھتے تو خشوع وخضوع کا یہ عالم ہوتا کہ لکڑی کی طرح بے حس وحرکت نظر آتے، دردوسوز چونکہ آپ کی طبیعت کا خاصا تھا اس لئے دورانِ نماز میں اس قدر رقت طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی، خوف محشر آپ کی رگ وپے میں سمایا ہوا تھا، دُنیا کا ذرّہ ذرّہ آپ کے لئے سرمایا عبرت تھا، کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو کہتے ''کاش میں درخت ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا'' اگر کسی باغ سے گزر ہوتا تو چڑیوں کو چہچہاتے دیکھ کر آہِ سرد کھینچتے اور فرماتے:۔

''پرندہ تمہیں مُبارک ہو کہ دُنیا میں چرتے چگتے ہو، درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے دن تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں، کاش، ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تمہاری طرح ہوتا''۔ (شرح الصدور سیوطی)

قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ آس پاس کے لوگ جمع ہو جاتے، نرم دلی اور رقتِ قلب کی وجہ سے بات بات پر آہِ سرد کھینچتے، یہاں تک کہ ''اواہ منیب'' ان کا نام ہوگیا تھا۔

خانگی زندگی:

ہر شعبہ حیات کی طرح خانگی زندگی میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مثالی حیثیت رکھتے تھے، آپ اگرچہ بیوی بچوں سے محبت رکھتے اور ہر ایک کے دُکھ درد میں برابر کے شریک رہتے تھے تاہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بہت

عزیز جانتے تھے، نواحِ مدینہ میں اپنی ایک جاگیران کے نام ہبہ کردی تھی لیکن جب وفات کا وقت آیا تو اس کے دوسرے وارثوں کی حق تلفی خیال کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''جانِ پدر، افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے عزیز رہی ہو، میری خواہش ہے کہ جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے اس میں اپنے دُوسرے بھائی بہنوں کو بھی شریک کرلو''۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی وفات کے بعد جاگیر تقسیم کردی۔

مہمان نوازی:

یوں تو ہمیشہ سے مہمان نوازی اہل عرب کا شیوہ خاص تھا تاہم جب اسلام آیا تو اُس نے مہمان نوازی کو اخلاقِ حسنہ کی ایک اعلیٰ قدر کے درجہ تک بڑھا دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں بھی ایک خاص مقام رکھتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ رات کے وقت چند اصحابِ صفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مہمان تھے، آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ میں بارگاہِ نبوت ﷺ میں جا رہا ہوں تم میری واپسی سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جو کچھ حاضر تھا، مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کردیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیر سے تشریف لائے اور یہ جان کر کہ مہمان ابتک بھوکے بیٹھے ہیں اپنے صاحبزادے پر سخت برہم ہوئے اور فرمایا ''واللہ، میں اس کو آج کھانے میں شریک نہیں کروں گا''۔ لیکن بعد میں جس مہمانوں نے حقیقت حال کی وضاحت کی اور اصرار کیا کہ جب تک حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کھانے میں شریک نہ ہوں گے وہ کھانا نہیں کھائیں گے، تو آپ کا غصہ ختم ہوا اور دسترخوان

بچھانے کا حکم دیا، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت نازل ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ اس میں سے کچھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیج دیا۔

بُخل سے نفرت:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بُخل سے سخت نفرت کرتے تھے، ایک بار حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب ان سے کہا کہ آپ مجھ کو دینے میں بُخل کرتے ہیں تو آپ نے ان الفاظ کو تین بار دُہرایا:۔

”تم کہتے ہو کہ آپ بخل کرتے ہیں، بخل سے بڑھ کر کون بُرا مرض ہو سکتا ہے“؟

شکر:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جو فضیلتیں عطا فرمائی تھیں آپ اُن کا ہر وقت شکر ادا کرتے رہتے تھے، ایک بار امامت کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو صف میں کھڑے ہو گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے فرمایا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نیت توڑ دی، ہاتھ اُٹھائے اور رسول اللہ ﷺ اس ارشاد پر خدا کا شکر ادا کیا، پھر پیچھے ہٹ کر صف میں شامل ہو گئے۔

راز داری:

دوستی کے لئے راز داری شرطِ اولین ہے اور سرورِ عالم ﷺ کے رفیق خاص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں یہ وصف نہایت شدّت کے ساتھ نمایاں تھا، حضرت

عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپس میں نہایت مخلص دوست تھے تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر رسول اللہ ﷺ کی دوستی کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت خنیس بن خدافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو منسوب تھیں جو اصحاب بدر میں تھے، اُن کا انتقال ہُوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ سے آپ کا نکاح پڑھا دوں، اُنہوں نے فرمایا کہ فی الحال میرا کوئی ارادہ نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعلقات چونکہ ان سے بہت زیادہ تھے اس لئے قدرتی طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ ہُوا، خود فرماتے ہیں ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انکار پر مجھ کو جو غُصہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خاموشی پر اُس سے زیادہ غُصہ آیا۔ چند روز بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پیغام دیا اور یہ مُبارک تقریب انجام پائی نکاح کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ تم کو میری خاموشی سے رنج ہوا ہوگا؟ اُنہوں نے کہا ”ہاں“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

”تمہاری درخواست کا جواب دینے میں جو چیز مجھ کو مانع ہوئی یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اُن (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر فرما چکے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ کے راز کو فاش کرنا مناسب نہ سمجھا، اگر حضور ﷺ ارادہ فسخ کرتے تو میں اُن سے نکاح کر لیتا۔“ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

رقیق القلبی:

یہ رقتِ قلب اور لطافتِ طبع کا جوہر ہی تھا جو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے قبول اسلام کا باعث بنا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں یہ جوہر اس قدر نمایاں تھا کہ انہوں

نے حق کی پہلی ہی آواز پر اپنے آپ کو اسلام کی دہلیز پر جھکا دیا اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر بلا تأمل اور بغیر جھجک کے لبیک کہا، آپ عموماً ہر بات کا شدّت سے اثر قبول کرتے اور اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکتے تھے، ابتدائے اسلام میں جب آپ صحنِ خانہ کی مسجد میں بیٹھ کر قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی اور آپ کی اس قلبی کیفیت سے کفار تک متاثر ہوتے۔

واقعہ افک میں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رونا شروع کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے، مرض الموت میں جب رسول اللہ ﷺ نے اُن کو جماعت صحابہ کا امام بنانا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی اسی خصوصیّت کی بنا پر یہ عذر پیش کیا۔

"ابو بکر رضی اللہ عنہ جب آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو اس قدر روئیں گے کہ قرات کی آواز نہ سنائی دے گی"۔

حُبِ رسول ﷺ:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایا حُبِ رسول اللہ ﷺ تھا قرآن حکیم نے ایمانِ کامل کا معیار یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت جان مال، اولاد غرض تمام دُنیاوی تعلقات پر غالب آجائے اور اس معیار پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی شخص پورا نہیں اُتر سکتا رفاقتِ غار اور غزوات کے واقعات حُبِ رسول اللہ ﷺ کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

انسان کے لئے مال نہایت محبوب چیز ہے مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر نثار کر دیا اور اور اپنے لئے خدا اور اُس کے رسول اللہ ﷺ کی محبت کے سوا کبھی کچھ نہ رکھا، اسی طرح اولاد سب کو عزیز

ہوتی ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ پر اولاد کوئی وقعت نہ رکھتی تھی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی نہایت محبوب صاحبزادی تھیں اور ازواجِ مطہرات میں داخل تھیں تاہم غزوہ مرلسیع میں جب اُن کا ہار گم ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی تلاش میں قیام فرمانا پڑا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سخت تنبیہ کی، پسلی میں اُنگلیاں کونچیں اور سینہ پر دھکا مارا کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو تم نے کیوں روکا؟

(سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

افک کے واقعہ میں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر میکہ آئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ ان کے روکنے سے حضور ﷺ کو ملال ہوگا یہ بڑا نازک وقت تھا، رسول اللہ ﷺ اس زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف بہت کم نظر کرم فرماتے تھے، وہ اس تبدیلی کو محسوس کرتیں اور انہیں سخت تکلیف ہوتی اور چونکہ آپ پہلے سے بیمار تھیں اس واقعہ نے بیماری میں اور اضافہ کردیا تھا وہ ماں باپ کے پاس بڑی اُمیدیں لے کر آئی تھیں کہ وہ میری حمایت کریں گے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام حالات سُن کر نظریں بدل لیں اور فرمایا:۔

''بیٹی میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ تو اپنے گھر کو واپس جا''۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو فرمائی تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ میری طرف سے جواب دیجئے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صاف الفاظ میں فرمایا:۔

''میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کو کیا جواب دُوں''۔

یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس محبت کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ جس

قدران کے گھر میں تشریف لاتے تھے کسی کے گھر میں نہ جاتے تھے، مدینہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گھر کا شانہ نبوی سے کئی میل دُور تھا اس لئے مجبوری تھی مگر مکہ میں یہ حال تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق:

''کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ صبح یا شام ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں''۔ (مشکوٰۃ)

حُب اہل بیت رسول:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اور عزیز و اقارب سے نہایت محبت رکھتے تھے اور اُن کو اپنے عزیز و اقارب پر ترجیح دیتے تھے، آپ کا عام قول تھا۔

''اہل بیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا لحاظ کرو''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے کے لئے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر پر بلایا اور رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا تذکرہ کیا تو اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، سلوک کرنے میں مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے اقربا اپنے اقربا سے زیادہ محبوب ہیں''۔

ایک بار نمازِ عصر پڑھ کر جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا، آپ نے اُن کو کاندھے پر اُٹھالیا اور فرمایا:۔

''میرا باپ قربان، رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہو''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سُنا تو ہنس پڑے۔

حُب اہل بیت کے ضمن میں مطالبہ میراث کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ قطعی گوارا نہ تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اُن سے ناراض ہوں، مگر ارشادِ نبوت ﷺ کے احترام کے باعث آپ نے اس مطالبہ کو تسلیم نہ کیا، چنانچہ اس موقع پر فرمایا:۔

''مجھے خوف ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے حکم کو ذرہ برابر بھی چھوڑا تو کج ہو جاؤں گا''۔

ظاہر ہے کہ آپ کا فیصلہ حُب اہل بیت کے منافی نہیں تھا بلکہ حُب اہل بیت کے مقابلہ پر ارشادِ رسول ﷺ کو ترجیح دینے کا تھا جو آپ کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا۔

عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ پر مختصر تبصرہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تعلیم اسلام کے زندہ پیکر اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے، آپ کے دور کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے سوا دو سال کی قلیل مدّتِ خلافت میں ایسا کوئی کام نہیں کیا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں نہ ہوا ہو آپ نے اس مختصر مدّت میں اسلام اور مسلمانوں کی وہ گر انقدر خدمات انجام دیں کہ قیامت تک اُن کے نقوش محو نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی جدید الاسلام عربوں نے جزیرۃ العرب میں شمعِ اسلام کو گل کر دینا چاہا تھا اور قریب قریب سارا عرب مُرتد ہو گیا تھا مزید جو قبائل اسلام پر قائم بھی تھے اُنہوں نے اسلام کے ایک رُکنِ عظیم زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا جھوٹے مدّعیان نبوت نے علیحدہ عرب کے مختلف اطراف سے اپنی صدائیں بلند کر کے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا تھا، ان نازک حالات میں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال نے وہ کام کیا جو کسی دوسرے سے ممکن نہ تھا، آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مختصر جماعت ساتھ لی اور تمام عرب کو اپنی رُوحانی اور مادی طاقت سے مغلوب کیا، ارتداد کا فتنہ ختم ہو گیا، مدّعیان نبوت ایک ایک کر کے اپنے انجام کو پہنچے اور اسلام کی آواز ایک بار پھر ملک کے گوشہ گوشہ میں گونجنے لگی۔

بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عدیم النظیر کامیابیوں میں ان کے ذاتی اوصاف اور تلاشِ حق کے لئے اُس جذبہ صادق کو بھی دخل تھا جس نے حق کی پہلی ہی آواز پر اُنہیں اسلام کی دہلیز پر جھکا دیا اور شمع رسالت ﷺ کا پروانہ بنا دیا تھا، لیکن سب سے بڑا دخل خاتم المرسلین ﷺ کی اُس صحبت کا ہے جو متواتر تیئس سال تک ان کو حاصل رہی۔[(۲۳)] اسی وجہ سے مورّخین اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عظمت کلیۃً رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی رہینِ منّت ہے کیونکہ جہاں اس پاک صحبت نے اُنہیں اسلام کی لازوال محبت عطا فرمائی وہاں ان میں عزم و ہمت، ثبات و استقلال اور فہم و بصیرت کی وہ شمع بھی روشن کی جس نے ہر آزمائش میں ان کے ارادوں کو مضبوط اور ہر ابتلا کے وقت ان کے یقین و ایمان کو مستحکم رکھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر تاریخ اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ تھے تو اس لحاظ سے بھی ان کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے کہ اُنہیں رسول اللہ ﷺ کے مبارک عہد سے بالکل متصل زمانہ ملا، رسول اللہ ﷺ کی مقدّس آواز بھی کانوں میں گونج رہی تھی، رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل کو دیکھنے اور ارشادات و فرمودات کو سُننے والے ابھی زندہ تھے قرآن حکیم یا تو حفّاظ کے سینوں میں موجود تھا یا کھجور کے پتوں اور شانے کی ہڈیوں پر لکھا ہوا وحی و الہام کے سلسلہ کو ختم ہوئے بھی کوئی خاص

عرصہ نہیں گزرا تھا مدینہ منورہ میں زندگی مستقلاً اسلامی سانچے میں ڈھلنے کے لئے کروٹیں لے رہی تھی، اسلامی مملکت اپنی توسیع کے لئے پر تول رہی تھی اور مجاہدین کے قدم آگے بڑھنے کے لئے بیقرار تھے کہ ان سب اُمور کو تکمیلی مراحل طے کرنے کے لئے سب سے بڑے مزاج شناس رسول اللہ ﷺ کی قیادت میسّر آ گئی اور مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنے میں سے برگزیدہ محرم ہستی کے ہاتھ میں اپنے ارادوں اور عزائم کی عنان دے کر خاتم الانبیاء ﷺ کی عظمت کو محفوظ کر لیا، پھر جو کچھ جس طرح بھی پیش آیا اُس میں اسلام کو وہی رُوح کارفرما تھی جس کا عملی تجربہ اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کے مُبارک عہد میں کر چکے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دامن عظمت ایسے کارناموں سے بھرا ہوا ہے جن پر تاریخ اسلام جتنا بھی ناز کرے کم ہے فتنہ ارتداد کی بیخ کنی منکرین زکوٰۃ کی سرزنش اور جھوٹے مدّعیانِ نبوت کی سرکوبی جیسے کارنامے آپ کی جلالت شان کے زندہ ثبوت ہیں پھر ان سے بھی بڑھ کر تدوینِ قرآن احیائے سنّت بدعات کا تدارک اور اتباع رسول اللہ ﷺ کے لئے آپ کی سعی و کاوش نے یقیناً آپ کو نائب رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے سربلند کر دیا ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس میں شک نہیں کہ بڑے بڑے کام، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں انجام پائے مہماتِ اُمور کا فیصلہ ہُوا یہاں تک کو رُوم و ایران کی قدیم سلطنتوں کے دفتر اُلٹ گئے، تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں اوالعزمانہ رُوح کب پیدا کوئی؟ اور اس عظیم الشان خلافت کا سنگ بنیاد کس نے رکھا جو تاریخ عالم میں خلافت راشدہ کے نام سے مشہور ہے؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام نامی ہی لیا جا سکتا ہے اور ان تمام

عظمتوں کا رُخ متعین کرنے کے لئے اُنہی بنیادوں کو تلاش کرنا پڑتا ہے جو عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں استوار ہوئیں اور جن پر عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی۔

نظامِ خلافت:

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ڈالی، خود ان کا انتخاب بھی جمہور کی اتفاق رائے سے ہوا تھا اور عملاً جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے، سب میں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی آرا اور مشوروں کو ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق جب کوئی معاملہ پیش آتا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اہل الرائے صحابہ سے مشورہ کرتے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز صحابہ یعنی حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت معاذ بن جبل حضرت اُبی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) کی مجلس مشاورت طلب کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد)

حکام کے انتخاب میں احتیاط:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حکام کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتتے تھے اور ہمیشہ ان بزرگوں کا انتخاب فرماتے تھے جو درسگاہِ نبوت کے تربیت یافتہ ہوتے تھے، آپ نے عہد رسالتماب ﷺ کے تمام حکام کو اُن کے عہدوں پر قائم رکھا مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ، طائف پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ، صنعاء پر حضرت مہاجر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ، حضرموت پر حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ اور بحرین پر حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ مامور تھے،

آپ نے نہ صرف انہی حضرات کو ان مقامات پر برقرار رکھا بلکہ نئے حکام کے انتخاب میں بھی اسی اُصول کو پیش نظر رکھا، آپ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی کو کوئی ذمہ دار عہد تفویض کرتے تو عملاً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت موثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے، چنانچہ جب حضرت ولید رضی اللہ عنہ بن عتبہ کو قبیلہ قضاعہ پر محصلِ صدقات بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:۔

''خلوت وجلوت میں خدا کا خوف رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی گمان میں بھی نہیں آسکتا، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے اور اس کا اُجر دوبالا کر دیتا ہے بیشک بندگانِ خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے تم خدکی ایسی راہ پر ہو جس میں افراط وتفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس پر مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے اس لئے سُستی اور تغافل کو راہ نہ دینا''۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

اسی طرح حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کی مُہم سپرد کی تو فرمایا:۔

''اے یزید، تمہاری قرابت داریاں، ہیں شاید تم ان کو اپنی قرابت سے فائدہ پہنچاؤ، درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوا اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنادے تو اس پر خدا کی لعنت ہو اور خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا یہاں تک کہ اُس کو جہنم میں داخل کرے گا''۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حکام کی نگرانی:

کسی حکومت کا قانون و آئین ہی مرتب و منظم کیوں نہ ہو جب تک اس کو چلانے والوں کی نگرانی و احتساب کا اہتمام نہ ہو تمام نظام درہم برہم ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی فطری نرم دلی اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر سخت رویہ اختیار کرنا پڑا ذاتی معاملات میں رفق و ملاطفت آپ کا شیوہ خاص تھا لیکن مذہب اور انتظام ملکی میں اس قسم کی ہدایت کو کبھی روانہ رکھتے تھے یمامہ کی جنگ میں مسیلمہ کذاب کے سپہ سالار مجاعہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دھوکا دے کر مسیلمہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجہ اقتدار سے بچالیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مجاعہ کو اس غداری کی سزا دینے کی بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی، چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے اس لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا یہ عمل آپ کو سخت ناگوار گزرا، چنانچہ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک سخت خط لکھا جس کے لفظ سے علامہ طبری کے قول کے مطابق خون ٹپکتا تھا آپ نے تحریر فرمایا:۔

"اے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ! تمہیں کیا ہوا؟ تم عورتوں سے نکاح کرتے پھرتے ہو حالانکہ تمہارے خیمہ کے سامنے بارہ سو مسلمانوں کا خون زمین پر پھیلا ہوا ہے جس کے خشک ہونے کی نوبت نہیں آئی"۔

(سیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مؤلفہ محمد حسین ہیکل)

مالک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے لیکن اُنہوں نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اسے قتل کر ڈالا، مالک کا بھائی متمم بن نویرہ شاعر تھا، اُس نے نہایت پر درد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب

ہونے کے لئے تیار تھا مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے محض عداوت کی بناء پر اُسے قتل کردیا، جب اس کی اطلاع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ سے واپس بلایا اور ان کے اس فعل پر سرزنش کی۔

مالی انتظام:

عہد نبوت ﷺ میں صیغہ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا مختلف ذرائع سے جو رقم آتی اُسی وقت تقسیم کردی جاتی تھی عہد صدیقی میں اگرچہ زکوٰۃ عُشر اجزیہ اور غنیمت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوگیا تھا تاہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی خزانہ قائم نہ کیا، بلکہ عہد رسالتمآب ﷺ کے انتظام کو برقرار رکھا، اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو بلاتفریق آزاد و غلام ادنیٰ و اعلیٰ مرد اور عورت عام مسلمانوں میں تقسیم کردیا تھا جاتا چنانچہ خلافت کے پہلے سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دس دس درہم اس اُصول کے تحت تقسیم کئے دوسرے سال بیس بیس درہم مرحمت فرمائے، اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا تو فرمایا فضل و منقبت اور شے ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں“۔

آخر عہد خلافت میں آپ نے بیت المال کے لئے ایک عمارت تعمیر کرائی لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کی نوبت نہ آئی، اسی لئے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ کیا، ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ آپ بیت المال کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ کیوں مقرر نہیں فرماتے؟ جواب دیا، اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل کافی ہے، اکثر ایسا ہوتا کہ رقم تقسیم کرنے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھیروا دیتے اور یہ اسی بات کا نتیجہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دُوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

فوجی نظام:

عہد نبوت ﷺ میں کوئی باضابطہ نہ تھا، جب ضرورت پیش آتی تو مسلمان خود ہی جوشِ جہاد میں جمع ہوجاتے تھے عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں بھی یہی صورت حال قائم رہی، البتہ اتنا اضافہ ضرور ہُوا کہ ضرورت کے لحاظ سے فوج قبائل اور دوستوں پر تقسیم کردی گئی جن پر علیحدہ علیحدہ افسر ہوتے تھے ان سب پر ایک امیر لشکر ہوتا تھا، چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا۔

فوجوں کو رخصت کرتے وقت ان کی اخلاقی نگہداشت کے لئے مفید ہدایات فرماتے تھے، چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو افسران فوج سے یہ باتیں ارشاد فرمائیں:۔

''تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کردیا ہے ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، کھانے کے سوا بکری یا اُونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مال غنیمت میں غبن نہ کرنا (اور) بُزدلی نہ دکھانا''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سامان جنگ کی فراہمی کے لئے یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک معقول حصہ فوجی اخراجات کے لئے علیحدہ نکال لیتے تھے، جس سے اسلحہ اور بار برداری کے جانور خریدتے

تھے، مزید جہاد کے اُونٹوں اور گھوڑوں کی پرورش کے لئے بعض چراگاہیں مخصوص کردی تھیں۔

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت:

رسول اللہ ﷺ نے آخر وقت ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی، اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کا بڑا خیال رکھتے تھے چنانچہ عہد رسالتمآب ﷺ میں ان کے جو حقوق متعین ہوچکے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ان کو وہی حقوق حاصل رہے، اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اس کے الفاظ یہ تھے:۔

''ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کیے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہوں ناقوس (اور گھنٹے بجانے) کی ممانعت نہ ہوگی اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے روکے نہ جائیں گے''۔ (کتاب الخراج)

جزیہ کی شرح اگرچہ نہایت آسان تھی تاہم اس میں سے بھی بکثرت ذمی مستثنیٰ کردیئے جاتے تھے چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے، باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا اور اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت بیت المال کے ذمہ تھی۔

تحفظِ دین:

تاریخ ادیانِ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مذاہب کے مسخ ہوجانے کی اصل وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزوِ مذہب ہو کر ایسی صورت اختیار کرلیتے ہیں کہ مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدّت طرازیوں میں امتیاز و

تفریق بھی مشکل ہو جاتی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اگرچہ ایسی صورت کم ہی پیش آئی تاہم جب کسی بدعت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آیا فوراً اس کا تدارک فرما دیا، اس میں اختیاط کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ کتابی صورت میں قرآن حکیم کی تدوین سے محض اس بنا پر تامل ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا، اسی طرح حج کے موقعہ آپ کو معلوم ہُوا کہ قبیلہ احمس کی ایک عورت اس وجہ سے کسی سے گفتگو نہیں کرتی کہ اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے یہ سن کر آپ اُس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:۔

''یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں جائز نہیں، تم اس سے باز آؤ اور بات چیت کرو''۔

اُس نے کہا آپ کون ہیں؟ فرمایا، ''ابوبکر (رضی اللہ عنہ)''۔

خدمتِ حدیث:

قرآن حکیم کے متفرق اجزاء کی تدوین کے علاوہ ایک روایت کے مطابق آپ نے پانچ سو احادیث بھی جمع فرمائی تھیں، لیکن وفات سے کچھ دن پہلے سے ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی روایت خلافِ واقعہ ہو اور اس کی ذمہ داری ان کے ذمہ رہ جائے، چنانچہ احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے اور جب کبھی کسی روایت کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی تھی تو بغیر کسی پس و پیش کے اُسے قبول فرما لیتے تھے۔

اہل سیر کے مطابق دربارِ خلافت میں ایک دفعہ دادی کی کی وارثت کا جھگڑا پیش ہُوا، قرآن حکیم چونکہ اس بارہ میں خاموش ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل دریافت کرنا پڑا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ موجود تھے،

انہوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے، اس پر احتیاطاً پوچھا "کوئی گواہ پیش کر سکتے ہو"۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے بیان کی تصدیق کی، چنانچہ آپ نے اُسی وقت حکم نافذ کر دیا۔

محکمہ افتاء:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسائل فقہ کی تحقیق و تنقید اور عوام کی سہولت کے پیش نظر افتاء کا ایک محکمہ قائم کر دیا تھا اور حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت اُبی بن کعب حضرت زید بن ثابت جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم جو اپنے علم و اجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ میں منتخب تھے، اس خدمات پر مقرر تھے ان کے علاوہ کسی دوسرے کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔

تین چیزوں کی تمنا:

مورخ طبری کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ جو چیزیں مجھ سے چھوٹ گئی ہیں وہ یہ ہیں:۔

کاش کہ جب اشعث میرے سامنے لایا گیا تھا میں اُس کی گردن مار دیتا کیونکہ بعد میں، میں نے دیکھا کہ جو بُرا کام اس کو نظر آتا ہے وہ اس کا معاون بن جاتا ہے۔

کاش کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف بھیجا تھا اُس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عراق کی طرف بھیج دیتا اور اس طرح اپنے دونوں ہاتھ راہِ خدا میں پھیلا دیتا (یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے)۔

کاش کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مُرتدین کے مقابلہ پر روانہ کیا تھا اس وقت میں ذی القصہ میں جا کر قیام کرتا، اگر مسلمان فتحیاب ہوتے تو خیر، بصورت دیگر میں مقابلہ کے درپے ہوتا یا معاون بن جاتا۔

(تاریخ طبریٰ حصہ دوم)

تین چیزیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے کی آرزو:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

کاش میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیتا کہ یہ امارت کسے ملنی چاہیے تاکہ پھر کسی کو نزاع کا موقعہ نہ ملتا۔

کاش میں حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھ لیتا کہ کیا انصار کے لئے اس حکومت میں کچھ حصہ ہے۔

اور کاش میں آپ سے بھتیجی اور پھوپھی کی میراث کے متعلق دریافت کر لیتا کیونکہ میرے دل میں اس بارہ میں بے اطمینانی ہے۔

(تاریخ طبری جلد سوم)

علمی کمالات وخطابت:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اگرچہ کسی مکتب میں باقاعدہ زانوئے تلمذ نہیں کیا تھا تاہم دربارِ نبوت ﷺ کی حاشیہ نشینی اور فطری جودت طبع کی بنا پر آسمان فضل و کمال پر مہر درخشاں ہو کر چمکے، آپ فصاحت و بلاغت میں حد درجہ کمال رکھتے اور صحابہ میں سب سے بڑے خطیب تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں بلاغت کے ساتھ ساتھ متانت سنجیدگی اور وقار پایا جاتا تھا اور آپ اس قدر برجستہ تقریر کر سکتے تھے کہ بڑے بڑے بلغاء حیران رہ جاتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اخطب

العرب تھے تاہم جب سقیفہ بنو ساعدہ میں خطبہ دینے کے لئے آمادہ ہوئے تو چند بلیغ جملے سوچ لئے اور اس خیال سے عُجلت کرنی چاہی کہ کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی تقریر میں اُن جملوں کو ادا نہ کریں، لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں روک کر تقریر شروع کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اعتراف کیا "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسا بولے جیسے بہت بڑا بلیغ شخص بول سکتا ہے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خاص خاص موقعوں پر معرکۃ الآرا تقاریر کے علاوہ عام تقریریں بھی نہایت پر اثر ہوتی تھیں، دورانِ تقریر میں آپ پر اکثر رقت طاری ہوجاتی اور سننے والے بھی اس تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے، ایک تقریر کے چند فقرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں جن سے ان کی وجد آور کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"آج وہ حسین اور روشن اور وفورِ شباب سے حیرت میں ڈالنے والے چہرے کہاں ہیں؟ آج بڑے بڑے شہروں کو بسانے والے اور ان کو قلعہ بند کرنے والے سلاطین کدھر گئے؟ آج بڑے بڑے غالب آنے والے مردِ میدان سورمے کیا ہوئے؟ زمانہ کی گردشوں نے ان کی قوتیں پست کردیں اور ان کے بازو توڑ دیئے اور قبر کی تاریکی میں ہمیشہ کے لئے سو گئے"۔ (تاریخ الخلفاء)

طرزِ ادا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرزِ ادا نہایت بلیغ تھی او اس کا اثر لوگوں پر شدّت سے پڑتا تھا، وفاتِ نبوی کی خبر صحابہ کے کانوں کو ناموس معلوم ہوتی تھی لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلیغ پیرایہ میں ادا کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہاں جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا (اُس کو معلوم ہونا چاہیے کہ) حضرت محمد ﷺ انتقال فرماگئے، اور جو خدا کی عبادت کرتا تھا (وہ سن

لے کر) خدا زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا“۔

تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت یہ ہوئی کہ ”چیخ چیخ کر رونے لگے“۔ اور سب کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا یقین ہو گیا۔

علم تعبیر میں کمال:

خواب کی تعبیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خُدا داد ملکہ تھا، اس فن میں آپ نے یہ کمال حاصل کیا تھا رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو سب سے بڑا معبر سمجھتے اور اپنا اپنا خواب بیان کر کے تعبیر پوچھا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام سے پہلے خواب دیکھا کہ وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والدین ان کو اس میں جھونک رہے ہیں اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے ہیں اور ان کو کمر سے پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا خواب سن کر فرمایا“۔ حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) تمہیں اس کے ذریعہ سے راہِ حق کی ہدایت کی گئی ہے، تمہارا باپ تم کو کفر پر مجبور کرتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی اتباع تمہاری نجات کا باعث ہوگی“۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کچھ پہلے خواب میں تین چاند اپنے حجرے میں گرتے ہوئے دیکھے، انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ اس وقت تو خاموش رہے لیکن جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا اور وہ ان کے حجرہ میں مدفون ہوئے تو فرمایا ”عائشہؓ، یہ تمہارے حجرہ کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے“۔ (تاریخ الخلفاء)

علم الانساب میں کمال:

علم الانساب، یعنی قبائل کا نام ونسب یاد رکھنا اس زمانہ کا بڑا مایہ ناز علم تھا

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، اس میں آپ کو وہ رُتبہ حاصل تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی اعتراف فرماتے تھے۔

ایک دفعہ ازواجِ مطہرات نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو وکیل بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس بھیجا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں عدل سے کام لیں، انہوں نے نہایت بلند آہنگی سے اپنے مقصد کا اظہار کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں اُن پر حملے شروع کئے یہاں تک کہ سخت گفتگو کی نوبت آئی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا اُنہوں نے مرضی پاکر اس قدر مدلل تردید کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا خاموش ہو کر رہ گئیں اس وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھ کر فرمایا ”کیوں نہ ہو آخر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی ہے“۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسب دانی سے اکثر موقعوں پر اسلام کو بھی فائدہ پہنچا آغاز نبوت میں رسول اللہ ﷺ تبلیغ و اشاعت کے لئے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے، تو عموماً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہوتے اور اپنی نسب دانی کے باعث حضور ﷺ کا لوگوں سے تعارف کراتے تھے۔

شاعری:

شاعری اہل عرب کی عام خصوصیت تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس وصف سے خالی نہ تھے ابتدا میں آپ کو شاعری کا ذوق بھی تھا، مگر اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا اور صرف ایسے اشعار سے دلچسپی رہ گئی تھی جس میں خدا کی عظمت و جلالت کا ذکر ہوتا تھا، تاہم کبھی کبھی جذبات و خیالات خود بخود نظم موزوں کے قالب میں ڈھل جاتے، چنانچہ ہجرت کے بعد جب مدینہ میں قیام کیا اور بخار

میں مبتلا ہوئے تو یہ شعر زبان پر جاری تھا:۔

كل امرى مصبح فى اهله

و الموت ادنىٰ مين شراك نعله

ترجمہ: ”صبح کے وقت گھر کے لوگ آدمی کو سلامتی کی دُعا دیتے ہیں حالانکہ موت اُس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔“

یہ شعر اُس وقت پڑھتے جب بخار چڑھتا تھا۔

امامت و اجتہاد اور فقاہت:

تمام علومِ اسلامیہ کا مرکز رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے حضور ﷺ کے بعد یہ درجہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا جو صحابہ میں سے سب زیادہ خاتم المرسلین ﷺ کی خدمت ورفاقت میں رہے تھے امامت و اجتہاد کے لئے سب سے ضروری شرط فقاہت ہے اور اس وصف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، رحلت سے ایک دو دن قبل رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے جب فرمایا:۔

”خدا نے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے خواہ وہ دُنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت) جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اُس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں“۔ (معارج النبوت)

تو حاضرین اس ارشادِ نبوت سے کوئی نتیجہ نہ نکال سکے، بلکہ یہ خیال کرتے رہے کہ حضور ﷺ تو کسی شخص کا واقعہ بیان فرمایا رہے ہیں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے کیونکہ رازدارِ نبوت سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مُراد خود

سرورِ کونین ﷺ ہیں اور یہ موت کی طرف اشارہ ہے، اسی بناء پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب میں سے زیادہ عالم تھے"۔

علم تفسیر:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چونکہ سفر و حضر، خلوت و جلوت جنگ و صلح غرض ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل تھا اور آپ تمام اُمور میں سرورِ کونین ﷺ کے مشیر خاص تھے، اس لئے اسلامی علوم وفنون میں بھی قدرۃً آپ کا پایہ سب سے بلند تھا، کلام الٰہی اسلام کا اصل الاصول ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے غیر معمولی شغف کے باعث عموماً رسول خدا ﷺ سے آیاتِ قرآن کی تفسیر پوچھا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ہر آیت کے شانِ نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے اور آیات قرآن سے استدلال ستنباطِ احکام اور تفریغ مسائل میں مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد آپ نے جو تقریر فرمائی اور اس میں برجستہ قرآن حکیم کی آیت:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُول قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ
اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُم (آل عمران)

سے انبیاء کی وفات پر استدلال لائے تو فوراً لوگوں کے ایمان و اعتقاد کے متزلزل ستونوں کو مستحکم کر دیا اور انہیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے موجود ہی نہ تھی۔

خلافت صدیقی پر اشارات نبوی ﷺ:

رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ صراحۃً کسی شخص کو خلیفہ نہیں بنایا تھا تاہم

حضور نبی کریم ﷺ نے متعدد بار جو عظمتیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بخشیں اُنہیں ذیل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق اشارات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:۔

حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غار کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا اور ہجرت میں ساتھ رکھا۔

مدینہ میں داخلہ کے وقت وہ حضور نبی کریم ﷺ کے اُونٹ پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور مشترک طور پر جلوس نکل رہا تھا۔

غزوہ بدر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس قُبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھے جو حضور ﷺ کے لئے بنایا گیا تھا۔

سرورِ کونین ﷺ نے متعدد سرایا پر ان کو امیر بنایا:

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ خواب بیان فرمایا کہ میں ایک حوض پر لوگوں کو پانی پلا رہا ہوں پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا اور ایک یا دو ڈول کھینچے اُن کے کھینچے میں کمزوری پائی جاتی تھی خُدا اُن کی مغفرت کرے۔

ایک بار حضور سرورِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی آپ ﷺ نے فرمایا پھر آنا، اس نے عرض کیا اگر میں آؤں اور آپ ﷺ نہ ملیں (یعنی وفات پا جائیں) ارشاد ہوا اگر مجھ سے ملاقات نہ ہو تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔

رسول اللہ ﷺ نے ۹ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج کا منصب عطا فرمایا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانہ علالت میں انہیں باضابطہ امام نماز

مقرر فرمایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دنوں میں سترہ نمازوں کی امامت کی۔

زمانہ علالت میں رسول اللہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا اسلامی بھائی فرمایا اور اُن کے دروازہ کے سوا تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔

آغازِ علالت میں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

''میں نے ارادہ کیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے کو بلا کر خلافت کی وصیت کروں شاید کوئی مدعی یا آرزومند پیدا ہو جائے لیکن پھر میں نے کہا خود خدا اور مسلمان (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا) کسی کو پسند نہ کریں گے''۔

(سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم جزء المہاجرین)

اِن واقعات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ خلافت کے اشارات سمجھتے تھے، اس لئے جب انتخاب کا وقت آیا تو مسلمانوں نے بغیر کسی تذبذب اور پس و پیش کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول اللہ ﷺ تسلیم کر لیا، اور مکمل اعتماد و یقین کے ساتھ اپنے معاملات کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے دی، (رضی اللہ عنہ)۔

جامع المناقب:

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

''جو شخص ایک جوڑا راہِ خدا میں خرچ کرے گا، اُس کو جنت کے دروازوں سے آواز دی جائے گی، اَے خدا کے بندے یہ نیکی ہے، جو شخص نماز گزار ہوگا، وہ باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا، جو مجاہد ہوگا، باب الجہاد سے بلایا جائے گا جو روزہ دار ہوگا باب الرّیان سے بُلایا جائے گا اور جو مخیّر ہوگا اُس کو باب

الصدقہ سے آواز دی جائے گی"۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں عرض کیا:۔

"میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جو ان تمام دروازوں سے بُلایا جائے گا"۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:۔

"ہاں، اور مجھے اُمید ہے کہ تم انہی لوگوں میں ہو گے"۔

(تاریخ الخلفاء)

یہ وُہ شرفِ عظیم ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے نماز گزار مجاہد، روزہ دار اور مُخیّر ہونے کا اپنی زبان مبارک سے اعتراف فرمایا، نماز جہاد روزہ اور خیرات مذہبی اعمال میں سب سے بلند درجہ رکھتے ہیں، اور جو شخص ان چاروں چیزوں کا جامع ہے وہ یقیناً اسلام کی تعلیمات کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہی کہا جا سکتا ہے:۔ (وللہ الحمد)

سیّدنا حضرت عُمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

پیدائش:

مورخین اسلام کی تصریح کے مطابق جب مکہ کی گھاٹیوں سے صدائے توحید بلند ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ستائیس سال کے تھے، بالفاظ دیگر آپ رسول ﷺ سے عُمر میں تیرہ سال چھوٹے تھے، اس بنا پر آپ اندازاً آخر ۵۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ (واللہ اعلم)

قبولِ اسلام:

۶ھ بعمر تقریباً ۳۳ سال۔

شہادت:

آپ ۲۶ ذِی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۶۴۴ء نمازِ صبح کے وقت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مجوسی غلام ابولولو فیروز کے خنجر سے زخمی ہوئے اور یکم محرم ۲۴ھ مطابق ۵۔۲ نومبر ۶۴۴ء بعمر تریسٹھ سال انتقال فرمایا۔

آغازِ خلافت:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ۲۲ جمادی الاخر ۱۳ھ

مطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء کو خلیفہ بنے۔

مُدتِ خلافت:

دس سال چھ ماہ اور آٹھ دن۔

نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، پھر آپ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے رسول اللہ ﷺ کے حُجرہ اقدس میں اس طرح دفن کیا گیا کہ آپ کا سر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شانوں کے متوازی ہے آپ کی میّت کو حضرت عبداللہ بن عُمر، حضرت عثمان بن عفان حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہم) نے قبر میں اُتارا:۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

فرمان رسول اللہ ﷺ:

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

"اللہ تعالٰی نے حق، عمر رضی اللہ عنہ کے قلب و زبان پر اُتارا ہے"۔

"اے ابن خطاب قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے شیطان کبھی اس راہ پر نہیں چلتا جس راہ تم چلتے ہو"۔

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو البتہ وہ عُمر بن الخطاب ہوتا"۔

"میں سو رہا تھا کہ اپنے آپ کو جنت میں دیکھا اور ایک عورت کو ایک محل کے پاس وضو کرتے پایا، میں نے دریافت کیا یہ محل کس کا ہے؟ وہ بولی عمر رضی اللہ عنہ کا"۔

"میری اُمت کے بارے میں سب سے زیادہ رحمدل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور دین الٰہی کے بارے میں سب سے سخت حضرت عُمر رضی اللہ عنہ۔ (تاریخ الخلفاء)

نام ونسب اور خاندان:

آپ کا نام عمر، کنیت ابوحفص اور لقب فاروق اعظم تھا، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ بنتِ ہاشم بن مغیرہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زواح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ عدی کے دوسرے بھائی مُرہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے اجداد سے ہیں، اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جاکر مل جاتا ہے۔

تاریخ اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان بنوعدی کے نام سے مشہور ہے جو قریش کی ایک شاخ تھے، قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور تھے اس لئے دُنیاوی جاہ وجلال کے ساتھ ان کو مذہبی سیادت بھی حاصل تھی، چنانچہ انہوں نے تعلقات کی وُسعت اور کام کے پھیلاؤ کے پیش نظر کعبہ کے انتظام و انصرام کو دس صیغوں میں تقسیم کر کے اپنے ہی خاندان کی دس ذیلی شاخوں یعنی ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح اور سہم کے سپرد کر رکھا تھا، ان صیغوں میں سفارت اور ثالثی کا صیغہ بنوعدی کے پاس تھا جس کی وجہ سے یہ خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا اور نسلاً بعد نسل یہ امتیاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں چلا آرہا تھا، دادھیال کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کی والدہ حنتمہ، ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے جنگ آزمائی کے لئے جاتے تو فوج کا اہتمام انہی سے متعلق ہوتا تھا۔

ولادت اور ابتدائی حالات:

مورخین اسلام کی تصریح کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرتِ نبوی ﷺ سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے ایّامِ طفولیت کے حالات اگرچہ پردہ اخفا میں ہیں اور سنِ رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں تاہم تذکروں میں اتنا ذکر ضرور ملتا ہے کہ اس عمر میں اُونٹوں کے چرانے کی خدمت آپ کے سپرد تھی اور آپ کے والد خطاب اس ضمن میں آپ سے بہتر سلوک نہ کرتے تھے، آپ پورا پورا دن اُونٹ چراتے رہتے اور جب کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو خطاب سزا دیتے جس میدان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اُس کا نام ضجنان تھا، خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ اس میدان سے آپ کا گزر ہوا تو مصیبت کے اُس بیتے دنوں کو یاد کر کے آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا:۔

”اللہ اکبر ایک زمانہ وہ تھا کہ میں نمدہ کا کُرتہ پہنے ہوئے اُونٹ چرایا کرتا تھا، اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا، آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اُوپر کوئی اور حاکم نہیں“۔ (الفاروق مولفہ شبلی نعمانی)

جوانی کا آغاز ہوتو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عمُوماً رائج تھے اور لازمہ شرافت خیال کئے جاتے تھے، ان میں نسب دانی، پہلوانی، سپہ گری اور مقرری سرفہرست تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مشغلوں میں مہارت پیدا کی اور شاہسواری میں خصوصیّت سے کمال حاصل کیا۔ اس زمانہ میں آپ نے لکھنا بھی سیکھ لیا تھا، چنانچہ آپ اُن لوگوں میں سے ایک تھے جو ایّام جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

اِن فنون سے فارغ ہونے کے بعد آپ تلاش معاش کی طرف متوجہ

ہوئے عرب میں چونکہ لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لئے آپ کو نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اس سلسلہ میں دُور دُور کے ممالک کا سفر کیا اس سے آپ کو بڑے تجربات اور فوائد حاصل ہوئے چنانچہ آپ کی خودداری بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی انہی سفروں کا نتیجہ تھی اور یہی وہ اوصاف تھے جن کے باعث قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔

مورخین کے مطابق جب کبھی قبائل میں کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے اور اپنے غیر معمولی تجربہ اور فہم و تدبر سے ان پیچیدگیوں کو رفع کر دیتے۔

قبولِ اسلام:

جس وقت رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور مکہ کی گھاٹیوں سے صدائے توحید بلند ہوئی اُس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ستائیس سال کے تھے یہ آواز چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے بالکل نامانوس تھی اس لئے آپ سخت برہم ہوئے اور جس کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے اُس کے دُشمن بن جاتے، آپ کے خاندان کی ایک کنیز جن کا نام لبینہؓ تھا اُس کو قبولِ اسلام کی وجہ سے اس قدر مارتے، کہ جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں پھر ماروں گا، ان کے سوا اور جس پر قابو چلتا زد و کوب سے دریغ نہ کرتے تھے۔

تاریخ و سیرؔ کی کتابوں میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی تفصیلات میں اختلاف ہے تاہم ایک مشہور واقعہ جس کو ارباب سیر نے بالو ضاحت لکھا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود

ایک شخص کو بھی اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے تو مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کرنے کا فیصلہ کیا اور کمر سے تلوار باندھ کر سیدھے کا شانہ نبوت ﷺ کی طرف چل دیئے راستہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے، اُنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تیور دیکھ کر پوچھا "خیر تو ہے"؟ بولے محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں انہوں نے کہا "پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں"۔ (الفاروق مولفہ نعمانی)

یہ سن کر فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے، وہ قرآن حکیم پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پاکر چُپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لئے، لیکن آواز چونکہ ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی اس لئے بہن سے پوچھا، "یہ کیسی آواز تھی"۔ اُنہوں نے کہا کچھ نہیں، بولے، میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ کو بہنوئی سے دست وگریبان ہو گئے، اور جب آپ کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کو بچانے آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا، ایسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا، "عمر جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، یہ دیکھ کر اور بھی رقت طاری ہوئی فرمایا "تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ"۔ حضرت فاطمہ بنت الخطاب نے قرآن کے اجزا لا کر سامنے رکھ دیئے، آپ نے اپنی بہن کی درخواست پر وضو کر کے اجزاء اُٹھا کر کھولے تو یہ سورۃ تھی:۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ .

ایک ایک لفظ پر دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے: تو بے اختیار پکار اُٹھے:۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں پناہ گزین تھے جو کوہِ صفا کے نیچے واقع تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی چونکہ شمشیر بکف تھے اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تردّد ہوا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے مرد جری نے کہا "آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدم آگے رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا "کیوں عمر (رضی اللہ عنہ) کس ارادے سے آئے ہو"۔ نبوت کی پرجلال آواز نے اُنہیں کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی "ایمان لانے" رسول اللہ ﷺ بیساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔

(معارج النبوت)

یہی روایت تھوڑے تغیر کے ساتھ دیگر محدثین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اگر فرق ہے تو صرف اس قدر کہ بعض کے مطابق سورہ طٰہٰ کی یہ آیت:

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۔

(سورہ طٰہٰ)

مورخین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعلق یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ان کا اسلام لانا دراصل رسول اللہ ﷺ کی اُس دُعا کا نتیجہ تھا جو آپ ﷺ نے خصوصیت سے ابوجہل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمائی تھی یعنی

"مولیٰ کریم، اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے عزت عطا فرما" لیکن یہ دولت چونکہ ازل ہی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھ دی تھی اس لئے ابوجہل محروم رہا، بہرکیف سرورِ دو عالم ﷺ کی اس دُعا کا اثر یہ ہُوا کہ کچھ دنوں بعد اسلام کا سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور جانثار بن گیا یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خالی دامن دولت ایمان سے بھر گیا اور وہ ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے معزز محترم ہو گئے۔

(ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ نبوت ﷺ کے چھٹے سال کا ہے تمام مورخین اس حقیقت کے برملا معترف ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دَور کا آغاز ہُوا، اس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی دولت ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور عرب کے مشہور بہادر حکومت حضرت حمزہ سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ نے بھی اس واقعہ سے تین روز قبل اسلام قبول کرلیا تھا تاہم قریش مکہ کے ڈر سے مسلمان اعلانیہ اپنے مذہبی فرائض ادا نہ کرسکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے ساتھ ہی یہ حالت دفعۃً بدل گئی، اُنہوں نے نہ صرف یہ کہ علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، بلکہ مشرکین کو جمع کر کے بآواز بلند اپنے ایمان کا اقرار کیا جس پر مشرکین نہایت برافروختہ ہوئے اور شدت پر اُتر آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ برابر ثابت قدمی کے ساتھ اُن کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ آپ نے کعبہ میں جا کر نماز ادا کی، یہ پہلا موقع تھا کہ باطل کے مقابلہ پر حق سر بلند ہوا کفر کی بنیادیں ہل گئیں اور شرک کو پیغامِ موت ملا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اس سے بڑھ کر کیا فخر ہو سکتا ہے کہ آپ کا اسلام اعلاء کلمۃ اللہ غلبہ ایمان، نصرتِ توحید اشاعتِ حق اور ازلہ کفر کا سبب ثابت ہوا اور آپ دربار نبوت سے فاورق (یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا) کے لقب سے نوازے گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ہجرت:

مکہ میں جس رفتار سے اسلام قبول ہوتا جارہا تھا اُسی رفتار سے مشرکین قریش کے بغض و عناد میں اضافہ ہو رہا تھا، وہ اپنی فطری خونخواری اور مشرکانہ عقائد کی بناء پر توحید پرستوں کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے تھے اور ہر ممکن طریقہ سے اسلام کے استیصال میں سرگرم عمل تھے، حقیقت یہ ہے کہ اگر بادہ کشانِ اسلام میں غیر معمولی جوش، ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہوتا تو مشرکین مکہ کی سختیوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کا جادہ اسلام پر ثابت قدم رہنا ناممکن تھا۔

یہ نبوت ﷺ کا تیرھواں سال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سفر کے لئے تیار ہو گئے اور بارگاہِ نبوت ﷺ سے اجازت لے کر بیس صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن اس میں بھی اپنی انفرادیت کو قائم رکھا اور اس شان سے یہ سفر اختیار کیا کہ مشرکین مکہ آپ کے راستہ میں مزاحمت کی کوئی دیوار کھڑی نہ کر سکے۔

مورخین کے مطابق پہلے آپ مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

''تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ تم ہی لوگوں کی ناک کو خاک

آلود کریگا جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی ماں کو اپنے پیچھے روتا چھوڑے، یا اپنے بچوں کو یتیم کرے یا اپنی بیوی کو بیوہ بنائے تو اس وادی کے پیچھے میرے ساتھ لڑے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"ان کا کسی نے پیچھا نہ کیا، البتہ کچھ کمزور مسلمان آپ کے ساتھ ہو لئے پھر آپ روانہ ہو گئے"۔ (عمر بن خطاب مولفہ طنطاوی)

مدینہ پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ عوالی میں، جس کا دوسرا نام قبا ہے، حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے آپ کے بعد اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو خود آفتاب رسالت ﷺ مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے اُفق پر ضوافگن ہوا اور نور اسلام سرزمین مدینہ پر ضیا پاشی کرنے لگا۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی، اس موقع پر انصار نے اپنے مال و اسباب میں مہاجرین کو نصف کا شریک بنا کر ایسے ایثار کا مظاہرہ کیا جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی، اس رشتہ کے قائم کرنے میں رسول اللہ ﷺ نے طرفین کے درجہ و مراتب کا خاص طور پر خیال رکھا یعنی جو مہاجر جس رُتبہ کا تھا اُسی حیثیت کے انصاری سے اُس کی برادری قائم کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جن کا بھائی قرار دیا اُن کا نام حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ تھا جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے پر بھی جن صحابہ رضی اللہ عنہ نے قبا ہی میں قیام رکھا اُن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن آپ نے بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضری کے لئے یہ معمول بنا لیا تھا کہ ایک دن خود خدمت اقدس میں حاضری

دیتے اور دوسرے دن اپنے دینی بھائی حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھیجے، وہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے واپس جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کر دیتے۔

اذان دیباچہ نماز:

مدینہ پہنچ کر جب مسلمانوں کو آزادی اور اطمینان نصیب ہوا تو اس کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض وارکان محدود اور معین کئے جائیں، نیز مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ اور دُور دُور محلوں میں آبادی کے پیش نظر نماز کے اعلان کا ایسا طریقہ معین کیا جائے جس سے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو کر نماز باجماعت کا اہتمام کر سکیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے ادھر توجہ کی اور صحابہ سے اس بارہ میں مشورہ فرمایا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے رائے دی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے، جب کہ بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے۔ بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ نکلے اور انہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے اُسی وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔

(الفاروق)

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ ایسا شعارِ اعظم جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت ﷺ کے اعلان سے گونجتا رہے گا، انہی کی رائے سے قائم ہوا، اس ضمن میں بعض اہل سیر نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک خواب کی بنا پر یہ تجویز پیش کی تھی لیکن مستند روایات کے مطابق یہ شرف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہُوا۔ (مدارج النبوۃ)

غزوات میں جرأت و بہادری کے نمایاں کارنامے:

مدینہ کے دورانِ قیام میں اہل اسلام کے سب سے پہلا عظیم معرکہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو پیش آیا جو تاریخ اسلام میں غزوہ بدر کے نام سے موسوم ہے، اس معرکہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے تدبر اور جانبازی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دست و بازُو رہے، اس جنگ میں آپ نے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا جو رشتہ میں آپ کا ماموں ہوتا تھا، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر اُن پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا، چنانچہ یہ واقعہ اس کی پہلی مثال ہے۔

(الفاورق)

اللہ کے فضل سے معرکہ بدر میں مسلمان فتحیاب ہوئے اور دشمن کو عبرتناک شکست ہوئی قریش کے کم وبیش ستر آدمی واصل جہنم ہوئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اسیران جنگ میں چونکہ قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار بھی تھے اس لئے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ رحمت عالم ﷺ نے تمام صحابہ سے رائے لی سب نے مختلف آراء پیش کیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ چونکہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لئے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ اسلام کے مقابلہ میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں، لہٰذا سب کو قتل کر دینا چاہیے اور یہ بھی اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، عقیل کی گردن ماریں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، عباس کو قتل کریں اور فلاں شخص جو

میرا عزیز ہے اُس کا کام میں تمام کروں۔

رسول اللہ ﷺ نے شانِ رحمت کے اقتضاء سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ

(سورہ انفال)

غزوہ اُحد:

غزوہ بدر کے بعد غزوہ بنی سلیم، غزوہ بنی قینقاع، غزوۂ سویق، غزوہ غطفان، غزوہ بحران وغیرہ جتنے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے، سب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ برسرِ پیکار رہے، یہاں تک کہ شوال ۳ھ میں اُحد کا وہ معرکہ پیش آیا جس میں قریش مکہ بدر کا انتقام لینے کے لئے غیض وغضب کا ایک طوفان بن کر آئے تھے ان کی جمعیت تین ہزار تھی اور بیشمار سامانِ جنگ سے لیس ہو کر مدینہ منورہ کے قریب آ کر خیمہ زن ہوئے تھے، ان کے مقابلہ پر غازیانِ اسلام کی کل تعداد صرف سات سو تھی، جن میں سے پچاس تیر اندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک درّہ کی نگہبانی پر متعین فرما دیا تھا کہ اُدھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں غرض فریقین کی عسکری قوت میں اس تفاوت کے باوجود جب ۷ شوال ۳ھ بروز ہفتہ لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے دشمن کی صفوں کی تہہ وبالا کر دیا کفار شکست کھا کر بھاگے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئے تیر اندازوں نے قریش کی پسپائی کو معرکہ کا اختتام سمجھ کر درّہ چھوڑ دیا اور وہ بھی دیگر مجاہدین کے ساتھ مالِ غنیمت اکھٹا میں مشغول ہوگئے تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں

ہوئے تھے) مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دفعتہً عقب سے حملہ کردیا، مسلمان چونکہ غافل تھے اس لئے اس ناگہانی یلغار سے سراسیمہ ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہونے لگے، کفار نے مسلمانوں کی اس افراتفری کے پیش نظر خود رسول اللہ ﷺ پر یورش کردی اور اس قدر تیر اور پتھر برسائے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے، پیشانی پر زخم آیا، رُخساروں میں مغفر کی کڑیاں چُبھ گئیں اور حضور ﷺ ایک گڑھے میں گر کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

جنگ کا زور و شور جب کسی قدر کم ہُوا تو رسول اللہ ﷺ اپنے تیس فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے، اسی اثناء میں خالد بن ولید کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ مولیٰ کریم، یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند مہاجرین وانصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔ (الفاروق حصہ اوّل)

ابوسفیان سالار قریش نے درّہ کے قریب پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تین بار آواز دی، اُس کے بعد تین مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پکارا۔

"کیا قوم میں ابن الخطاب موجود ہیں"۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے جواب دینے کی ممانعت فرمائی تھی، اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم خاموش رہے، ابوسفیان نے لشکر میں واپس جا کر کہا کہ یہ لوگ مارے جاچکے ہیں، ورنہ اگر زندہ ہوتے تو جواب ملتا، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہوسکا، پکار کر کہا:۔

"خدا کی قسم، او دشمنِ خدا تو جھوٹ کہتا ہے، جن لوگوں کا تو نے نام لیا ہے سب زندہ ہیں، اور جو تجھ کو بُرا معلوم ہوتا ہے وہ باقی ہے"۔

دوسری روایت میں ہے:۔

"خدا نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے"۔

(سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے نزدیک صنادیدِ اسلام یہی تین بزرگ تھے اسی بناء پر ابوسفیان نے انہی بزرگوں کا نام پکارا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار کو انہی بزرگوں کا وجود کھٹکتا تھا اور کفر و شرک کے قلع قمع کرنے والے یہی بزرگ تھے، ان بزرگوں کے مدارج میں جو ترتیب تھی وہ بھی ابوسفیان کے بیان سے نمایاں ہوتی ہے۔

نکاح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا:

اس سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جو اصحاب بدر میں تھے، اُنہوں نے مدینہ آکر وفات پائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا، جواب ملا کہ بالفعل نکاح کا ارادہ نہیں ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خواہش کی کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں لائیں لیکن وہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہتے ہیں چنانچہ شعبان ۳ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ (الفاروق)

غزوہ مریسیع تک:

غزوہ اُحد کے بعد ربیع الاوّل ۴ھ میں بنونضیر کا واقعہ پیش آیا یہ یہودیوں کا دُوسرا بڑا قبیلہ تھا جسے بدعہدی کے باعث مدینہ سے جلاوطن کیا گیا اس کے بعد اسی سال غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ بدر الاخریٰ پیش آئے ان سب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ برابر شریک رہے، پھر ۳ شعبان ۵ھ کو غزوہ مریسیع وقوع پذیر ہوا اس میں ایک مہاجر نے مذاق میں ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا، انصاری سخت برہم ہوا اور انصار کو آواز دی مہاجر نے مہاجرین کو پکارا، جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آوازیں سُنیں تو موقع پر تشریف لائے اور فرمایا "جاہلیت کی یہ پکار کیسی" حاضرین نے قصہ عرض کیا، فرمایا "اس پکار کو چھوڑو، یہ بُری چیز ہے"، منافقین میں جب یہ خبر پھیلی تو راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہا "اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی، خدا کی قسم! مدینہ پہنچ کر جو عزیز ہے ذلیل کو نکال دے گا"۔ یہ فقرہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں حاضر تھے، غصہ سے بیتاب ہوگئے اور کھڑے ہوکر عرض کیا:۔

"یارسول اللہ ﷺ مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس منافق کا سر اُڑا دُوں"۔

لیکن رحمتہ للعالمین ﷺ نے فرمایا، جانے دو، لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کراتے ہیں"۔ (سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

غزوہ خندق:

مورخین کے مطابق ۸ ذیقعدہ ۵ھ کو غزوہ خندق پیش آیا جس میں تقریباً دس ہزار سے بھی زیادہ کفار نے حصہ لیا اور کم وبیش ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ

کئے رکھا، رسول اللہ ﷺ نے چونکہ مدینہ سے باہر نکل کر سلع کے آگے ایک خندق تیار کرالی تھی اس لئے کفار خندق پار تو نہ کر سکے البتہ کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرنے اور رسول اللہ ﷺ نے اس غرض سے خندق کے اِدھر اُدھر کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کو متعین کردیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائے، ایک حصہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعین تھے چنانچہ یہاں پر ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے ایک دن کفار کے مقابلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ نمازِ عصر قضا ہوتے ہوتے رہ گئی، بعد مغرب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو کفار کو بُرا کہہ رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے اب تک نہیں پڑھی ہے چنانچہ بطحان پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور نماز پڑھائی، اس غزوہ میں لشکر کفار کی زیادتی محاصرے کی طوالت اور حالات کی سنگینی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحیاب کیا اور کفار کے حصہ میں شکست کی ذلت کے سوا کچھ نہ آیا۔

غزوہ حدیبیہ:

ماہ ذیقعد ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے زیارتِ کعبہ کا قصد فرمایا اور اس خیال سے کہ لڑائی کا کسی کو شبہ نہ ہو، حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے، مدینہ سے چھ میل باہر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ دشمنوں میں اسلحہ کے بغیر چلنا مصلحت نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لئے، (سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کرلیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ کے اندر قدم رکھنے نہ دیں گے، رسول اللہ ﷺ کو چونکہ لڑنا مقصود نہیں تھا اس لئے مصالحت کی غرض سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا، قریش انہیں

مکہ میں ہی روک لیا جب کئی دن گزر گئے تو یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردئے گئے ہیں، اس خبر پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جن کی تعداد چودہ سوتھی ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی، چنانچہ قرآن حکیم کی آیت "لقد رضی اللہ تحت الشجرۃ" میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کردی تھی، چنانچہ ہتھیار پہن رہے تھے کہ خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ بیعت لے رہے ہیں، آپ فوراً بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لئے دستِ اقدس پر بیعت کی۔

قریش کا اصرار تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے آخر بڑے ردّو قدح کے بعد فریقین ایک معاہدہ پر راضی ہوگئے، اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا، لیکن اہل اسلام سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو اختیار ہوگا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں، یہ شرط چونکہ بظاہر مشرکین کے حق میں زیادہ مفید تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا، چنانچہ بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہوکر عرض کی "یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ خدا کے پیغمبر برحق نہیں"؟ فرمایا "بیشک ہوں" عرض کی کیا ہمارے دشمن باطل پر نہیں"؟ ارشاد نبوت ہوا "ضرور ہیں" پھر عرض کیا "تو پھر ہم دین میں یہ ذلت گوارا کیوں کریں؟ خدا نے ہمارے اور دشمن کے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، پھر ہم کیوں واپس ہوں"؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں خدا کا رسول ﷺ ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کرتا، وہ میری امداد کرے گا اور مجھ کو برباد نہ ہونے دے گا" اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے

پاس آئے اور اُن سے بھی یہی گفتگو کی، انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو رسول اللہ ﷺ دے چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اندازِ گفتگو چونکہ اَدب کے خلاف تھا اس لئے سخت نادم ہوئے اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے، نفلیں پڑھیں، خیرات دی اور غلام آزاد کئے۔ (الفاروق)

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے دستخط ثبت ہوئے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا قصد فرمایا، راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آج مجھ پر ایسی صورت نازل ہوئی ہے جو مجھے اُن تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد "انا فتحنا لك فتحًا مبينًا" آخر تک پڑھ کر سنائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے عرض کیا، "یارسول اللہ ﷺ کیا یہ فتح ہے"، ارشاد ہوا "ہاں اسی موقع پر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ۔

(سورہ الممتحنہ)

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسی دن اپنی دو بیویوں کو جو اب تک مشرکہ تھیں طلاق دے دی ان میں سے ایک کے ساتھ معاویہ بن سفیان نے (اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) اور دوسری کے ساتھ صفوان بن اُمیہ نے نکاح کرلیا (معارج النبوۃ)

غزوہ خیبر:

ماہ محرم ۷ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا، یہاں اہل یہود کے بڑے بڑے

مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا تاہم مسلمانوں کی یلغار سے چند قلعے تو جلد جلد فتح ہوگئے، مگر وہ قلعے جن پر خیبر کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا، فتح نہیں ہورہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی تسخیر کے لئے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا، لیکن جب وہ کامیاب نہ ہوئے تو یہ خدمت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ دو دن جا کر لڑے مگر کامیاب نہ ہوسکے، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو عَلَم دُوں گا جو حملہ آور ہوگا"۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ عَلَمِ نبوی ﷺ کی اُمید میں بڑے سروسامان کے ساتھ سج دھج کر آئے، ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ان کا اپنا بیان ہے کہ "میں نے امارت کی اس دن کے علاوہ کبھی تمنا نہیں کی تھی" لیکن یہ فخر چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے لئے مقدر ہوچکا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر عَلَم عطا فرمایا، مرحب رئیس خیبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل کے ساتھ ہی اس معرکہ کا خاتمہ ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدین پر تقسیم فرمادی، چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا، یہ اس قدر عمدہ باغ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی "اس سے بڑھ کر عمدہ جائداد مجھ کو کبھی نہیں ملی" تاہم آپ نے باغ کو راہِ خدا میں وقف کردیا اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔ (الفاروق)

سریہ تربہ:

اسی سال ماہ جمادی الآخر میں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیس آدمیوں کے ساتھ ہوازن کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اِن لوگوں نے جب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد کے متعلق سُنا بھاگ گئے اور کوئی معرکہ پیش نہ آیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بغیر جنگ کئے واپس مدینہ لوٹ آئے۔

فتح مکہ:

رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا اُسے معرکہ خیبر کے بعد قریش نے توڑ دیا، جب قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو ابوسفیان تجدید عہد کے لئے مدینہ آیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس طرف قطعی توجہ نہ فرمائی اس کے بعد وہ باری باری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا کہ وہ اس معاملہ کو طے کرادیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو اس سختی سے جواب دیا کہ وہ نا اُمید ہوگیا اور تجدید عہد کا یکطرفہ اعلان کر کے مکہ لوٹ گیا، غرض نقضِ عہد کے باعث رسول اللہ ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان المبارک ۸ ھ میں مکہ کا قصد فرمایا،

رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ نہایت خاموشی سے یہ تیاری فرمائی تھی تاہم حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے یہ لغزش ہوئی کہ اُنہوں نے قریش مکہ کو خط کے ذریعہ ان حالات کی اطلاع دی یہ خط جب راستے میں ہی پکڑ لیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بیتاب ہوگئے اور عرض کی ”حکم ہو تو گردن اُڑا دوں“، لیکن جبین رحمت پرشکن نہ تھی، ارشاد ہوا، ”عمر (رضی اللہ عنہ) تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا ہو کہ تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے،“ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے عزیز و اقارب ابتک مکہ میں تھے اور اُن کا کوئی حامی نہ تھا، اس لئے انہوں نے قریش کے پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں اُن کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہی عذر پیش کیا اور رسول

اللہ ﷺ نے قبول فرمایا۔ (سیرت حلبی)

رسول اللہ ﷺ جب مرا لظہران پہنچے اور لشکر نے وہاں آگ روشن کی تو تمام صحرا چمک اُٹھا، اہل مکہ کو اس پر تشویش ہوئی چنانچہ اُن کی طرف سے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ دریافت حال کے لے آئے خیمہ نبوی ﷺ کے دربانوں کی نظر اُن پر پڑگئی اور دوڑ کر گرفتار کرلیا، چنانچہ وہ بھی جلدی جلدی بارگاہِ نبوت ﷺ میں پہنچ گئے اور ابوسفیان کے قتل کی اجازت چاہی، لیکن ابوسفیان نے اُسی وقت اسلام قبول کرلیا، اب اگر اُن تمام حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا باعث بنے تو صاف معلوم ہوگا کہ اُن کا اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ممنونِ احسان تھا۔ (حصہ اوّل جزء المہاجرین)

غزوہ حنین:

فتح مکہ کے کچھ دن یعنی شوال ۸ھ میں ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے، اس معرکہ میں بھی غزوہ اُحد کی طرح مسلمانوں کے پائے ثبات میں لغزش آگئی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اب بھی نہایت پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ شریک کا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ میدان میں گشت لگانے نکلے، اُن کا بیان ہے کہ

"ناگاہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نظر آئے جو لوگوں کو لئے کھڑے تھے۔"

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، لوگوں کا کیا خیال ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، "خدائے عزوجل کا جو حکم تھا وہ ہوا"۔

اس غزوہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دو کنیزیں ملی تھیں جنہیں آپ نے مکہ

کے کسی مکان میں بھجوا دیا تھا رسول اللہ ﷺ نے جب حنین کے قیدیوں کو آزاد فرمایا تو وہ مکہ کی گلیوں میں دوڑنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا ''عبداللہ دیکھو تو کیا ماجرا ہے''۔ اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں پر احسان فرمایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے، ''جاؤ، اور تم بھی کنیزوں کو چھوڑ دو''۔

واپسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں نے جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا، تم اس کو پورا کرو، چنانچہ اُنہوں نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کیا۔

غزوہ تبوک:

رجب ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر رُوم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا چونکہ یہ زمانہ عُسرت اور تنگی کا تھا اس لئے لوگوں کو جنگی تیاری کے لئے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دی، چنانچہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے تمام مال و اسباب میں سے نصف لاکر بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں پیش کیا، غرض اسلحہ اور سامان رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں تبوک کا رُخ کیا، یہاں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے حضور ﷺ چند روز قیام فرمانے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

وفات ابن ابی:

غزوہ تبوک کے بعد راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے انتقال کیا وہ چونکہ بظاہر مسلمان ہوگیا تھا اس لئے اُس کی درخواست پر رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنا قمیص عطا فرمایا اور نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، جب حضور ﷺ نماز پڑھانے کے

لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صف سے آگے نکل کر آپ ﷺ کا دامن پکڑلیا اور عرض کی آپ ﷺ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فلاں فلاں باتیں کی تھیں حضور نبی رحمت ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا ''اے عمر (رضی اللہ عنہ) ہٹ جاؤ'' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار جب وہی گفتگو کی تو ارشاد ہوا کہ مجھ کو دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ. (سورۃ التوبہ)

میں ستر بار سے زیادہ اس کیلئے استغفار کروں گا۔

غرض حضور ﷺ نے نماز پڑھائی کچھ دیر بعد سورہ برات کی یہ آیت نازل ہوئیں:۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَا تُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ.

(سورہ التوبہ)

ذوالخویصرہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے دربارِ رسالت مآب ﷺ میں تھوڑا سا سونا بھیجا تھا جسے حضور ﷺ نے عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور علقمہ بن ثلاثہ کے درمیان تقسیم فرما دیا، اس پر قریش اور انصار کے بعض لوگوں نے کہ رسول اللہ ﷺ صنا دید اہل نجد کو مرحمت فرماتے ہیں حالانکہ ہم زیادہ مستحق ہیں، حضور نبی کریم ﷺ کو اطلاع

ہوئی تو فرمایا میں ان کی تالیفِ قلب کرتا ہوں، مجمع میں بنوتمیم کا ایک شخص جس کا نام ذوالخویصرہ تھا، اُٹھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا، عدل فرمایئے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا تم مجھ کو امین نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں خدا کا امین ہوں، میرے پاس صبح و شام آسمان کی خبر آتی ہے، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو تم برباد ہو جاؤ گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فوراً بولے:

''یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اُڑا دوں''۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔''اس کو چھوڑ دو''۔

(سیرت حلبی)

حجتہ الوداع:

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجتہ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ہمرکاب تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرکت کے متعلق خود بیان فرمایا ہے ایک بار اہل یہود نے اُن سے کہا کہ آپ لوگ ایک آیت پڑھتے ہیں وہ اگر ہم میں نازل ہوتی تو ہم اس کو عید بناتے (یعنی یادگار قائم کرتے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کب نازل ہوئی؟ اور جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کہاں تھے؟ عرفہ کا دن تھا اور ہم خدا کی قسم عرفہ میں تھے''۔ (مدارج النبوت)

وفاتِ نبی ﷺ:

حجتہ الوداع سے واپس تشریف لانے کے بعد اوائل ربیع الاوّل ۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور چند روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل بروز پیر بوقت چاشت آپ ﷺ کا وصال ہو گیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا

یقین نہیں آتا تھا، چنانچہ آپ اس حادثہ عظیم سے اس قدر از خود رفتہ ہو گئے کہ آپ نے مسجد نبوی ﷺ میں اعلان کیا کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا۔ (سیرۃ النبی)

لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آیات قرآنی سے وفات نبوی ﷺ پر استدلال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبہوت ہو کر زمین پر گر پڑے، خود فرماتے ہیں:۔

"خدا کی قسم! جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آیت تلاوت کی تو میں متحیر ہو گیا یہاں تک کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہ اُٹھا سکے اور میں زمین پر گر پڑا"۔

اِن روایات کے مطابق وفات نبوی ﷺ کا جو اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ہوا دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ (سیرۃ النبی)

بیعت سقیفہ:

بیعت سقیفہ تمام تر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوششوں کا نتیجہ تھی، کیونکہ جو فتنہ سقیفہ بنوساعدہ میں کھڑا ہو گیا تھا اُسے اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقت پر پہنچ کر ختم نہ کرتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی شمع اسلام کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیتا، لیکن یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی تدبر تھا کہ جب انصار مدینہ دو خلفاء کے مطالبہ پر مُصر ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس گتھی کو سلجھا دیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام مسلمان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہو کر تاریخ اسلام کے ایک سنگین بحران سے بچ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام معاملہ کی اہمیت اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر اس قدر مناسب بروقت تھا کہ تاریخ عالم میں شاید ہی ایسی مثال ملے۔

خلافتِ صدیقی رضی اللہ عنہ اور جمع قرآن کا مشورہ:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت صرف سو دو سال رہی ان کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے مشیر اور معین و مددگار رہے، قرآن حکیم کی تدوین کا کام خصوصیت سے ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ کے زمانہ میں مجھ کو بلا بھیجا میں آیا تو اُن کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور بیان کیا کہ جنگ یمامہ میں حفاظِ قرآن بکثرت کام آئے ہیں، اور مجھے خوف ہے کہ اگر اسی طرح لڑائیوں میں حفاظ کام آتے رہے تو قرآن کا بڑا حصہ جاتا رہے گا، میرا خیال ہے کہ قرآن جمع کرنے کا حکم دیجیے"۔

میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، "تم وہ کام کیوں کرنا چاہتے ہو جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "خدا کی قسم اسی میں بھلائی ہے" چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے برابر اس کے متعلق گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا اور میری بھی وہی رائے قائم ہوگئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی"، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس تمام گفتگو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے رہے"۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں تجربہ ہو چکا تھا کہ منصب خلافت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا، اور یہ

سیاستِ عالم کا سب سے بڑا اہم واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا جن سے بڑھ کر اورنگ حکومت کو آجتک کوئی فرمانروا ہاتھ نہیں آسکا، یہ انتخاب، فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اتنا بڑا احسان تھا کہ عالم اسلامی کی گردنیں قیامت تک اُن کے سامنے جھکی رہیں گی، تاریخ عالم گواہ ہے کہ مسلمانوں کی جہانبانی اور کشورستانی کا راز اسی انتخاب میں مضمر تھا اور اسی انتخاب میں اُس اسلامی حکومت کی وسعتیں پوشیدہ تھیں جس کی حدُود ساڑھے دس سال کے قلیل عرصہ میں ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل تک پھیل گئی تھیں۔

خلیفہ کا لقب:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول ﷺ کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو کر امیر المومنین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مورخین کے مطابق سب سے پہلے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اور حضرت لبیب بن ربیعہ نے آپ کو اس لقب سے مخاطب کیا، پھر آپ کا یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ تمام لوگ جن میں مسلمان یہود و انصاریٰ اور آبادی کے مختلف فرقے شامل تھے، آپ کو اسی لقب سے پکارتے تھے یہاں تک کہ آپ نے خود اپنے متعلق یہی لقب استعمال فرمایا ہے:۔

"اُونٹ اور بکری کے گلے والے، اگر اُن کے جانور ہلاک ہوں گے، تو وہ اپنے گھر والوں کو لے کر میرے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے اے امیر المومنین اے امیر المومنین"۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جب یہ درخواست بھیجی کہ انہیں اسی حجرہ میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے جس میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دفن ہیں، تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ امیر المومنین نہ کہنا"۔

یہ لقب اگرچہ معنی کے لحاظ بالکل سادہ ہے تاہم اس کی ہیبت یہ تھی کہ اس کے ذکر سے ہی کسریٰ و قیصر کے دل کانپ اُٹھتے تھے اور بڑے بڑے جابر حکمرانوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ (سیر الصحابہ اوّل جزء المہاجرین)

امیر المومنین کے اعمال عظیمہ:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔ (سورہ الفتح)

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"اس اثناء میں کہ میں ایک کنوئیں پر پانی کھینچ رہا تھا، ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ڈول لیا اور ایک دو ڈول نکالے، اُن کے کھینچے میں کمزوری تھی، خدا اُن کی مغفرت کرے، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ابن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے ڈول لے لیا اور وہ اُن کے ہاتھ میں جا کر پر بن گیا، تو میں نے کسی محنتی سردار کو اُن کے برابر کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو کر بیٹھ گئے۔" (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ کی یہ پیشین گوئی اور رسول اللہ ﷺ کا یہ خواب حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پورا ہوا، نہال اسلام جو کفرستانِ عرب کی ہواؤں سے جھک جھک جاتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اس قدر مضبوط اور تنا درخت بن گیا کہ کفر زار عالم کی باد مخالف کے جھوکے بھی آج تک اسے ہلا نہ سکے، خلافت کا سرچشمہ جواب تک آبِ رحمت کے چند قطرے اُچھال رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آتے ہی ایک بحر بیکراں اور اوقیانوس اعظم بن کر اس شدت سے چھلک اُٹھا کہ دُنیا کے تمام تشنہ لب ابدالآباد تک سیراب ہو گئے، یہ اگرچہ استعارات کا پیرایہ ہے تاہم یہ اُن تمام طوفانوں کا کلی عکس ہے جن کا پیچ وتاب جزوی طور پر دورِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک ایک لمحہ میں دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے، بہرکیف آئندہ صفحات میں اس دَور کی کلی اور جزوی خصوصیات ملاحظہ ہوں،

خلافت اور فتوحات :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدعیان نبوت مُرتدین عرب اور منکرین زکوٰۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحاتِ ملکی کا آغاز ہو چکا تھا، یعنی ۱۲ھ میں عراق پر فوج کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے اس طرح ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں، لیکن ابھی ان مہمات کا آغاز ہی ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ تو ان کا سب سے اہم اور اوّلین فرض انہی مہمات کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔

فتوحاتِ عراق

مورخین کے مطابق عراق پر حملہ کا آغاز خلیفہ اوّل کی اجازت سے حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، ان کی مدد کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا جنہوں نے بانقیا، کسکر اور حیرہ کے اضلاع پر علم فتح نصب کیا ہی تھا کہ انہیں مہم شام کی اعانت کے لئے شام جانا پڑا جس کے باعث عراق کی فتوحات دفعتہً رُک گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند آرائے خلافت ہوتے ہی سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی بیعت خلافت کے لیے عرب کے مختلف حصوں سے بے شمار مسلمان مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر مجمع عام میں جہاد پر تقریر کر کے ان کو ایران کی مُہم میں شرکت کے لئے اُبھارا، لیکن چونکہ عام خیال یہ تھا کہ عراق، حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور اس کو فتح کرنا آسان نہیں، اس لئے ایک شخص نے بھی آمادگی ظاہر نہ کی، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تین دن تک جوش دلاتے رہے لیکن کچھ اثر نہ ہوا، آخر چوتھے دن آپ نے ایسی پر جوش تقریر کی کہ مسلمانوں میں حرارت پیدا ہوگئی اور حاضرین میں سے بنی ثقیف کے سردار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کیا، ان کی پیش قدمی پر ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں اور تمام مسلمان شرفِ جہاد حاصل کرنے کے لئے تیار ہوگئے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی چند ہزار کی سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں عراق کی معرکہ آرائیوں نے ایرانیوں کو بہت ہوشیار کردیا تھا، چنانچہ اُنہوں نے اَزسرِ نو فوجی تنظیم کی اور ایران کے صغیر السن شہزادے یزدگرد کی متولّیہ پوران دخت نے خراسان کے گورنر فرخ زاد کے شجاع اور مدبر بیٹے رستم کو سپہ سالار مقرر کیا، اس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ملک میں آگ لگا دی جس کے نتیجہ میں پوری ایرانی قوم

مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ہمہ تن جوش بن گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ چند دنوں کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیل گئی اور اضلاع فرات جو پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے تھے، ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔

ایرانی فوج کی تنظیم نو کے سلسلہ میں پوران دخت نے ایک اور فوجِ گراں تیار کی جس پر جاپان اور نرسی کو سپہ سالار مقرر کیا، یہ دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے، دوسری طرف سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ آرہے تھے مقام غارق میں ان کا اور جاپان کا مقابلہ ہوگیا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے فاش شکست دی، اس کے دو مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے اور وہ زندہ گرفتار ہُوا، لیکن اس حیلہ سے بچ گیا کہ جس مسلمان نے گرفتار کیا تھا وہ اس کو پہچانتا نہ تھا، اس لئے جاپان نے اپنے عوض دو غلام دے کر رہائی حاصل کرلی، بعض مسلمانوں نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کرلیا، لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جاپان کو اس بناء پر چھوڑ دیا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں۔

(تاریخ طبری حصہ سوم)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ معرکہ سر کرنے کے بعد کسکر کا رُخ کیا جہاں نرسی فوج لئے پڑا تھا، سقاطیہ میں دونوں فوجیں ایک دُوسرے کے مقابل ہوئیں اور بہت بڑے معرکہ کے بعد نرسی کو بھی شکست ہوئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ سقاطیہ کے قرب وجوار کے تمام ایرانی اُمراء خود بخود مطیع ہوگئے۔

ان پیہم شکستوں کی خبر سن کر رستم نے ایک تازہ دم فوج کے ساتھ مردان شاہ (بہمن جادویہ) کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر روانہ کیا، اور ایرانیوں کا مقدس عَلَم درخش کا دیانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، اس کے ساتھ کردیا، مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں اُتاریں، دُوسری طرف مسلمان تھے ہر

فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا، تاہم حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جوش جہاد میں ایسے مخمور تھے کہ فوجی افسروں کی شدید مخالفت کے باوجود فرات کو عبور کر کے اس پار چلے گئے دریا پار ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی، چونکہ اس پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا مزید برآں چونکہ عربی ذلاوروں کا ایران کے کوہ پیکر ہاتھیوں سے یہ پہلا مقابلہ تھا، اس لئے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اُن کے بھائی حکم اور اُن کے خاندان کے دیگر سات آدمی شہید ہو گئے، لڑائی میں کام آنے والے مسلمانوں کے علاوہ پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانی جنہوں نے سب سے آخر علَم سنبھالا تھا، بڑی مشکل سے تین ہزار جانیں بچا کر دریا کے اِس پار لا سکے۔ (تاریخ اسلام میں یہ لڑائی معرکہ جسر یعنی پل والی لڑائی کے نام سے موسوم ہے)۔

واقعہ بویب ۱۴ھ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو مسلمانوں کی شکست اور اس قدر شہادتوں کا سخت قلق ہُوا، چنانچہ آپ نے اس شکست کا انتقام لینے کے لئے اپنے پرجوش خطبوں سے تمام قبائل میں آگ لگا دی، ان کے جوش کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ عرب کے عیسائی بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے، غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بھاری فوج کے ساتھ حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ کو محاذِ جنگ کی طرف روانہ کیا، دوسری طرف حضرت مثنیٰ نے بھی اپنے طور پر سرحدی قبائل کی ایک علیحدہ فوج تیار کر لی تھی۔

پوران دخت کو جب مسلمانوں کی ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو اُس نے اپنی منتخب فوج میں سے بارہ ہزار بہادروں کو مہران بن مہرویہ کی ماتحتی میں مجاہدین

اسلام سے نبرد آزمائی کے لئے بھیجا، اسلامی لشکر چونکہ بویب میں خیمہ زن تھا اس لئے مہران سیدھا وہاں پہنچا اور فرات عبور کر کے اس پار صف آرا ہوا مسلمان پہلے سے تیار تھے چنانچہ ایرانی فوج کے پہنچتے ہی خونریز مقابلہ شروع ہو گیا گذشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے وہ اس بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب شہید ہو گئے مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹنے لگے، اس ریلے میں بنی تغلب کے نوجوان نے مہران کو قتل کر دیا مثنیٰ نے فرات کے پل کا راستہ روک کر اتنے آدمیوں کو تہ تیغ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، اس معرکہ میں کامیابی کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے۔ (فتوح الشام)

ایرانیوں کا جوش:

حیرہ کے کچھ فاصلے پر جہاں آج بغداد آباد ہے وہاں اس زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا، حضرت مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا، بازاری جان بچا کر بھاگ گئے اور بے شمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی، اسی طرح قرب و جوار کے مقامات میں بھی مسلمانوں کی پیش قدمی شروع ہو گئی اور سواد کسکر، صراہ اور فلالیج وغیرہ پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، پایہ تخت ایران میں جب یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں زبردست جوش پھیل گیا، حکومت کا نظام بالکل بدل گیا، پوران دخت کو معزول کر کے کیانی خاندان کے تنہا وارث سترہ سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سر نو فوجی انتظامات کر کے تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو جنگی سامانوں سے بھر دیا، اسی کے ساتھ یہ کوشش بھی کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلائی جائے ان تبدیلیوں اور انتظامات سے ایرانی حکومت میں ایک نئی زندگی

پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے، حضرت مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے، نیز دربارِ خلافت کو اہل ایران کی تیاریوں سے مفصّل طور پر آگاہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تیاریاں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے عرب کے نامور بہادروں، رئیسوں، خطیبوں اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا، آپ کی دعوت پر سارا عرب اُمنڈ آیا اور آپ نے انہیں ساتھ لے کر بہ نفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا، لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی کہ آپ کا دارالخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ (فتوح البلدان)

آخر قرعہ فال حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام پڑا جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور عہد رسالتمآب ﷺ میں بڑے کارہائے نمایاں کر چکے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سپہ سالار مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ مہم عراق کی تکمیل پر مامور کیا اور چلتے وقت بڑی بیش بہا نصیحتیں کیں، اس فوج میں ستر صحابی تھے جو بدر میں جوہر شجاعت دکھا چکے تھے، تین سو بیعت رضوان کے جانثار تھے، نیز اسی قدر وہ صحابہ تھے جو فتح مکہ موجود تھے اور سات سو ایسے تھے جو اگرچہ خود صحابی نہ تھے تاہم ان کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ خود بسلسلہ تجارت سارے عراق کا سفر کر چکے تھے اس لئے یہاں کے چپہ چپہ سے واقف تھے، اس بناء پر آپ نے فوج کی نقل و حرکت، اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی وغیرہ سب اپنے ہاتھ میں رکھی،

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں، چنانچہ اُنہوں نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا، جسے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کی تنظیم اور پیش قدمی سے متعلق مفید ہدایات بھیجیں، اسی کے ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں، تا کہ فتح ہو تو جہاںتک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔ (الفاروق اوّل)

مزید یہ فرمان بھی بھیجا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغِ اسلام کے لئے دربار ایران بھیجا جائے۔

اسلامی سفارت:

امیر المومنین کے اس فرمان کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے میدان میں مورچہ بندی کی اور سردارانِ قبائل میں سے وہ شاہِ ایران اور اُس کے رفقاء کو اسلام کی ترغیب دے سکیں، لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مخمور تھے وہ خانہ بدوش عربوں اور اُن کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے تھے؟ بہر کیف فریقین میں سلسلہ گفتگو شروع ہُوا اور یزدگرد کے اس سوال پر کہ ”تم لوگ فارس پر کیوں حملہ آور ہوئے ہو“؟ اسلامی وفد کے رئیس حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے بڑی وضاحت سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا اور آخر میں دوٹوک الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ ”اگر اسلام قبول کرنا تمہیں منظور نہیں تو جزیہ دینا قبول کرو اور اگر تم اس پر بھی رضامند نہیں تو پھر تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کردے گی“۔ اس اعلانِ حق پر یزدگرد کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا اور اُس نے چلا کر کہا

"اگر ایلچیوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو آج تم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا، اے دُوسروں کے ملک لوٹنے والو، تمہیں یہ خاک ملے گی خاک" یہ کہہ کر اُس نے تحقیر کے لئے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ "لو ہماری زمین میں تمہارا یہ حصہ ہے۔" حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ یہ خاک دامن میں لے کر لوٹ آئے، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر یہ مبارک خبر دی کہ دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی ہے جو ان کے ملک پر قبضہ کے لئے نیک فال ہے۔

اس واقعہ کے بعد کئی ماہ تک دونوں طرف سکوت رہا، رستم ایک لشکرِ جرار کے ساتھ ساباط میں پڑا تھا، اُسے مسلمانوں کا پورا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے وہ یزدگرد کے تاکیدی احکامات کے باوجود جنگ کو ٹال رہا تھا، ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے، جب اس حالت نے طول کھینچا اور رعایا جوق دَر جوق یزدگرد کے پاس پہنچ کر اپنی حفاظت کے لئے فریادی ہوئی تو رستم کو مجبورًا مقابلہ کے لئے بڑھنا پڑا اور ایرانی فوجیں ساباط سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔

رُستم نے قادسیہ پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ایک عرصہ تک سفراء کی آمدورفت اور نامہ پیام کا سلسلہ جاری رکھا، آخری سفارت میں اسلامی وفد کے قائد کی حیثیت سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گئے، انہیں مرغوب کرنے کے لیے رُستم نے بڑی ٹھاٹھ کا دربار آراستہ کیا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اس شان سے تھے کہ تلوار بھی قرینہ کی نہ تھی، نیام کی بجائے اُوپر چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے چنانچہ اسی شان سے دربار میں داخل ہوئے اور دونوں میں بڑی طویل گفتگو ہوئی رستم نے بات چیت کے دوران میں سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہارِ احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی تم لوگ واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں

بلکہ انعام میں کچھ دلا دیا جائے گا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کے دستہ پر ہاتھ رکھ کر کہا ''اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا''۔ رستم غصے سے بھڑک اُٹھا اور کہا ''آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کردوں گا''۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اُٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہوگیا۔ (فتوح الشام)

جنگ قادسیہ محرم ۱۴ھ:

رستم جو اَبتک لڑائی کو برابر ٹال رہا تھا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے اس قدر غضبناک ہوا کہ اُسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں مصروف رہا، ایرانی فوجیں راتوں رات مرتب ہوگئیں اور صبح ہوتے ہی قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا ایک سمندر موجزن تھا جن کے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے، دُوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جرار صف بستہ کھڑا تھا، عین اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عرق النساء کا دورہ ہوا جس کے باعث نقل و حرکت سے مجبور ہوگئے چنانچہ اپنی جگہ خالد بن ارفط کو سپہ سالار مقرر کر کے خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا، ٹھہر گئے اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکامات بھیجتے رہتے تھے، بعد نمازِ ظہر اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع ہوئی اور دن بھر ہنگامہ محشر برپا رہا، شام کو جب تاریکی چھاگئی تو دنوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے، یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جو یوم الامارث کے نام سے مشہور ہے۔ دُوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رَن پڑا، عین لڑائی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی، اس کے ساتھ وہ قاصد بھی تھے جو ممتاز

بہادروں کے لئے بیش قیمت تحائف لائے تھے، لڑائی کے دوران میں اعلان کیا گیا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے لئے یہ تحائف بھیجے ہیں جو اپنے آپ کو ان کا مستحق ثابت کریں" اس نے مسلمانوں کے جوش وخروش کو اور بھڑکا دیا، صبح سے شام تک خونریز جنگ ہوتی رہی، شام تک دو ہزار مسلمان شہید اور دس ہزار ایرانی مقتول ومجروح ہوئے، تاہم فتح شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوسکا اور جنگ دُوسرے دن کے لئے ملتوی ہوگئی اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے۔

رات گزرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا جو یوم العماس کے نام سے مشہور ہے اس دن کی جنگ دونوں گذشتہ معرکوں سے زیادہ ہیبت ناک تھی اس جنگ میں مسلمانوں نے سب سے پہلے ان کو پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جنہیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بھڑکتے تھے، مسلمانوں نے اگرچہ گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر ان کا جواب پیدا کرلیا تھا تاہم مشکل بات یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رُخ کردیتی تھی، صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نومسلم پارسیوں سے اس سیاہ بلا کے متعلق مشورہ کیا، اُنہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کردیئے جائیں تو اس بلا سے نجات کی راہ نکل سکتی ہے، اس پر چند جانباز نیزے لے کر ٹوٹ پڑے اور تاک تاک کر ان کی آنکھیں بیکار کردیں۔ حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا کاری وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہوگئی، ہاتھی جھرجھری لے کر بھاگا اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہولئے، اس طرح یہ دیوارِ آہن ٹوٹ گئی اور مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا، دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا، یہاں تک کہ رات کو بھی اس شدت کی جنگ جاری رہی کہ تلواروں کی جھنکار، نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی اسی مناسبت سے اسے

لیلۃ الھریر کہتے ہیں دُوسرے دن پہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا رُستم اب تک نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا تھا لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگا، حضرت ہلال بن علقمہ رضی اللہ عنہ نامی ایک مسلمان نے تعاقب کیا، اتفاق سے ایک نہر سامنے آگئی، رستم کو دُپڑا کہ تیر کر نکل جائے، ساتھ ہی حضرت ہلال بھی کودے اور ٹانگیں پکڑ کر اس کو نہر سے باہر کھینچ لائے پھر تلوار سے کام تمام کر دیا، اس کے بعد رستم کے تخت پر چڑھ گئے اور زور سے پکارے، "میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے"۔

اس آواز کے سنتے ہی ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا، مسلمانوں نے دُور تک ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں، اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے جب کہ مسلمان شہداء کی تعداد چھ ہزار کے لگ بھگ تھی ان معرکوں میں مسلمانوں کی فتح کے باعث خاندان کسریٰ کی شان وشوکت کا نشان "درفشِ کا دیانی" ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو گیا اور اسلام کا سبز ہلالی پرچم نہایت جاہ و جلال کے ساتھ ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامہ فتح لکھا جس میں دونوں طرف کے مقتولین کی تفصیل بھی بھیجی، جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت بے چینی سے خبروں کا انتظار رہتا تھا، آپ ہر روز آفتاب نکلتے ہی مدینہ سے باہر نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے رہتے، ایک دن معمول کے مطابق نکلے کہ قاصد سے ملاقات ہوگئی، اس سے حالات پوچھے لیکن چونکہ وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا اس لئے سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے، اسی حالت میں

دونوں شہر میں داخل ہوئے، یہاں قاصد کو معلوم ہوا، کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ یہی ہیں، وہ ڈر سے کانپ اُٹھا اور گستاخی کی معافی چاہی، فرمایا "کچھ حرج نہیں تم سلسلہ کلام نہ توڑو"۔ پھر مسلمانوں کو جمع کر کے فتح کی خوشخبری سنائی اور ایک نہایت پر جوش تقریر کی جس کا آخری فقرہ یہ تھا:۔

"مسلمانو، میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں میں خود خدا کا غلام ہوں، البتہ خلافت کا بارِ گراں مجھ پر ڈالا گیا ہے اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کروں کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ تو میرے لئے عین سعادت ہے، اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو، تو میری بدبختی ہے، میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن باتوں سے نہیں بلکہ عمل ہے"۔

(فتوح الشام)

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ:

ایرانیوں نے قادسیہ نکل کر بابل میں قیام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اس لئے نہایت اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان کر لئے تھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے استیصال کے لئے ۱۵ھ میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کر دی تھی اس لئے وہ مسلمانوں کے مقابلہ پر کہیں بھی نہ ٹک سکے، چنانچہ مسلمان بابل، کوثی اور بہرہ شیر فتح کرتے ہوئے ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملہ سے روکنے کے لئے دریائے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں، اسلامی لشکر جب وہاں پہنچا تو دریائے دجلہ عبور کرنے

کا کوئی سامان نہ تھا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان باتوں سے بے نیاز ہو کر اللہ کا نام لیا اور گھوڑا دریا میں ڈال دیا انہیں دیکھ کر فوج بھی دریائے دجلہ میں اُتر گئی دریا اگرچہ بارشوں کی کثرت کے باعث خوفناک طغیانی کی زَد میں تھا تاہم مسلمان نہایت اطمینان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے ایرانی دُور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے، جب مسلمان کنارے پر پہنچے تو دیواں آمدند، دیواں آمدند کہتے ہوئے بھاگے البتہ ایک افسر خرزاد نے تھوڑی سی مزاحمت کی لیکن مسلمانوں نے بہت جلد اسے مغلوب کر لیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا طاری تھا کیونکہ یزدگرد پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا تھا جُمعہ کا وقت قریب تھا، ایوانِ کسریٰ میں تختِ شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نمازِ جُمعہ ادا کی، یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمین عراق میں پڑھا گیا۔

یہاں دو تین دن ٹھہر کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم سے خزانہ شاہی کی دولت اور تاریخی نوادرات جمع کیے گئے، ان نوادر میں نوشیرواں کا ملبوسِ شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا، مالِ غنیمت حسب قاعدہ تقسیم کر کے پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں بھیجا گیا، فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے نوشیرواں کا ملبوس ایک شخص محلم کو پہنایا گیا، جس وقت اس نے اس لباس کو زیب تن کیا، اور تاجِ زرنگار سر پر رکھا تو جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور انقلاباتِ زمانہ کا نہایت عبرتناک منظر سامنے آ گیا، فرشِ بہار، سلاطینِ عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا جس پر بیٹھ کر وہ موسم بہار میں شراب پیا کرتے تھے، سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رکھا جائے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصرار سے اس پر بھی خزاں آ گئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا، (اللہ بس باقی ہوس)

جلولا کا معرکہ ۱۶ھ:

مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیوں نے جلولا کو اپنا مرکز بنایا، رستم کے بھائی خرزاد نے اپنے حسن تدبر سے ایک زبردست فوج جمع کر لی اور شہر کے گرد خندق کھدوا کر اس کے دفاع کو ہر طرح مضبوط کرلیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولا روانہ کیا، انہوں نے وہاں پہنچ کر محاصرہ کرلیا لیکن اس کی تسخیر میں کئی ماہ لگ گئے، اس دیر کی وجہ یہ تھی کہ اولاً جلولا نہایت مستحکم مقام تھا، دوسرے یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا، بہر کیف اس کے مفتوح ہونے پر تین کروڑ کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور ایک لاکھ ایرانی مقتول ہوئے۔ (تاریخ طبری حصہ سوم، فتوح الشام)

حلوان پر قبضہ:

جلولا کی فتح کے بعد ایک جمعیت حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت حلوان کی طرف بڑھی، یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا، جونہی اسے اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی فوراً رے بھاگ گیا۔ اس کے جانے کے بعد حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ حلوان پہنچے اور خسرو وشنوم کو شکست دے کر حلوان پر قبضہ کرلیا، حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے یہاں قیام کیا اور منادی کرادی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کرلیں گے وہ مامون ومحفوظ رہیں گے، اس اعلان پر بہت سے اُمراء ورؤسا برضا ورغبت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے، حلوان کی فتح عراق کی آخری فتح تھی کیونکہ یہاں اس کی حد ختم ہوجاتی ہے۔

جزیرہ پر قبضہ:

عراق کے زیر نگیں ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے، آپ فرمایا کرتے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ (ایرانی) ہم پر حملہ کر سکتے اور نہ ہم ان پر لیکن عراق کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کر سکتے تھے چنانچہ سب سے پہلے اہلِ جزیرہ نے ہتھیار سنبھالے کیونکہ ان کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی تکریت میں نہایت زبردست اجتماع ہوا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ایران پر فوج کشی کے بارہ میں چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیالات کا علم تھا اس لئے انہوں نے تمام حالات لکھ کر دربارِ خلافت میں بھیجے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے ان حالات میں مقابلہ کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا اس لئے آپ نے حضرت عبداللہ بن غنم رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا۔

تکریت پر قبضہ:

اس حکم پر حضرت عبداللہ بن غنم رضی اللہ عنہ پانچ ہزار کی جمعیت کے ساتھ تکریت کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کر لیا، ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک محاصرہ جاری رہا اور اس دوران میں چوبیس حملے ہوئے، لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی چونکہ ایرانیوں کے ساتھ تھے اس لئے کامیابی نہ ہوتی تھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عربوں کے پاس خفیہ نامہ و پیغام بھیج کر انہیں اپنے ساتھ ملا لیا، اس کے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو عقب سے عرب حملہ آور ہو گئے، جس کے نتیجہ میں ایرانی دونوں طرف سے گھر کر پامال ہو گئے اور تکریت پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اس کے بعد چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی ۱۷ھ میں جب عراق و شام کی

طرف سے اطمینان ہوگیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جزیرہ پر فوجیں بھیجنے کا حکم دیا۔ اس دفعہ حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ اس مہم پر مامور ہوئے، اُنہوں نے جزیرہ ایک سرے سے دُوسرے سرے تک زیرنگین کرلیا۔

خوزستان:

عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے یہاں ایک اسلامی شہر بصرہ آباد ہوچکا تھا جس کے حاکم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تھے چونکہ بصرہ کا سرحدی علاقہ خوزستان ابتک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا اس لئے بصرہ میں امن و امان قائم کرنے کے لئے اس کی تسخیر ضروری تھی، چنانچہ ۱۶ھ میں بصرہ کے والی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اہواز پر حملہ کیا، یہاں کے رئیس ہرمز نے ایک مختصر سی رقم دے صلح کرلی، ۱۷ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ معزول ہوگئے اوران کی جگہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اس انقلاب میں اہواز کا رئیس باغی ہوگیا اور سالانہ رقم دینا بند کردی اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے لشکرکشی کی اور ہرمز کو شکست دے کر اہواز پر مستقل قبضہ کرلیا، مالِ غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بنا کر تقسیم کئے گئے، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے لکھ کر بھیجا کہ سب رہا کردئے جائیں چنانچہ سب چھوڑ دئے گئے۔

حضرت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اہواز کے بعد سوس فتح کیا اور اس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کرلیا، اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کرلی، یزدگرد اس وقت خاندانِ شاہی کے تمام ارکان کے ساتھ قم میں مقیم تھا اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کی خبریں اس کو برابر مل رہی تھیں امیر ہرمزان نے یزدگرد کی خدمت میں جا کر درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس میری حکومت میں

دے دیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا یزدگرد نے اسی وقت فرمانِ حکومت عطا کر کے ایک فوج بھی اس کے ساتھ کردی ہرمزان پروانہ شاہی کے ساتھ خوزستان کے صدر مقام شوستر آیا اور جنگی استحکامات دُرست کر کے ایک عظیم الشان جمعیت فراہم کرلی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو آپ نے دربارِ خلافت کو اطلاع دے کر اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مدد مانگی، امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والئ کوفہ کو حکم بھیجا کہ وہ کوفہ کی فوجیں لے کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مدد کو روانہ ہو جائیں ادھر حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی ایک بڑی فوج لے کر آگئے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس سازو سامان کے ساتھ شوستر کا رُخ کیا اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا، بہت سے مسلمان شہید ہوئے لیکن آخر وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہوگیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، ایک عرصہ تک محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی ایک دن اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا جس کے ذریعہ سے اشرس نامی ایک عرب خفیہ راستہ سے شہر میں داخل ہو کر تمام راستے دیکھ آیا، پھر دو سو جانبازوں کو ساتھ لے کر اسی تہہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے تک پہنچا اور پہرہ داروں کو قتل کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے ادھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے چنانچہ دروازے کھلنے کے ساتھ ہی تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑگئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا ''میرے ترکش میں۔اب بھی سو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں

ہو سکتا، تاہم میں اس شرط پر اُتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہو مجھے قبول ہوگا"۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے منظور کیا اور ہرمزان کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، ہرمزان یہاں پہنچ کر مسلمان ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا، شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا جس کی فتح کے ساتھ ہی خوزستان کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔ (فتوح الشام)

عراق عجم پر فوج کشی اور معرکہ نہاوند:

یزدگرد اس وقت مرو میں تھا جب اسے خوزستان پر مسلمانوں کے قبضہ اور ہرمزان کی گرفتاری کی خبر ملی؟ ابتک ایرانی سمجھتے تھے کہ عربوں کا سیلاب سرحد پر آ کر رُک جائے گا لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو نظر آیا کہ یہ سیلاب سارے ایران کو بہا کر لے جائے گا چنانچہ یزدگرد نے مرو کو مرکز بنا کر نئے سرے سے حکومت کا نظم ونسق دُرست کیا اور اپنے لوگوں کو اس قدر اُبھارا کہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کی مزاحمت کے لئے جمع ہو گئی یزدگرد نے ایران کے مشہور بہادر مردان شاہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا اور ایران کا تاریخی علم درفشِ کادیانی و ظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا ساتھ کر دیا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والئی کوفہ کے ذریعہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان تیاریوں کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ خود اہل حرم کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلئے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی اور کہا کہ اگر آپ خود جائیں گے تو اندرُون ملک بغاوت بپا ہو جائے گی، آپ تمام ممالکِ محروسہ کی ایک ایک تہائی فوج کی ایک مرکز پر جمع

ہونے کا حکم دیجئے۔ (تاریخ اسلام ندوی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مشورہ کے مطابق فوجیں جمع کر کے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت انہیں نہاوند روانہ کیا۔

مورخین نے اس لشکر کی تعداد تیس ہزار لکھی ہے بہرکیف حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے نہاوند پہنچ کر چند میل ادھر منزل کی اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر ایرانی لشکر میں بھیجا، اثنائے گفتگو میں مردان شاہ نے ایسا رویہ اختیار کیا جو حد درجہ ناپسندیدہ تھا، لہذا سفارت ناکام رہی اور فریقین میں جنگ چھڑ گئی دونوں لشکر اس شدت سے سرگرم پیکار ہوئے کہ قادسیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی مسلمان اس ثبات و پامردی سے لڑے کہ ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، ان کے بعد ان کے بھائی حضرت نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لے کر اُسی زور وشور کے ساتھ جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کر کے ہزاروں ایرانیوں کو تہہ تیغ کر دیا، اس جنگ میں تیس ہزار عجمی ہلاک ہو گئے اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ اس سروسامان کے ساتھ پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی جرات نہ ہو سکی۔ عرب مورخین نے نتائج کے لحاظ سے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا ابولولو فیروز جس کے ہاتھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت مقدر تھی، اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کئی مہینوں سے نہایت بیقراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا جب قاصد فتح کا مژدہ اور کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لیے ہوئے پہنچا تو آپ کو بڑی مسرت ہوئی لیکن جب حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی

شہادت کی خبر سُنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے اور جواہرات فروخت کر کے فوج میں تقسیم کرا دئے۔ (فتوح الشام)

ایران پر عام لشکر کشی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرزمین ایران کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے تھے، لیکن عراق ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ایرانی چین سے بیٹھتے تھے اور فوجیں جمع کر کے مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دیتے تھے، امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اس بات پر بڑا تردد تھا اور آپ ان بغاوتوں کو رعایا کے ساتھ مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ اُن مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات میں شریک تھے اس کا اظہار بھی کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں جس کے باعث وہ باغی ہو جاتے ہیں، حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے اس صورتِ حال کی توضیح کرتے ہوئے عرض کیا کہ جب تک تختِ کیانی کا وارث سر زمین ایران پر موجود رہے گا بغاوت اور جنگ کا فتنہ ختم نہ ہوگا اس لئے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس دانشمندانہ رائے کو پسند فرمایا اور ایران پر عام لشکر کشی کا ارادہ کر لیا۔ (فتوح الشام)

اس کے کچھ دنوں بعد ۱۹ھ میں آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کے بعد ایران کے مختلف صُوبوں کے لئے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کئے، حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا، خراسان کی مہم سپرد ہوئی کیونکہ ان دنوں یزدگرد یہاں مقیم تھا، اردشیر اور سابور کا علَم حضرت مجاشع بن مسعود کو، اصطخر کا حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو فسا کا حضرت ساریہ بن رُہم کنانی رضی اللہ عنہ کو، کرمان کا حضرت سہیل بن عدی کو، سیستان کا حضرت عاصم بن

عمر رضی اللہ عنہ کو، مکران کا علم حضرت حکم بن عمیر کو اور آذر بائیجان کا حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا، چنانچہ یہ بزرگ حسب الحکم اپنی اپنی مہمات پر روانہ ہو گئے، ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر بھی آپ نے متعدد افسروں کو مامور فرمایا۔

اصفہان کی فتح:

اس سلسلہ میں سب سے اوّل حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اصفہان پر فوج کشی کی اس کا رئیس اسپیدان، اصفہان کے علاقہ میں فوجیں لئے موجود تھا مقدمۃ الجیش کی کمان ایک پرانے اور تجربہ کار بہادر شہر یار کے ہاتھوں میں تھی، اسلامی لشکر کے پہنچنے پر فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہوئے شہر یار نے مبارز طلبی کی، حضرت عبداللہ مقابلہ پر آئے شہر یاران کے ہاتھ سے قتل ہو گیا، اس کے ساتھ ہی جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور اسپیدان نے صلح کر لی۔

ہمدان کی بغاوت:

حضرت نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ ہمدان فتح کر چکے تھے، ۲۲ھ میں یہاں بغاوت ہوئی، حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے بغاوت کچل کے شہر ہمدان کا محاصرہ کر لیا، اہل شہر نے صلح کر لی لیکن جب قرب و جوار کے رئیس اپنی اپنی فوجیں لے کر اہل ہمدان کی مدد کے لئے پہنچے تو انہوں نے صلح توڑ دی۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ مقابلہ کے لئے نکلے، وادی رود میں ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں نے شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی، اسی سنہ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے قزوین اور زنجان فتح کئے۔

رے وغیرہ کی فتح:

اس معرکہ کے بعد حضرت نعیم رضی اللہ عنہ رے پہنچے، یہاں کے حاکم سیاوش

نے جو بہرام چوبین کا پوتا تھا، دُوسرے صوبوں کے اُمراء سے مدد طلب کی، یہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچے، لیکن رے کا ایک رئیس زینبی، جو کسی بات پر سیاوش سے برہم تھا، حضرت نعیم رضی اللہ عنہ سے مل گیا اور حسنِ تدبّر سے رے پر مسلمانوں کا قبضہ کرادیا، یہاں مسلمانوں کو کو تقریباً مدائن کے برابر مالِ غنیمت ملا، حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے زینبی کو اس خدمت کے صلہ میں رے کی حکومت عطا کی اور یہیں سے اپنے بھائی سوید کو بھیج کر قومس پر قبضہ کرایا۔

طبرستان کی فتح:

قومس کے بعد چونکہ طبرستان کی سرحد شروع ہوتی ہے اس لئے اب طبرستان کی باری تھی، لیکن مسلمانوں کی پیشقدمی سے پہلے ہی سرحدی علاقے کے باشندوں نے از خود صلح کرلی، اس صلح میں چونکہ اندرُونی علاقہ شامل نہ تھا اس لئے حضرت نعیم رضی اللہ عنہ اندرُونِ ملک جرجان کی طرف بڑھے اور بسطام پہنچ کر جرجان کے حاکم زرمان سے نامہ و پیام کیا اس نے جزیہ کی شرط پر مصالحت کرلی، اس کے ساتھ ہی طبرستان کے رئیس نے بھی اطاعت قبول کرلی اور ۲۲ھ میں طبرستان کا پورا علاقہ مطیع ہوگیا۔

آذر بائیجان کی فتح:

اُوپر گزر چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کو آذر بائیجان کی مہم پر مامور کیا تھا، ان کے ساتھ حضرت بکیر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ دونوں آذر بیجان کے مختلف حصوں سے علیحدہ علیحدہ بڑھے، کوہستان جرمیدان میں آذر بائیجان کے حاکم اسفند یار کا جو وادی رود کی مہم سے ناکام واپس آرہا تھا، حضرت بکیر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سامنا ہوگیا چونکہ اسفند

یار شکست خوردہ آرہا تھا، اس لئے حضرت بکیر رضی اللہ عنہ نے آسانی سے اسے گرفتار کرلیا، اس کی ہمت پست ہوچکی تھی، اُس نے حضرت بکیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا چاہتے ہو صلح یا جنگ؟ حضرت بکیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، صلح، اُس نے کہا، اگر صلح چاہتے ہو تو مجھے اپنے پاس روکے رکھو، اس دوران میں حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی سمت فتح کرلی اور حضرت بکیر رضی اللہ عنہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لئے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد اسفند یار کا بھائی بہرام عقب کی طرف سے بڑھا لیکن حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے اسے شکست دے دی، اس کی شکست کے بعد اسفند یار نے جو حضرت بکیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہا کہ اب جنگ ختم ہوگئی، اور پھر اس نے مصالحت کرلی، اس طرح آذر بائیجان کا پورا علاقہ مطیع ہوگیا، بلاذری کے بیان کے مطابق آذر بائیجان کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ (تاریخ طبری حصہ سوم، فتوح البلدان)

آرمینیہ کی فتح:

آذر بائیجان کے بعد آرمینیہ کا علاقہ تھا، اس پر شام کی فوج کشی کا سلسلہ میں ۱۷ھ میں حملہ ہوا تھا، لیکن فتح نہیں ہوسکا تھا، اس لئے جن دنوں آذر بائیجان میں جنگ چھڑی ہوئی تھی انہی دنوں حضرت سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن نے دوبارہ آرمینیہ پر فوج کشی کی، اسی اثنا میں حضرت بکیر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی آذر بائیجان سے فراغت کے بعد آرمینیہ پہنچ گئے، حضرت عبدالرحمٰن اس وقت باب میں خیمہ زن تھے آرمینیہ کا ایرانی حاکم شہر یار اہل آرمینیہ کو بہت ذلیل سمجھتا اور اُن سے کسی قسم کی ہمدردی نہ رکھتا تھا چنانچہ وہ حضرت عبدالرحمٰن کے پاس آیا اور کہا کہ تم لوگ میری قوم اور ملک کو فتح کرچکے ہو اس لئے میں بھی تمہارا مطیع

و مددگار ہوں، لیکن اتنی درخواست ضرور ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور آرمینیوں کے مقابلہ پر کمزور نہ کرو، اس کی درخواست سن کر حضرت عبدالرحمٰن نے اسے حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا، انہوں نے کہا کہ جزیہ تو اُن کے لئے ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے، پھر اس کی درخواست منظور کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی، آپ نے بھی اس فیصلہ پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔

باب سے فراغت کے بعد حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بکیر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو موقان اور حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو معہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے کوہستانِ لان کی طرف روانہ کیا حضرت بکیر رضی اللہ عنہ نے اہل موقان کو مطیع بنایا اور حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ رضی اللہ عنہ صوبہ خزر کی طرف بڑھے اور اس کے پایہ تخت کے قریب مقامِ بیضاء تک بڑھتے چلے گئے۔

فارس:

فارس پر فوج کشی کے لئے درمیان میں دریا پڑتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو دریا کے خطرات میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے پھر بھی ایک اُولو العزم جانباز حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ والئ بحرین نے ۱۷ھ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا، لیکن اس حملہ میں انہوں نے سخت نقصان اُٹھایا، لشکر اسلام کو بڑا حصہ برباد ہو گیا اور جو باقی بچا اُسے اہل فارس نے گھیر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صورتِ حال کا علم ہوا۔ تو آپ کو سخت رنج ہوا اور فوراً حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو لکھ کر مدد کے لئے بھیجا، انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقیماندہ مسلمانوں کو بچایا۔

اس کے بعد جب ایران پر عام فوج کشی ہوئی تو حضرت ساریہ بن رہم

کنانی رضی اللہ عنہ ۲۳ھ میں فارس کی طرف بڑھے اہل فارس اس وقت میں جمع تھے لیکن مسلمانوں نے ادھر توجہ نہ کی اور اسی سمت بڑھتے چلے گئے جو ان کے لئے متعین کردی گئی تھی، اس بناء پر اہل فارس اس وقت بھی توج سے منتشر ہوگئے چنانچہ مجاشع بن مسعود سابور اور اردشیر خرہ کی طرف بڑھے، توج میں اہل فارس سے مقابلہ ہوا اور اسے مسلمانوں نے فتح کرلیا دوسری طرف حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اصطخر کی طرف بڑھے اور جور کے مقام پر یہاں کے باشندوں کو شکست دے کر جور اور اصطخر پر قابض ہوگئے، اور پھر گازورون، تو بند جان، شیراز، ارجان وغیرہ فارس کے بڑے حصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری عہدِ خلافت میں یزدگرد کے اشارے پر فارس میں بغاوت ہوگئی جس کے نتیجہ میں بہت سے مفتوح مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے، لیکن حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے فارس کے مرزبان شہرک کو تہہ تیغ کر کے بغاوت پر قابو پالیا۔

فارس کے بعض مقامات فسا اور دارا بجرد وغیرہ رہ گئے تھے، حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ ان دوشہروں کی مہم پر روانہ ہوئے، اور ایرانیوں کی چھاؤنی کے قریب پہنچ کر اتر پڑے اور اس کا محاصرہ کرلیا محاصرے نے طول کھینچا تو ایرانیوں نے کر دوں سے مدد طلب کی اور ہر طرف سے ہجوم کر کے ان کے پاس پہنچنے لگے۔ یہاں تک کہ اتنی طاقت فراہم ہوگئی کہ ان کے مقابلہ پر مسلمانوں کی تعداد کچھ نہ تھی، تاہم حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کی ہمت وشجاعت نے یہ معرکہ بھی سر کرلیا اور فسا اور دارا بجرد پر قبضہ ہوگیا۔

کرمان کی فتح:

کرمان کی فتح پر حضرت سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ مامور ہوئے تھے، فارس

کے بعد کرمان کا صوبہ سامنے تھا چنانچہ ۲۳ ھ میں ایک فوج لے کر جس کا ہراول دستہ حضرت بشیر بن عمرو العجلی کی ماتحتی میں تھا، کرمان پر حملہ آور ہوئے، اہل کرمان قفس وغیرہ کی امداد لے کر مدافعت کے لئے نکلے لیکن شکست کھائی اور یہاں کا مرزبان میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا اس کے قتل کے بعد اسلامی فوجیں کرمان کے مرکزی مقامات جیرفت اور سیر جان تک بغیر کسی روک کے بڑھتی چلی گئیں اور بے شمار اُونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔

سیستان کی فتح:

یہ ملک حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے فتح ہوئی حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی فوج کشی کے دوران اہل سیستان مقابلہ کے لئے بڑھے مگر شکست کھائی، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ زرنج پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا اور دریا کا بند کھول دیا، جس سے سارے سیستان میں سیلاب آگیا، اہل سیستان نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے، مسلمانوں نے منظور کیا اور اس شرط کا اس قدر لحاظ رکھا کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو نہ جائے اس ملک پر قبضہ ہو جانے کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جتنے ممالک تھے ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

مکران کی فتح:

سیستان، ایران کی آخری حد ہے، اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اس لئے ایران کی سرزمین سے نکل کر اسلامی پرچم ہندوستان کی حدود کی طرف بڑھا، اس مہم میں حضرت حکم بن عمرو تغلبی رضی اللہ عنہ مامور ہوئے تھے چنانچہ آپ

۲۳ھ میں مکران کی طرف روانہ ہوئے اور نہر مکران کے اس طرف فوجیں اُتاریں، یہاں کا حکمران راسل سندھ کے حکمران کی مدد لے کر مقابلہ پر آیا لیکن ایک خونریز جنگ کے بعد اسے شکست ہوئی اور مکران پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

حضرت حکم بن عمرو نے صحار عبدی کو نامہ فتح اور مال غنیمت جس میں چند ہاتھی بھی تھے، دے کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، آپ نے ان سے مکران کا حال پوچھا اس پر صحار عبدی نے عرض کیا کہ:۔

اَرضٌ سَهلُهَا جَبَلٌ وَمَاءُ هَا وَشَلٌ وَثَمرُهَا وَقَلٌ وَعَدُوُّهَا

بَطَلٌ وَخَيرُهَا قَلِيلٌ وَشَرُّهَا طَوِيلٌ وَالكَثِيرُ بِهَا قَلِيلٌ.

(الفاروق)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام؟ اُنہوں نے کہا "واقعی حالات بیان کر رہا ہوں"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھیانک نقشہ سن کر حضرت حَکَم کو لکھ بھیجا کہ آگے پیشقدمی روک دی جائے چنانچہ مشرق میں فتوحاتِ فاروقی رضی اللہ عنہ کی آخری حد یہی مکران (صوبہ بلوچستان) ہے، لیکن مورّخ بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ دیبل (موجودہ کراچی شہر) تک اسلامی فوجیں پہنچ گئی تھیں اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد ہی میں اسلام کا قدم ہندوستان میں پڑ چکا تھا۔ (فتوح البلدان)

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ:

ان فتوحات کے دوران میں خاندان کیانی کا آخری تاجدار یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں مقیم تھا مقدس آگ ساتھ تھی اور وہ یہاں سے ہی بیٹھے بیٹھے ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا، چنانچہ حضرت احنف بن

قیس رضی اللہ عنہ جو خراسان کی مہم پر مامور تھے، ۲۲ھ میں خراسان کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرنے کے بعد یزدگرد کے مستقر مروشاہجہان کا رُخ کیا اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا، یزدگرد نے جب حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو مروشاہجہان کی طرف بڑھتے دیکھا تو مروالروز چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی، حضرت احنف رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ فوراً مروالروز پہنچ گئے یزدگرد یہاں سے نکل کر بلخ چلا گیا، حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے تعاقب کیا یزدگرد شکست کھا کر تاتاری علاقہ میں نکل گیا، حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے بلخ پر قبضہ کر کے خراسان کے سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں۔ اس طرح چند دنوں کے اندر نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔

یزدگرد، ایران سے بھاگ کر جب خاقان کے دربار میں پہنچا تو اُس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان کی طرف بڑھا، حضرت احنف رضی اللہ عنہ اس وقت مروالروز میں تھے خاقان نے یہاں پہنچ کر حضرت احنف رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں صف آرائی کی، ایک دن خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل ودمامہ بجاتے ہوئے نکلے، حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے تینوں کو قتل کر دیا جس سے خاقان کا عزم و استقلال متزلزل ہو گیا اس نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں اور دُوسروں کے لئے ایسے بہادروں کو چھیڑنا مصلحت نہیں، چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دیا۔ اور اپنی حدود میں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کو جب خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی تو اُس نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کے خزانہ اور کل موروثی دولت سمیٹ ترکستان جانے کا عزم کیا

درباریوں نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے اُسے روکا لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لے جانے پر اصرار کیا، اس پر درباریوں نے تمام مال واسباب اس سے زبردستی چھین لیا، یزدگرد بے سروسامانی کی حالت میں خاقانِ چین کے پاس پہنچا اور خدا کی نافرمانی کے باعث مدّتوں فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا۔

یزدگرد کے ملک بدر ہو جانے کے بعد ایرانیوں نے حضرت احنف رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر صلح کر لی اور تمام خزانہ ان کے حوالے کر دیا، مسلمانوں نے بھی اس کے صلہ میں ان لوگوں سے ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور نہایت فارغ البالی اور آرام وسکون سے رہنے لگے۔

فتح پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خطبہ:

حضرت احنف رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں نامہ فتح روانہ کیا حضرت فارُوق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو جمع کر کے فتح کا مُژدہ سُنایا اور اس موقع پر ایک موثر تقریر کی، آخر میں فرمایا:۔

"آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی، اب ان کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے پاس نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کا ملک اور ان کی دولت کا تم کو اس لئے وارث بنایا ہے کہ تم کو آزمائے، اس لئے تم اپنی حالت نہ بدلو، ورنہ خدا تمہاری جگہ دُوسری قوم کو بدل دے گا"۔(یہ تفصیلات الفاروق اور تاریخ اسلام ندوی سے ماخوذ ہیں)

فتوحاتِ شام:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آغازِ ۱۳ھ میں شام پر کئی اطراف سے

لشکر کشی کے لئے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو حمص پر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق پر، حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ کو اُردن پر اور حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین پر مامور کیا تھا، مسلمان فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی، جب یہ افسر عرب کی سرحد سے نکلے تو قدم قدم پر انہیں رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے، ان کے علاوہ قیصر رُوم نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلہ پر بھیجیں، اس پر اسلامی افسروں نے کل فوج کو ایک مقام پر جمع کرنے پر اتفاق کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مزید کمک بھیجنے کے متعلق لکھ بھیجا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جو عراق کی مہم پر متعین تھے۔ دمشق پہنچنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے ہوئے دمشق پہنچے، اور اس کو صدر مقام قرار دے کر وہاں قیام کیا قیصر نے ایک فوجِ گراں مقابلہ کے لئے بھیجی جس نے اجنادین پہنچ کر لڑائی کی تیاریاں شروع کیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ خود پیش قدمی کر کے اجنادین کی طرف بڑھے اور دیگر افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آ کر ملیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر حملہ کیا اور ایک خونریز معرکہ کے بعد فتح حاصل کر لی، پھر دمشق کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر محاصرہ کر لیا، یہ محاصرہ ابھی جاری تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ختم ہوگیا اور اس کی فتح عہد فاروقی میں عمل میں آئی۔ (فتوح الشام)

فتح دمشق:

دمشق کی فتح کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ دورانِ محاصرہ دمشق کے

بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ اہل شہر نے اس خوشی کے موقع پر جشن منایا خوب شرابیں پییں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ ہوئی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر خبریں لیا کرتے تھے، چنانچہ جب انہیں اہل شہر کی اس بے خبری کی اطلاع ہوئی تو چند جانباز لے کر کمندوں کے ذریعہ شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اُتر گئے اور محافظوں کو تہ تیغ کر کے پھاٹک کھول دیے، مسلمان جو باہر انتظار میں تھے اکٹھے ہو کر شہر میں داخل ہو گئے، اہل شہر اس ناگہانی آفت سے ایسے بوکھلائے کہ انہیں کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کریں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شہر کی دُوسری سمت متعین تھے، یہ لوگ اُن کے پاس پہنچے اور صلح کی درخواست کی، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو چونکہ صورتِ حال کا علم نہ تھا اس لئے صلح کر لی، چنانچہ شہر کی ایک سمت سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے خالد رضی اللہ عنہ فاتحانہ، لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ مصالحت کر چکے تھے اس لئے دمشق کی فتح کو مصالحانہ قرار دے کر اہل دمشق کی جان و مال سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

اُردن کی فتح معرکہ فحل:

رُومی، دمشق کی فتح سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اُردن کے مقام بیسان میں آ کر خیمہ زَن ہوئے، مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاوَ ڈالا عیسائیوں کی درخواست پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سفیر بن کر گئے مگر مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی اور ماہ ذیقعد ۱۴ھ میں جنگ شروع ہوگئی کئی خونریز معرکوں کے بعد عیسائیوں نے شکست فاش کھائی اور مسلمان اُردن کے پورے صوبہ پر قابض ہو گئے، رعایا ذمی

قرار دی گئی اور ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ "مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی، صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائے گی"۔ (فتوح الشام)

حمص وغیرہ کی فتح:

دمشق اور اُردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے اس لئے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا یہاں حکومت کی کوئی فوج نہ تھی پھر بھی اہل حمص نے حکومت کی امداد کی اُمید پر چند دنوں تک مدافعت کی لیکن چونکہ مسلمانوں نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا اس لئے شہر والوں نے مایوس ہو کر آخر کار صلح کر لی، حمص کے محاصرہ کے دوران حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حماۃ، شیراز اور معرۃ النعمان جیسے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لئے، چنانچہ اس کی تسخیر کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو یہاں متعین کیا اور خود لاذقیہ روانہ ہو گئے، یہ اگرچہ نہایت مستحکم و مضبوط شہر تھا تاہم حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاص تدبیر سے اسے فتح کر لیا اور پھر ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے اس لئے رُک جانا پڑا۔

میدان یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ:

دِمشق، اُردن، حمص اور لاذقیہ کی فتوحات نے رُومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا، اُنہوں نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام پامال کر دیا اور کوئی طاقت انہیں روکنے والی نہیں، ہرقل نے چند معزز اور صاحبِ رائے

لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ کہ عرب تم سے ہر چیز میں کم ہونے کے باوجود فتح حاصل کرتے جارہے ہیں؟ اس کے جواب میں سب نے سر جھکالیا، تاہم ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ عربوں کا اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھا ہے وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے اور آپس میں برابری سے رہتے ہیں، لیکن ان کے مقابلہ پر ہمارا یہ حال ہے کہ ہم شراب پیتے، بدکاریاں کرتے اور دُوسروں پر ظلم کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش واستقلال ہوتا ہے اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہیں۔

قیصر نے مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور اس کے مقابلہ پر رُومیوں کی بیچارگی سے دل برداشتہ ہو کر شام چھوڑ کر قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) جانے کا قصد کیا لیکن جوق در جوق بیکس و درماندہ رُومیوں کی فریاد سن کر اسے غیرت آگئی اور وہ پوری طاقت سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا، چنانچہ تمام ممالکِ محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے فرامین جاری کر دئے رومی پہلے ہی جذبہ انتقام سے سرشار ہو رہے تھے، قیصر کے فرامین نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور انطاکیہ پر فوجوں کا طوفان اُمڈ آیا۔

مسلمانوں کی تیاریوں:

ادھر مسلمان بھی رُومیوں کی ان پر جوش تیاریوں سے بے خبر نہیں تھے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوج کے افسروں سے مشورہ کیا سب نے مختلف آراء پیش کیں، آخر میں یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجیں ایک جگہ جمع کر لی جائیں چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا تھا سب واپس کر دیا گیا کیونکہ مسلمان اب ان کی حفاظت سے مجبور تھے اس واقعہ سے عیسائی اور یہودی

اس درجہ متاثر ہوئے کہ سب رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دُعائیں کرتے تھے۔

دمشق میں اجتماع کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان تازہ حالات کی اطلاع بھجوائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے مفتوحہ مقامات سے مسلمانوں کے ہٹ آنے کی خبر سے بہت رنجیدہ خاطر ہوئے لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسرون کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہوگئی اور فرمایا خدا کی مصلحت اسی میں ہوگی، پھر حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا اور قاصد کو ہدایت کی کہ خود ایک ایک صف میں جا کر زبانی یہ پیغام پہنچایا۔

اے برادرانِ اسلام! عمر رضی اللہ عنہ نے بعد سلام کے تم کو پیغام دیا ہے کہ پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ کرو اور دشمن پر شیروں کی طرح، اس طرح حملہ آور ہو کہ وہ تم کو چیونٹیوں سے زیادہ حقیر معلوم ہوں ہم کو یقین کامل ہے کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہے اور آخری فتح تمہارے ساتھ ہے۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

معرکہ یرموک:

اُردن کی حدود میں یرموک کا میدان جنگی ضروریات کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے نہایت موزوں اور باموقع تھا چونکہ اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک نہ تھی اس لئے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے رُومیوں کے مقابلہ کے لئے اسی میدان کا انتخاب کیا اور تمام فوجیں دمشق سے یرموک میں منتقل کردیں رُومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی جبکہ اس کے مقابلہ پر مسلمانوں کی تعداد بیس تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی، لیکن سب کے سب یگانہ روزگار تھے اس فوج کی

اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس میں ایک ہزار بزرگ ایسے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جمالِ اقدس دیکھا تھا ایک سو وہ تھے جنہیں غزوہ بدر میں شرکت کا شرف حاصل تھا باقی مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو شجاعت اور سپہ گری میں اپنی نظیر آپ تھے۔

یرموک کے پہلے مقابلہ میں اگرچہ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا تاہم کوئی نتیجہ نہ نکلا اور جنگ آئندہ کے لئے ملتوی ہوگئی التوائے جنگ کے بعد رُمیوں نے مصالحت کی کوشش کی اور گفتگو کے لئے سفیر طلب کیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا چنانچہ ۵ رجب ۱۵ھ کو دُوسرا معرکہ پیش آیا۔ رُومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے، ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے آگے تھے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام لے لے کر جوش دلاتے تھے، غرض اس جوش و اہتمام کے ساتھ رُومیوں نے حملہ کیا اور دو لاکھ کا ٹڈی دَل ایک ساتھ بڑھا، فریقین میں ایسی خونریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، درمیان میں بعض بعض موقعوں پر مسلمانوں کا بازُو کمزور پڑ گیا لیکن انجام کار ان کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے رُومیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تقریباً ایک لاکھ عیسائی واصل جہنم ہو گئے۔ اور مسلمان کل تین ہزار شہید ہوئے اس شکست نے رُومیوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مژدہ فتح سُنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

یرموک کے معرکہ نے رُومیوں کی قوت پاش پاش کردی تھی اس لئے

مسلمانوں نے بوقا، جومہ، سرمین، توزی، تورس اور دلوک وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح کر لئے، حلب قنسرین اور پایہ تخت انطاکیہ کے رومیوں نے کچھ مزاحمت کی لیکن چونکہ کوئی بڑی طاقت ان کی پشت پر نہ تھی اس لئے بہت جلد اطاعت قبول کر لی۔ (فتوح الشام)

بیت المقدس کی عظیم الشان فتح:

اُوپر گزر چکا ہے کہ فلسطین کی مہم پر حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مامور ہوئے تھے انہوں نے نابلس، لد، عمواس اور بیت جبرین پر قبضہ کر کے ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا اس اثنا میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی یرموک وغیرہ سے فارغ ہو کر ان سے مل گئے۔ عیسائیوں نے چند دنوں تک مدافعت کی لیکن چونکہ ان کی قوت ٹوٹ چکی تھی اس لئے مصالحت پر آمادہ ہو گئے اور اپنے اطمینان کے لئے یہ شرط پیش کی کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود آ کر صلح کا معاہدہ لکھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی، آپ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کے بعد اسے منظور کر لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ (فتوح الشام)

بیت المقدس کا سفر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا آپ کی روانگی کی خبر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور تمام دوسرے مسلمان افسروں کو دے دی گئی تھی انہوں نے مقامِ جابیہ میں آپ کا استقبال کیا مسلمان افسروں کے بدن پر دیبا زحریر کی پر تکلیف قبائیں تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر غصہ

آ گیا اور کنکریاں مار کر فرمایا ”تم نے اتنی جلدی عجمی عادات اختیار کر لیں“ مسلمان افسروں نے قبا کا دامن اُٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں فرمایا تو پھر کچھ مضائقہ نہیں“۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آ گئے تھے چنانچہ یہیں معاہدہ صلح ترتیب دیا گیا اور اس پر تمام معزز صحابہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہو گئے۔

معاہدہ کی تکمیل کی بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس روانہ ہو گئے آپ کا لباس اس قدر فرسودہ اور معمولی حیثیت کا تھا کہ مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے، چنانچہ انہوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی آپ نے فرمایا ”خدا نے جو ہم کو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے“۔

غرض یہی لباس زیب تن کئے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد میں گئے پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی، نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی درخواست کی، لیکن آپ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست اندازی نہ کریں، باہر نکل کر نماز پڑھی۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے اس لئے بیت المقدس میں کئی دن تک قیام رہا ایک دن رسول اللہ ﷺ کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدے کی روٹیاں کھاتے ہیں، لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسروں کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا اُنہوں نے

عرض کیا کہ یہاں سب چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے اس جواب پر ان کو منع تو نہ کر سکے لیکن حکم دے دیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کی درخواست کی، اُنہوں نے کہا کہ میں نے عہد کیا تھا رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ کہوں گا لیکن آج (اور صرف آج) آپ کی خواہش پوری کروں گا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب اذان دینے لگے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کا عہدِ مبارک یاد آ گیا اور سب کی آنکھیں بے اختیار اشک بار ہو گئیں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روتے روتے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہچکی بندھ گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس سے واپسی کے وقت تمام مفتوحہ علاقوں کا دورہ کیا سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور پھر بخیر وخوبی مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ (فتوح الشام)

حمص میں بغاوت:

بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے جزیرہ جو عراق کا حصہ ہے، اس وقت تک فتح نہ ہوا تھا [illegible] شام کی سرحد ملی ہوئی ہے اس لئے جزیرہ کو شام کی فتح کے بعد اپنے ملک کے پاس [illegible] خطرہ دیکھا انہوں نے عیسائیوں کے جذبات سے فائدہ اُٹھانا چاہا اور قیصر روم کو لکھا کہ اگر تم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اُٹھو تو ہم ساتھ دینے کے لئے [illegible] ایک

کثیر تعداد میں فوج حمص روانہ کی ادھر سے اہل جزیرہ بھی تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ شام کی طرف بڑھے، دونوں فوجوں نے مل کر ۱۷ھ میں حمص واپس لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہیں اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی میں بھاگیں کہ مرج الدیباج تک ان کے قدم نہ جمے یہ آخیر معرکہ تھا جس کی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدمی کی جرات نہ ہو سکی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی:

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں سے اہم واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی ہے، عام طور پر مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمامِ خلافت سنبھالتے ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا لیکن صحیح روایات کے مطابق یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔ (الفاروق حصہ اوّل)

نیز اس واقعہ کی تفصیلات میں بھی اختلاف ہے، کہ آخر وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بناء پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کیا گیا تھا، اس ضمن میں قوی تر وجہ وہی ہے جس کا اظہار خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا۔

مورخین کے مطابق معزولی کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مدینہ آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکوہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "خالد رضی اللہ عنہ، واللہ تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں" اور عمال کو لکھ بھیجا کہ "میں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اس لئے میں نے انہیں معزول کر دیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے"۔

مورخین کے بیان کے مطابق جو قاصد معزولی کا حکم لے کر آیا تھا اس

نے بھرے مجمع میں نشانِ معزولی کے طور پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سر سے ٹوپی اُتاری اور ان ہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر صرف اس قدر کہا کہ میں نے اس حکم کو سنا اور مانا اور اب بھی میں افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کے لئے تیار ہوں اس سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی حق پرستی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دبدبہ، دونوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سپہ سالار کو بھرے مجمع میں معزول کیا جاتا ہے لیکن دَم نہیں مارتا، بہرحال اس واقعہ کو قدرے وضاحت کے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا جائے گا یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

طاعونِ عمواس:

۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں، وَبا کا آغاز ۱۷ھ کے آخر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدّت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب خبر پہنچی تو آپ کو بڑا تردّد پیدا ہوا اور آپ خود اس کی تدبیر اور انتظام کے لئے شام روانہ ہوئے لیکن مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وبا کا زور بڑھتا جارہا ہے اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے لوٹ آئے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی بلا بھیجا وہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت شدّت سے اعتقاد رکھتے تھے اس لئے جواب میں لکھ بھیجا کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہوگا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آسکتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ خط پڑھ کر بہت روئے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹادو، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ چلے گئے جو آب ہوا کی خوبی کے لئے مشہور تھا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا اس لئے جابیہ پہنچ کر بیمار ہو گئے جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کر کے نہایت موثر تقریر کی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور انتقال کر گئے وبا کا زور بڑھتا جا رہا تھا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانہ میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اس لئے یہاں سے نکل چلنا چاہیے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ میں مذہب کا نشہ تیز تھا چنانچہ جب انہیں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی رائے کا علم ہوا تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا ''یہ بلا نہیں بلکہ خدا کی رحمت ہے اس میں بڑے بڑے علماء نے انتقال کیا ہے'' یہ تقریر کر کے گھر واپس آئے تو نوجوان بیٹے کو بیمار پایا، وہ دیکھتے دیکھتے فوت ہو گیا مگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے استقلال میں فرق نہ آیا بہر کیف بیٹے کو دفنا کر واپس آئے تو بیمار ہو گئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود داعی اجل کو لبیک کہا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فوراً فوجوں کو پہاڑی مقامات میں بھیج دیا جس سے وباء کا خطرہ جاتا رہا۔

اس وبا سے پچیس ہزار جانیں ضائع ہوئیں ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قومی نقصان کے پیش نظر دوبارہ شام کا سفر اختیار کیا اکثر اضلاع کا دورہ کر کے مناسب انتظامات کئے فوج میں تنخواہیں تقسیم کیں اور متوفی مسلمانوں کے ورثاء کو بلا کر ان کو ترکہ دلایا، سرحدی مقامات پر چھاؤنیاں قائم کیں اور جو جگہیں خالی ہو گئی تھیں ان پر نئے عہدہ دار مقرر کئے، اُن انتظامات سے فارغ ہو کر آپ مدینہ لوٹے تو یہاں ایک اور مصیبت مستعدی سے انتظام نہ کرتے تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوک کا شکار ہو جاتے۔

قیساریہ کی فتح:

طاعونِ عمواس سے پہلے ہی قریب پورا شام مسخر ہو چکا تھا لیکن ایک شہر قیساریہ رہ گیا تھا جو اس زمانہ میں نہایت آباد اور پر رونق تھا اس شہر پر اوّل اوّل ۱۳ھ میں حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے چڑھائی کی مدت تک محاصرہ کئے رکھا مگر شہر فتح نہ ہو سکا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر مقرر کیا وہ سترہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ وہاں پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا لیکن ۱۸ھ میں جب بیمار ہوئے تو اپنے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑے سرو سامان کے ساتھ محاصرہ جاری رکھا تاہم شہر فتح نہ ہو سکا، ایک دن یوسف نامی ایک یہودی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں ایک سرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک چلی گئی تھی، چند بہادروں نے اس سرنگ کے راستے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا، اسلامی لشکر دھاوا کر کے شہر میں داخل ہو گیا اور کشتوں کے پشتے لگا دئے، چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اس لئے اس کے مفتوح ہونے کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

مصر کی فتوحات:

شام کے زیر نگین ہونے کے بعد اس کے اہم سرحدی ملک مصر پر لشکر کشی ہوئی اس فتح کا سہرا تمام تر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سر ہے آپ ظہور اسلام سے قبل بسلسلہ تجارت مصر آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ سے مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی، اس کے علاوہ دُوسری وجہ یہ تھی کہ مصر کی قبطی

حکومت قیصر رُوم کے ماتحت تھی اس لئے شام کے اندر یا اس کے سرحدی علاقوں میں قبطیوں کے ذریعہ شورش بپا کرانے کا خدشہ ہر وقت موجود تھا اس بناء پر شام کی حفاظت کے لئے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ۲۱ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے باصرار اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ ہوئے عریش کے راستے فرما پہنچے یہاں کی رُومی فوجوں نے روکا لیکن شکست کھائی یہاں سے نپٹ کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بلبیس اور ام دنین پر قبضہ کیا اور پھر فسطاط کی طرف بڑھے۔

فسطاط کا محاصرہ اور فتح:

فسطاط اس زمانہ میں غیر آباد تھا تاہم یہاں حکومت مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں رُومی فوجیں رہا کرتی تھی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کرلیا لیکن چونکہ مصریوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امدادی فوج کے لئے لکھا، امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ بن مُخلا (رضی اللہ عنہم) کو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ بھیجا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو ان کے رُتبے کے لحاظ سے افسر بنایا، کامل سات ماہ تک محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ تھے فصیل پر پہنچ کر اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ عیسائی اس خیال سے کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے ہیں بدحواس ہو کر بھاگنے لگے اسی اثناء میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فصیل سے نیچے اُتر کر قلعہ کا پھاٹک کھول

دیا اور لشکرِ اسلام اندر داخل ہو گیا مقوقس والئی مصر نے صلح کر لی قیصرِ رُوم کو جب اس مصالحت کی خبر ہوئی تو اس نے ایک لشکر گراں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے قسطنطنیہ (موجودا استنبول ترکی) سے اسکندریہ روانہ کیا۔

اسکندریہ کی فتح:

فسطاط کی تسخیر کے بعد ۲۱ھ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ کی طرف بڑھے راستہ میں رُومیوں اور قبطیوں نے قدم قدم پر اسلامی لشکر کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی مگر مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ مقام کریون میں پہنچ گئے جہاں عیسائی لشکر سے نہایت خونریز معرکہ ہوا تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اس کے بعد پھر کسی نے راستہ روکنے کی جرات نہ کی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا مقوقس والئی مصر اگرچہ مصالحت پر قائم تھا تاہم قیصرِ رُوم کے خوف سے بظاہر مقابلہ پر ڈٹا رہا لیکن خفیہ طور پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے طے کر لیا کہ چونکہ وہ اور اس کی قوم اس جنگ میں دل سے شریک نہیں ہیں اس لئے قبطیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے، بہرکیف اس خفیہ معاہدہ کے تحت قبطیوں نے مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔

اسکندریہ کا محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جا رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی چنانچہ آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش و عشرت میں پڑ گئے ہو ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ

کردو"۔ اس خط پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تمام فوج کو ایک جگہ جمع کر کے خطبہ پڑھا اور ایسی موثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے پھر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسی وقت حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے ذریعہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوشخبری بجھوائی جسے سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ (فتوح الشام)

متفرق فتوحات:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ فتح کرنے کے بعد واپس فسطاط آ گئے اب اگرچہ اب مصر میں کوئی اہم مقام باقی نہ رہ گیا تھا تاہم مصر کے چھوٹے چھوٹے مقاموں میں رومی پھیلے ہوئے تھے چنانچہ اس خیال سے کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہے آپ ادھر متوجہ ہوئے اور حضرت خارجہ بن حذافہ عدوی اور حضرت عمر بن وہب کو ان اضلاع پر مامور کیا خارجہ نے فیوم اشمونین، اخیم سرادات اور معید وغیرہ کو مطیع بنایا حضرت عمرو بن وہب نے تینس، دمیاط، تونہ، و میرہ وقہلہ اور شطا وغیرہ کو مسخر کیا اور حضرت عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا اس طرح چند دنوں کے اندر پورا مصر زیر نگیں ہو گیا۔

طرابلس الغرب کی تسخیر:

مصر کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے شمالی افریقہ کا رخ کیا اور برقہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، اہل شہر نے جزیہ دے کر صلح کر لی برقہ کی فتح کے بعد حضرت عقبہ بن نافع کو زویلہ بھیجا، یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کر لی پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے طرابلس الغرب پر لشکر کشی کی اور ایک

معمولی جنگ کے بعد وہ بھی فتح ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پورے عروج پر تھی کہ آپ کی شہادت کا حادثہ جانکاہ پیش آیا اس کی تفصیل میں مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا پارسی غلام جس کا نام فیروز اور کنیت ابولولو تھی ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اپنے آقا کی شکایت کی کہ انہوں نے بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے، آپ کم کرا دیں۔ آپ نے پوچھا، کتنا محصول لیتے ہیں۔ اس نے کہا دو درہم روزانہ، پوچھا تم کیا کام کرتے ہو؟ ابولولو نے کہا آہنگری نجاری اور نقاشی فرمایا ان صنعتوں کے مقابلے میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے، اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔

دُوسرے دن (یعنی ۲۶ ذو الحجہ ۲۳ھ کو فجر کی نماز کے وقت خنجر لئے مسجد میں آیا جونہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی ابولولو نے دفعتہً مسلسل چھ وار کیے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا، آپ اس صدمے سے گر پڑے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز تمام کرائی کچھ لوگ ابولولو کو گرفتار کرنے کے لئے بڑھے، اس نے انہیں بھی زخمی کر دیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اُس نے خودکشی کر لی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لوگ اُٹھا کر گھر لائے، آپ نے پہلا سوال یہ کیا کہ میرا قاتل کون تھا؟

لوگوں نے عرض کیا "فیروز" فرمایا الحمد للہ، میرا قاتل مسلمان نہیں ہے"۔ (تاریخ الخلفاء) اس حادثہ سے تمام لوگوں پر ایک مصیبت نازل ہو گئی۔ بعض کہتے تھے کہ کوئی ڈر نہیں ہے (اچھے ہو جائیں گے) بعض کہتے تھے کہ ہم کو خوف معلوم

ہوتا ہے لیکن جب نبیذ پلایا گیا اور وہ شکم سے نکل گیا اور پھر دُودھ بھی شکم میں نہ ٹھہر سکا تو اس وقت عام طور پر یقین ہو گیا کہ اب زندہ نہیں رہ سکتے یہ خبر مشہور ہوئی تو چاروں طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ آئے اور چیخ چیخ کر رونے لگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ تم مجھ پر روتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ رونے پر بعض اقسام کے نوحہ سے عذاب ہوتا ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب زندگی کی کوئی اُمید نہ رہی تو اپنی آخری قیام گاہ کی فکر دامنگیر ہوئی، چنانچہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ:۔

''حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور کہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو سلام کہتے ہیں امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ میں آج مومنین کا امیر نہیں ہوں ان سے کہنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ سے اپنے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں''۔ (سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے وہ رو رہی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، ''یہ جگہ میں نے اپنے لئے تجویز کی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اُوپر ترجیح دُوں گی۔ ''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو آپ نے پوچھا کیا جواب لائے، عرض کی، امیر المؤمنین کی جو تمنا تھی، فرمایا:۔

''خدا کا شکر ہے اس خوابگاہ سے زیادہ میرے لئے کوئی چیز اہم نہ تھی، جب میرا انتقال ہو تو جنازہ اُٹھا کر لے جانا اور سلام کے بعد کہنا عمر بن خطاب اجازت چاہتے ہیں اگر وہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) اجازت دیں تو اندر لے جانا

اور اگر انکار کریں تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا"۔

جانشین:

امیر المومنین کی حالت اب نازک ہوتی جارہی تھی آخری وقت آ گیا تھا اس لئے بعض لوگوں نے جانشینی کا سوال پیش کیا ارشاد فرمایا "اگر میں خلیفہ بناؤں تو ایسا کرسکتا ہوں کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مجھ سے بہتر تھے خلیفہ بنایا تھا اور اگر نہ بناؤں تب بھی ایسا کرسکتا ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جو مجھ سے بہتر تھے خلیفہ نہیں بنایا تھا"۔ (ایضاً)

لوگوں نے آپ کے اس خیال کی تعریف کی تاہم صحابہ رضی اللہ عنہم اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بار بار درخواست کر رہے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر کسی پر جچتی نہیں تھی۔ کیونکہ آپ اکثر زندگی میں اس مسئلہ پر غور کیا کرتے تھے مگر اپنے معیار سے سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے بعض لوگوں نے آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا فرمایا "جسے بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے وہ بارِ خلافت کیسے سنبھال سکتا ہے"۔ لیکن جب متفقہ طور پر خلیفہ کا مطالبہ ہوا تو فرمایا کہ:۔

"میں اس امر (خلافت) کا مستحق ان لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں پاتا جن سے وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ راضی تھے"۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور جنہیں رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی نامزد کر کے فرمایا کہ ان میں سے جس پر کثرت رائے ہو جائے اسے امیر بنانا، اور تاکید فرما

دی وفات کے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے مزید حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میرے دفن سے فارغ ہونے کے بعد ان چھ حضرات کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا اور جب تک ان میں سے کسی کا انتخاب نہ ہو جائے دروازہ نہ کھولنا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ (آپ کے صاحبزادے) مشورہ میں شریک رہیں گے، لیکن امارت سے انہیں کوئی تعلق نہ ہوگا، کثرت رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اسے قتل کر دینا"۔ (تاریخ الخلفاء)

آخری وصیتیں:

نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد فرمایا:۔

"میں اپنے بعد والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اوّلین کا حق پہچانے اور ان کی عزت کی حفاظت کرے اور میں اُس کو انصار کے حق میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جنہوں نے مدینہ کو گھر بنایا اور ایمان کو پناہ دی مہاجرین سے پیشتر یہ کہ ان کے محسن کو قبول کرے اور برائی کرنے والے سے درگزر کرے، اور میں اس کو اہل امصار کے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ اسلام کے پُشت پناہ مال کے فراہم کرنے والے دشمن کو غصہ دلانے والے ہیں ان سے جو کچھ لیا جائے رضا مندی سے لیا جائے اور فاضل، مال لیا جائے اور میں اس کو اعراب کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ عرب کے اصل اور اسلام کا مادہ ہیں اُن کا عمدہ مال نہ لیا جائے اور جو لیا جائے وہ ان کے فقراء کو تقسیم کر دیا جائے، اور میں اس کو ان لوگوں کی نسبت وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول اللہ ﷺ کا ذمہ ہے یہ کہ ان کا عہد پورا کیا جائے اور ان کی طرف سے لڑا جائے اور اُن کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے"۔ (سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

قومی اُمور سے فراغت کے بعد ذاتی معاملات کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ میرے بعد میرا قرض ادا کر دینا، اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش سے لیکن اُن کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا،

وصال:

غرض ہر قسم کی وصیتوں کے بعد چند دن بیمار رہ کر یکم محرم ۲۴ھ بروز شنبہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی رُوح عالم قدس میں پرواز کر گئی آفتاب تاریک ہو گیا، آسمان نے شفق کی سرخی نمایاں کی، عرشِ عظیم جُنبش میں آ گیا، گردشِ روزگار رُک گئی اور کائنات میں سنّاٹا چھا گیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

بلاشبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کسی معمولی شخص کی وفات نہ تھی کسی خاص مسلمان کی وفات نہ تھی کسی برگزیدہ صحابی کی وفات نہ تھی بلکہ ایک قوم کی وفات تھی، ایک اُمت کی وفات تھی اور ایک کائنات کی وفات تھی، ان کے انتقال سے مدینہ کے در و دیوار متزلزل ہو گئے، عرب کا ستارہ اقبال غروب ہو گیا خلافتِ راشدہ کا شیرازہ بکھر گیا شجاعت کی سدّ آہنیں پاش پاش ہو گئی، فتوحات کا سیلاب رُک گیا، فطرت کی شاہراہ گم ہو گئی قلبِ اسلام شق ہو گیا اور علمِ توحید کے پرُزے اُڑ گئے۔

تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ اُٹھایا گیا جب حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (حرارِ نبوی ﷺ) کے دروازہ پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا، ”حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اجازت طلب کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

آواز دی، ان کو اندر لاؤ چنانچہ میت اُٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی آغوش میں دے دی۔ رضی اللہ عنہ۔

آج رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی، اسلام کی عملی تصویر قرآن حکیم کی رُوح اُورعرب کا قلب زمین کے اندر داخل ہوا تھا، اس لئے مسلمانوں پر ایک عالمگیر مصیبت چھا گئی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج سے قبل کبھی لوگوں پر مصیبت ہی نہیں آئی تھی"۔ انتقال کے وقت تریسٹھ سال کی عمر تھی اور مدتِ خلافت (زخمی ہونے تک) دس سال چھ ماہ اور چار دن۔

حُلیہ مبارک:

آپ قوی آدمی تھے قد لمبا، کہ سینکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سر بلند نظر آئیں رنگ گندم گوں، داڑھی گھنی رُخسارے کم گوشت جسم بھرا ہوا آنکھیں سرخ اور چندیا کے بال صاف تھے۔

مسکن:

روایات کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دو مکان تھے، ایک عوالی میں تھا جہاں خاندانِ بنو اُمیہ بن زید کی آبادی تھی دُوسرا مسجد نبوی ﷺ کے قریب تھا جہاں وہ بعد میں اُٹھ آئے تھے، انتقال اسی مکان میں ہوا تھا۔

ازواج واولاد:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کئے ان کے ازواج کی تفصیل یہ ہے:۔

حضرت زینب بنتِ مظعون بن حبیب بن وہب، مکہ میں مسلمان ہو کر

وصال ہوا۔

قُریبہ بنت اُمیہ المخزومی یہ اُم المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں مشرکہ ہونے کی وجہ سے غزوہ حدیبیہ کے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔

ملیکہ بنت جرول خزاعی اُن کو بھی قریبہ کے ساتھ طلاق دے دی تھی۔

جمیلہ بنتِ عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ

عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔

حضرت اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ آپ رسول اللہ ﷺ کی نُواسی اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نورِ دیدہ تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاندانِ نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ۱۷ھ میں چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں داخل تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی کنیت بھی ان ہی کے نام پر رکھی تھی اولادِ ذکور کے نام یہ ہیں:۔

حضرت عبداللہ، حضرت عبیداللہ، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ، حضرت ابوشحمہ، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت زید اور حضرت مجیر (رضی اللہ عنہم)، ان سب میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنے علم و فضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علومِ اسلامیہ کی جو سرپرستی فرمائی تھی ان کی اولاد نے اس کو تمام عمر پیش نظر رکھا محدثین کے نزدیک دو سلسلے سب سے زیادہ صحیح اور مستند ہیں اور ان کو وہ سلسلہ الذہب (یعنی زنجیرِ زر) سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ دونوں سلسلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے قائم ہوئے ہیں پہلا سلسلہ وہ ہے جس

کی رواۃ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نافع رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہوں، دوسرا سلسلہ وہ ہے جس میں حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہی خاندان کے ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انکے صاحبزادے حضرت سالم رضی اللہ عنہ پوتے اور حضرت نافع رضی اللہ عنہ غلام تھے۔

(سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے مشہور محدّث تھے اور ان کے بیٹے حفص رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علوم اسلامیہ میں کمال حاصل کیا تھا، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی رحمۃ اللہ علیہ کے نانا تھے جو خلفائے بنواُمیہ میں خلیفہ راشد شمار کیے جاتے ہیں۔

موالی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعدد غلام تھے لیکن اسلم ہنی اور برقاء نے اپنی مخصوص قابلیتوں کی بناء پر امتیازِ خاص حاصل کیا۔

فارُوقی کارنامے:

گزشتہ سطور میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اسے پڑھ کر ہر ذی فہم یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ فتوحات کی کثرت محاصل کی فراوانی انتظامات کی خوبی ظلم و جور کے انسداد عدل و انصاف اور امن و امان کے قیام ملک کی خوشحالی اور رعایا کی فارغ البالی وغیرہ تمام اوصاف وکمالات کے لحاظ سے دُنیا کا کوئی حکمران حضرت فارُوق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا یہی وہ خوبیاں ہیں جو کسی حکومت یا حکمران کو شہرتِ عام اور بقائے دوام کی سند عطا کرتی ہیں اور یہی وہ اوصاف ہیں جو تاریخی طور پر آج تک کسی اور فرمانروا میں جمع نہیں ہوئے۔ دُنیا میں بلاشبہ عظیم

الشان فاتح گزرے ہیں، لیکن تاریخ کے اوراق آج بھی اُن کے ظلم و جور کی داستانوں پر نوحہ کناں ہیں، اُجڑی ہوئی بستیاں اور کھنڈر بن کر صفحہ ارضی سے ہٹ جانے والے شہر آج بھی اُن طوفانوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو کسی فاتح کے جلو میں آئے اور انسانی آبادیوں کو ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ بہا کر لے گئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس سالہ دورِ خلافت میں، جبکہ ایران اور رُوم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اُڑ گئے اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا تھا، ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا جس میں خون ناحق کا ایک قطرہ بھی گرنے پایا ہو اور ظلم و جور کو ایک لحہ کیلئے بھی روا رکھا گیا ہو۔

یہ بات ایک حد تک صحیح ہے کہ اسلامی فتوحات کے وقت روم اور ایران کی سلطنتوں کی پرانی قوت اور عظمت باقی نہ رہ گئی تھی تاہم فنونِ جنگ کی واقفیت رسد کی فراوانی، آلاتِ جنگ کا تنوع غرضیکہ ہر لحاظ سے دونوں حکومتیں عربوں جیسی بے سروسامان قوم پر فوقیت رکھتی تھیں، پھر بھی عربوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا خصوصاً غیر مسلم مورخین کے نزدیک ایک حیرت انگیز واقعہ رہا ہے اور اس ضمن میں کئی قسم کے دلائل پیش کئے جاتے رہے ہیں لیکن ان سب کا مسکت اور مدلل جواب صرف اس قدر ہے کہ:۔

”مسلمانوں میں اس وقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش عزم استقلال ہمت بلند حوصلگی اور دلیری پیدا ہوگئی تھی اور جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا، رُوم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانہ میں بھی اس کی ٹکر نہیں اُٹھا سکتی تھیں البتہ اس کے ساتھ اور بھی چیزیں مل گئی تھیں جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیامِ حکومت میں مدد دی اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی تھی جس کے لوگ اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ

باوجود اختلافِ مذہب کے ان کا زوال نہیں چاہتے تھے یرموک کے معرکے میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا"۔

اکثر مورخین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سکندر، چنگیز اور تیمور سے موازنہ کیا ہے، لیکن ان سب کے کارناموں کو پیشِ نظر رکھ کر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے بلاشبہ ایک عالم کو زیرنگیں کیا لیکن اس کے ساتھ زیر زبر بھی کردیا، وہ صرف جہانگیر تھے جاندار نہ تھے، ان کی فتوحات سے وابستہ ان کا ظلم وستم وانسانوں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی، یہ فاتح انسانوں کی بداعمالیوں کے لئے خدا کے نشتر تھے، جہاں گئے لوگوں پر قہرالٰہی بن کر ٹوٹے اور جدھر سے بھی گزرے انسانوں کو اُنہی کے خون میں لوٹاتے گئے اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسلام کی انسانیت نوازی کا ایک ایسا عملی مظاہرہ ہے، جس نے انسان کو بحیثیت اشرف المخلوقات کے سر بلند کیا اور اس کو اُس جبر وقہر سے نجات دلائی جس کو وہ مطلق العنان فرمانرواؤں کے ہاتھوں صدیوں سے برداشت کررہا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جس احتیاط اور جن قوانین کی پابندی کے ساتھ ملک کے ملک فتح ہوئے اس احتیاط کے ساتھ دُنیا کا کوئی حکمران خواہ سکندر، چنگیز، تیمور یا کوئی اور ہو زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہیں کرسکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حقیقی کارنامہ:

مورخین کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات سے بھی بڑھ کر اصل

کارنامہ ایک ایسا آئین حکومت مرتب کرنا اور ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا ہے، جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا اور جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس دورِ ترقی میں بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت مسندِ خلافت پر قدم رکھا اُس وقت کوئی بڑا نظام حکومت نہ تھا لیکن آپ نے اپنے دس سالہ عہد حکومت میں نہ صرف ایک نہایت وسیع نظام قائم کر دیا بلکہ اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر شعبے ہیں آپ ہی کے دور میں وجود پذیر ہوئے۔

جمہوری حکومت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت اپنی ترکیب اور ساخت میں جمہوری طرز حکومت کے مشابہ تھی جمہوری طرزِ حکومت کا طغرائے امتیاز رعایا کی مداخلت ہے، اس سلسلہ میں آپ کا بڑا کارنامہ مجلس شوریٰ کا قیام ہے جس کے بغیر حکومت کا کوئی معاملہ طے نہیں ہو سکتا تھا اس کے ممتاز ارکان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ شامل تھے، اس کے علاوہ اہم معاملات میں مہاجرین، انصار اور سردارانِ لشکر کی رائے بھی ضروری سمجھی جاتی تھی، اور ایرانیوں میں سے ہرمزان کا مشورہ ضروری خیال کیا جاتا تھا۔

جمہوریت کی انتہا یہ ہے کہ فرمانروائے وقت کا ذاتی اثر بالکل معدوم ہو جائے اور رعایا اپنے معاملات میں بالکل آزاد ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے عمل سے یہ نظیر قائم فرمائی اور اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بند کی رکھی، آپ نے اس حیثیت کو متعدد مواقع پر واضح کیا، ایک موقعہ پر فرمایا:۔

"مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی کا حق ہوتا ہے، اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازے سے کھانے کے لئے لوں گا صاحبو، میرے اُوپر حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت کا بیجا طور پر صرف نہ ہونے پائے، ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم خطروں میں نہ ڈالوں"۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

ایک اور موقعہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم کو مجبور کروں گا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ، میری حیثیت تمہاری جماعت میں صرف ایک فرد کی ہے، میں نہیں چاہتا کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا تقریر محض دل پذیر خیالات کی نمائش نہ تھی بلکہ آپ نہایت سختی کے ساتھ اس کے عامل بھی تھے جیسا کہ واقعات اس کی حرف بحرف تائید کرتے ہیں، ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا مالِ غنیمت کے آنے کی خبر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المومنین میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں اس لئے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجئے، آپ نے جواب دیا کہ "بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو، لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔ یہ جواب سن کر آپ واپس چلی گئیں۔

ایک دفعہ خود بیمار ہو گئے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن اجازت کے بغیر نہیں لے سکتے تھے، چنانچہ مسجد نبوی ﷺ میں جا کر لوگوں سے کہا "اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں"۔ ان

چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر محتاط تھے تو ظاہر ہے کہ بڑے اُمور میں آپ کس قدر احتیاط برتتے ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو آزادی رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق دے رکھا تھا اس بنا پر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان برسرِ عام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ٹوک دیتا، ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اے عمر فاروق رضی اللہ عنہ خدا سے ڈر'' حاضرین میں سے ایک آدمی نے اس کو روکنا چاہا لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا اور فرمایا'' کہنے دو اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو اور کون اصلاح کرے گا'' یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی بلکہ عورتوں کو بھی حاصل تھی ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حق مہر کی مقدار کے متعلق تقریر فرما رہے تھے کہ اثنائے تقریر میں ایک عورت نے ٹوک دیا اور کہا ''اے عمر رضی اللہ عنہ خدا سے ڈر'' اُس کا اعتراض چونکہ صحیح تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراف کے طور پر فرمایا کہ ایک عورت بھی عمر (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ جانتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایسی آزادی اور مساوات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حد درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوش استقلال اور عزم و شجاعت کا مجسم پتلا بنا دیا تھا۔

نظامِ حکومت:

نظامِ حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کرنا ہے، اسلام میں اس کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا اور ممالک محروسہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین ان کے علاوہ مشرق میں تین صوبے اور تھے، خراسان، آذربائیجان اور

فارس، صوبہ میں حاکم اعلیٰ میر منشی، دفتر فوج کا میر منشی کلکٹر، افسر پولیس، خزانچی اور قاضی ہوتے تھے۔ بعض حالات میں سپہ سالار الگ ہوتا تھا لیکن عموماً فوج کی سپہ سالاری حاکم اعلیٰ کے ہی متعلق ہوتی تھی چنانچہ کوفہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کلکٹر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ افسرِ خزانہ، حضرت شریح رضی اللہ عنہ قاضی اور حضرت عبداللہ بن خلف الخزاعی رضی اللہ عنہ میر منشی تھے۔

(الفاروق حصہ دوم)

عہدہ داروں کا انتخاب:

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلسِ شوریٰ میں ہوتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی لائق، راستباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے، اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فطرتاً جوہر شناس اور دقیقہ رس واقع ہوئے تھے اس لئے ارکانِ مجلس آپ کے حسنِ انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے۔

تنخواہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے تنخواہ کا رواج نہ تھا، ایک بڑی غلط فہمی یہ پیدا ہوگئی تھی کہ لوگ تنخواہ لینا زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے لیکن یہ چونکہ امر تمدن اور اُصولِ انتظام کے خلاف تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلطی کو رفع کرنے کی بڑی کوشش کی، چنانچہ آپ نے خود اپنا وظیفہ مقرر کرایا۔ جس کے باعث بڑی حد تک یہ خیال زائل ہوگیا اور لوگ خوشی سے تنخواہ لینے لگے، تاہم بعض لوگ اب بھی قدیم خیال پر قائم تھے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق خدمت لینے سے انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی مشکل سے ان کو

راضی کیا، اسی طرح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارانہ کیا۔

عاملوں کی تحقیقات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر چہ انتخاب کے وقت ہر قسم کی چھان بین فرماتے تھے تاہم آپ نے عمال کے طرزِ عمل کی تحقیقات میں خاص کاوش کی اور حکام کی نگرانی کی جو ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی تھی اس کو نہایت اہتمام سے انجام دیتے تھے، آپ کا یہ اُصول تھا کہ ہر عامل کے تقرر کے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے جس میں اس کے اختیارات کی تصریح ہوتی تھی، جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا وہاں یہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ (تاریخ اسلام ندوی)

کہ وہ اپنی حدود سے آگے بڑھنے نہ پائے، ہر عہدہ دار سے عہد لیا جاتا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا، باریک کپڑا نہ پہنے گا چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا دروازے پر دربان نہ رکھے گا اور اہل حاجت کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھے گا، اسی کے ساتھ اس کے مال و اسباب کی فہرست سے زیادہ محفوظ کردی جاتی تھی، واپسی کے وقت جس عامل کے پاس اس فہرست سے زیادہ مال ہوتا اس سے نہ صرف باز پرس کی جاتی بلکہ آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کردیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ بہت سے عمال اس زیادتی کے مرتکب ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی، آپ نے سب کی املاک کا جائزہ لیا اور آدھا آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کردیا۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

تمام عمال کو حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں حاضری کا حکم تھا، ان کی

موجودگی کا اعلان عام کیا جاتا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہِ خلافت میں پیش کرے، چنانچہ اگر معمولی نوعیت کی شکایات بھی پیش ہوتی تھیں تو تحقیقات کے بعد ان کا تدارک کردیا جاتا تھا حج کے موقع پر چونکہ تمام مسلمان جمع ہوتے تھے اس لئے شکایات معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ فلاں عامل نے مجھے بے وجہ کوڑے مارے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے مارے ہیں حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے استدعا کی کہ عمال پر یہ امر گراں ہوگا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں، آخر متعلقہ عامل نے مستغیث کو ایک ایک کوڑے کے عوض دو دو اشرفیاں دے کر راضی کیا اور خلاصی حاصل کی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم ترین کڑی ہے، عیاض بن غنم عاملِ مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمبل کا کرتہ پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عامل کوفہ نے محل بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی کو آگ لگوادی، اسی طرح اور بہت سے عاملوں کو اسی قسم کی سزائیں دیں جن کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا بھی خاص اہتمام تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہوجائے آپ نے عرب جیسی فخار قوم سے فخر وغرور کی تمام علامتیں مٹادیں یہاں تک کہ آقا و غلام کی تمیز بھی باقی نہ رہنے دی۔ ایک دن صفوان بن امیہ نے آپ کے سامنے ایک خوان پیش کیا آپ نے فقیروں اور غلاموں کے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا ”خدا ان لوگوں پر لعنت

کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے۔ (ایضاً)

ایک دفعہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب جو بڑے جلیل القدر صحابی تھے مجلس سے اُٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ نکلے یہ حالت دیکھ کر آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ایک کوڑا لگایا، اُنہوں نے وجہ پوچھی فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

شعر و شاعری کے ذریعہ ہجوو بدگوئی عرب کا مذاق تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی سے بند کرایا، آپ نے حطیہ کو جو اس زمانہ کا مشہور ہجوگو شاعر تھا قید کر دیا اور اس شرط پر رہا کیا کہ وہ پھر کسی کی ہجو نہیں لکھے گا، ہوا پرستی رندی اور آوارگی کو نہایت شدت سے روکا شعرا کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قطعی طور پر منع کر دیا، اور شراب خوری کی سزا سخت کر دی یعنی چالیس دُرّے سے بڑھا کر اسی دُرّے کر دیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اخلاقِ ذمیمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارِم اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی آپ مساوات اور عزتِ نفس کا خاص خیال رکھتے تھے آپ کی طرف سے تمام عمّال کو ہدایت تھی کہ وہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں کیونکہ اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے۔

صیغہ محاصل:

عرب میں چونکہ کوئی منظم حکومت نہ تھی اس لئے وہ خراج و محاصل کے نظم ونسق سے نا آشنا تھے اسلام کی ابتداء میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کی درخواست پر خیبر کی زمین انہی کے پاس رہنے دی اور

بٹائی پر معاملہ ہو گیا اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے ان کی زمین پر عُشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی یہی نظام برقرار رہا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا نہایت وسیع او مکمل نظام قائم کیا، ان کے عہد میں جب شام و ایران فتح ہوئے تو لوگوں نے رائے دی کہ مفتوحہ علاقے فوج کی جاگیر میں دے دئے جائیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے انہیں قبضہ کا بھی حق ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی اسی رائے پر مصر تھے، مگر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ زمین حکومت کی ملک اور باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمنوا تھے غرض مجلس عام میں مسئلہ پیش ہوا اور بالآخر بڑے بحث و مباحثہ کے بعد کثرت رائے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے پر فیصلہ ہو گیا۔

اس فیصلہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیمائش کرائی قابل زراعت اراضی کا بندوبست کیا اور عشر و خراج کا طریقہ قائم کیا، مالگذاری کی تشخیص کی گئی کہ اس کے بعد اضافہ کی کافی گنجائش باقی رہے محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خراج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اس کا پورا اطمینان کر لیا جاتا کہ اس میں ظلم و زیادتی کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

عراق کے علاوہ اور کسی ملک میں کوئی نیا بندوبست نہیں کیا گیا بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقوں کو منسوخ اور انتظامی غلطیوں کی اصلاح کر کے سابق نظام علی اسی طرح قائم رکھا گیا، مصر و شام وغیرہ میں جاگیرداری کا قدیم طریقہ جاری تھا اور ملک کی زمین کا بڑا حصہ شاہی ارکانِ دولت اور افسران فوج کی جاگیر میں تقسیم تھا ملک کے اصل باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں بہت کم

حصہ تھا اور جس قدر تھا اسی کی حیثیت بھی مالکانہ نہ تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ ختم کرایا اور زمین ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں دے دی، اور ان کو مسلمانوں کے قبضہ سے بچانے کے لئے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہیں کر سکتا۔ زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لئے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ملک ہو جائے گی، لیکن زمین لینے کے بعد تین برس کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا، اس قانون سے افتادہ زمینیں بہت جلد آباد ہو گئیں۔

(تاریخ اسلام ندوی)

محکمہ آبپاشی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زراعت کی سیرابی کے لئے متعدد نہریں جاری کیں، بند باندھے تالاب بنائے، پانی کی تقسیم کے لئے دہانے بنائے، نہروں کی شاخیں نکالنے اور اس قسم کے کاموں کے لئے نہایت وسیع محکمہ قائم کیا، اس ضمن میں نہر ابوموسیٰ، نہر معقل، نہر سعد اور نہر امیر المومنین وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن سے زراعت کی سیرابی اور رعایا کی ضرورت پوری ہوتی تھیں۔

دیگر قسم کی آمدنیاں:

خراج کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی حسب ذیل تھے، زکوۃ جس میں چاندی نقد، سکہ، مویشی، تجارتی سامان وغیرہ سب کی زکوۃ کی آمدنیاں شامل تھیں، خراج غیر مسلمانوں سے، تجارت پر عشور یعنی چنگی لگائی گئی اس کو اسلام میں سب سے اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری کیا اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لئے جاتے تھے ان کو دس فیصدی ٹیکس دینا پڑتا تھا،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے بھی غیر ملکی مال پر اسی قدر ٹیکس مقرر کردیا، پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیوں اور مسلمانوں کے لئے اڑھائی فیصدی، اسی طرح گھوڑوں کی تجارت پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے قائم کی گئی، اس حکم سے سواری کے گھوڑے مستثنیٰ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد چونکہ فتوحات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں ممتاز ہے اس لئے اس زمانہ میں غنیمت کی بھی بڑی آمدنی ہوتی اس کے علاوہ جزیہ بھی وصول کیا جاتا یہ ایک قسم کا ٹیکس تھا جو ذمیوں سے ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا جزیہ کی تشخیص رعایا کی خوشحالی اور ناداری کے لحاظ سے کی جاتی چنانچہ اہل شام پر فی کس چار دینار اور اہلِ یمن پر فی کس ایک دینار مقرر کیا گیا۔

بیت المال:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اگرچہ بیت المال قائم ہوگیا تھا اور اس کے لئے انہوں نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی تاہم آپ کا معمول تھا کہ جو آمدنی آتی اس میں سے خرچ کر کے جو کچھ بچتا اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے، چنانچہ ان کی وفات کے وقت جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا تو دُوسرے شعبوں کے ساتھ بیت المال کو بھی وُسعت دی، چنانچہ تمام صوبوں اور مرکزی مقامات میں بیت المال قائم کئے اور ان کے لئے وسیع عمارتیں بنوا کر ہر جگہ اس محکمہ کے جداگانہ افسر مقرر کئے، دارالخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبد اللہ

بن رقم رضی اللہ عنہ تھے کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اصفہان کے حضرت خالد بن حرث رضی اللہ عنہ تھے، کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی۔ (تاریخ اسلام ندوی)

بیت المال کی آمدنیوں اور مصارف کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں آتی تھی، پھر یہاں کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچ جاتی وہ سال کے اختتام پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کردی جاتی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے متعلق عمال کو احکام بھیجتے تھے صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف ان کی تعداد تین کروڑ درہم تھی۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

بیت المال کی حفاظت:

بیت المال کے قیام سے بھی زیادہ ضروری اس کی حفاظت تھی کیونکہ اس میں جو کچھ بھی تھا وہ مسلمانوں کی امانت تھی، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ادھر سے کبھی غافل نہ ہوتے، ایک ایک امانت کی حفاظت بہ نفس نفیس فرماتے اور اس کے ایک ایک اُونٹ کو معہ حلیہ کے درج رجسٹر کراتے۔

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اُونٹ بھاگ گیا امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی تلاش میں نکلے کہ عین اسی وقت ایک رئیس احنف بن قیس آپ سے ملنے کے لئے حاضر ہوئے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دامن چڑھاتے اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں، جب آپ نے احنف کو دیکھا تو فرمایا "تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اُونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو کہ ایک اُونٹ میں کتنے غریبوں کا

حق ہے"۔ ایک شخص نے عرض کیا، "امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا"۔ فرمایا "مجھ سے بڑھ کر کوئی غلام ہو سکتا ہے"؟ (تاریخ اسلام حصہ اوّل)

آپ کو اپنے مرحوم بھائی حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے والہانہ محبت تھی، ایک دن اُس نے بیت المال کے زیورات میں سے ایک معمولی انگوٹھی اُٹھا کر پہن لی، آپ چونکہ اسے آزُردہ نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے پیار سے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈال دی۔ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا، انہوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بچے کو دے دیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو فوراً بیت المال میں داخل کر دیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم کو مدینہ میں آلِ عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن اُمتِ محمدی ﷺ کا مطالبہ میری گردن پر رہے، اس قبیل کے بکثرت واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس کے ضمن میں کس قدر محتاط تھے۔

صیغہ عدالت:

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بدولت عالم وجود میں آیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسرانِ ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں بعض انتظامی دُشواریوں کی وجہ سے یہی رواج قائم رکھا، لیکن جب پورا نظام قائم ہوگیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا، تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، قاضی مقرر کئے اور

قضا کے اُصول و آئین پر ایک فرمان لکھا، جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کے نام تھا، اس فرمان کا ترجمہ یہ ہے:۔

''اما بعد قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو، تا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو، اور معزز آدمی کو رُو رعایت کی اُمید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے اُس پر بارِ ثبوت ہے اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے، صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام، حلال اور حلال، حرام ہونے نہ پائے، کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے، تو اس سے رُجوع کر سکتے ہو، جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر ہو تو اس پر بار، بار غور کرو، او اس کی مثالوں اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو، جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کردو، اگر وہ ثبوت دے تو اُس کا حق دلاؤ ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصل کرو، ان اشخاص کے سوا جنہیں سزا میں دُرّے لگائے گئے ہوں یا جھوٹی گواہی دی ہو سب مسلمان ثقہ ہیں''۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل)

قضاۃ کو ہدایت تھی کہ:۔

''مقدمات میں اوّل تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو، اگر قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث کی جانب رجوع کرو، اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو''۔

قضا کی خدمت چونکہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس کے لئے اُنہی بزرگوں کو منتخب فرماتے تھے جن کا علم، تقویٰ، ذہانت اور قوتِ فیصلہ مسلم تھی، چنانچہ پایہ تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جو رسول اللہ

ﷺ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں، ان کے بعد ۱۹ھ میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ مقرر ہوئے جو اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا، دُوسرے مقاموں میں حضرت جمیل بن العمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو مریم حنفی رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ، حضرت ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوقرہ کندی وغیرہ اس منصب پر مقرر تھے، یہ وہ بزرگ ہیں جن کی علمی جلالت کا اندازہ رجال کی کتابوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کے ماتحت ہوتا تھا اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے، انتخاب کے لئے گو خود اُمیدواروں کی سیرت کافی رہتی پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر اکتفانہ کرتے تھے، بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔ (الفاروق)

رشوت ستانی کے انسداد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ حضرت سلمان، حضرت ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولتمند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی مقرر نہ ہونے پائے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدہ کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز فیصلہ کرنے میں کسی کے رُعب سے متاثر نہ ہوگا۔

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی دار

القضاۃ کے اندر شاہ وگدا، امیر وغریب، شریف ورذیل، سب کی سطح برابر ہو اور قانون کی نگاہ میں لوگ مساوی سمجھے جائیں، یہاں تک کہ خود امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس عالمگیر مساوات کے دائرے سے باہر نہ تھے، ایک بار انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اگر آپ حاکم ہوں اور میں کسی شخص کو زنا یا چوری کرتے دیکھوں تو آپ کیا کریں گے؟ اُنہوں نے جواب دیا آپ کی شہادت صرف ایک مسلمان کی شہادت کے مساوی ہوگی (یعنی امارت کا کچھ اثر نہ ہوگا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدل و انصاف میں مساوات کے لئے یہاں تک عملی کوششیں کیں کہ قضاۃ کو عدل و مساوات کا سبق دینے خود فریق مقدمہ بن کر عدالت میں جاتے تھے، ایک مرتبہ ان میں اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ میں کچھ نزاع ہوگیا حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تعظیم کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھ گئے، حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعویٰ سے انکار تھا چنانچہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قسم لینی چاہی، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ کے رُتبہ کا پاس کر کے حضرت اُبی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو قسم سے معاف رکھو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ترجیح پر نہایت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ عنہ برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں ہوسکتے۔ (کنز العمال)

محکمہ افتاء:

یہ صیغہ عدالت کے متعلق ہے اور اسلام کے سوا اور کہیں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عوام کی آسانی کے لئے فقہا صحابہؓ کی ایک جماعت مخصوص کردی تھی جن کا کام لوگوں کو مسائل بتلانا تھا چنانچہ جو شخص جب کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا، ان سے دریافت کرسکتا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اس شعبے کے ممتاز رکن تھے۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

فوج داری اور پولیس:

قیام امن کا مدار پولیس پر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا جس کو احداث کہتے تھے، اس کے افسر کا نام صاحب الاحداث تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا صاحب الاحداث بنایا، تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں۔ بعض مورخین کے نزدیک محکمہ احتساب ایک علیحدہ محکمہ تھا، جس کے فرائض میں ایسے امور کی ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے۔

جیل خانہ کی ایجاد:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس صیغہ میں دو اہم ایجادیں کیں یعنی جیل خانہ کی ایجاد اور جلاوطنی کی سزا، ورنہ اس سے پیشتر عرب میں جیل خانوں کا نام ونشان

تک نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اوّل مکہ معظمہ میں صفوان بن اُمیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا، اس کے علاوہ اضلاع میں بھی جیل خانوں کے نام ملتے ہیں، چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا۔ (تاریخ اسلام)

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے، چنانچہ ابو محجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کردیا تھا۔

تعمیرات:

اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کے لئے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا، تاہم صوبہ جات اور اضلاع کے حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منظم اور وسیع پیمانے پر جاری تھا، ہر جگہ حکام کی رہائش اور دیگر اُمور کے لئے عمارتیں تیار ہوئیں، رفاہِ عام کے لئے سڑکیں، پل اور مساجد تعمیر کی گئیں، مسافروں کے لئے مہمان خانے اور فوجی ضروریات کے لحاظ سے چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے، لیکن بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے، چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو ایک مشہور مجوسی معمار روزجہ نے بنایا تھا اور اس میں خسروانِ فارس کی عمارات کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص تعلق تھا اس کے پیش نظر ضروری تھا کہ دونوں شہروں کے درمیان راستہ سہل اور آرام دہ بنایا جائے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں اس طرف توجہ کی اور مدینہ سے لے کر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سڑکیں اور چشمے تیار کرائے۔

نئے شہروں کی تعمیرات:

مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام و ایران کے چمن زار میں پہنچے تو ان کو یہ ممالک ایسے خوش آئندہ نظر آئے کہ اُنہوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں اقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نو آبادیاں قائم کیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو شہر آباد ہوئے ان میں، بصرہ، کوفہ، فسطاط، موصل اور جیزہ قابلِ ذکر ہیں۔

بصرہ ۱۴ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو بندر گاہ اُملہ کے قریب جہاں بحر فارس کی خلیج کے ذریعے سے ہندوستان اور فارس کے جہاز لنگر انداز ہوتے تھے، ایک شہر بسانے پر متعین کیا۔ عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خربیہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے یہاں کفِ دست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ اس کی کنکریلی زمین اور آس پاس پانی اور چارہ کی فراہمی عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی اس لئے عتبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر اس جگہ بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے، ابتدا میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی، لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی، یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے عہد امارت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے، اسی ہزار اور ان کی آل اولاد کی ایک لاکھ بیس ہزار تھی، بصرہ اپنی علمی خصوصیات کے لحاظ سے لاکھوں مسلمانوں کا مایہ ناز شہر رہا، دُنیا کی سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لُغت میں لکھی گئی وہ یہیں لکھی گئی اس کا نام کتاب العین ہے جو خلیل بن احمد بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علمِ عروض اور موسیقی کی ابتدا بھی یہیں

سے ہوئی علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا اور آئمہ مجتہدین میں سے حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمۃ یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

(الفاروق)

کوفہ:

کوفہ دُوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ۱۷ھ میں اس کی بنیاد رکھی اور چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے، یہ جگہ جہاں کوفہ آباد ہوا عراق عرب کے فرمانروا نعمان بن منذر کے خاندان کے پایہ تخت تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں، اس کی زمین کا انتخاب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے، اس کا منظر اس قدر خوشنما تھا کہ اہل عرب اس مقام کو ''عارضِ محبوب'' کہتے تھے، یہاں کی زمین چونکہ ریتلی اور کنکریلی تھی اس لئے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ آپ نے شہر کے نقشہ کے متعلق خود یادداشت لکھ کر بھیجی کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں، اس سے کم کی مقدار تیس تیس ہاتھ اور بیس بیس ہاتھ سے کم نہ ہو اور گلیاں سات سات ہاتھ چوڑی ہوں، جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے مسجد کے سامنے دوسو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا جو سنگِ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا، مسجد سے دوسو ہاتھ کے فاصلے پر ایوانِ حکومت تعمیر کیا گیا

جس میں باہر سے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے۔

یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں اس عظمت وشان کو پہنچ گیا تھا کہ وہ اس کو راس الاسلام فرمایا کرتے تھے علمی حیثیت سے بھی یہ ہمیشہ ممتاز رہا، ابوالاسود دوئلی نے اوّل اوّل نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے اور فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی حضرت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ اسی شہر میں قائم کی، حدیث و فقہ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے آئمہ جن میں امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ، امام حماد رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے سب اسی معدن کے لعل و گہر تھے۔

فسطاط:

فسطاط دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کفِ دست میدان تھا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر نے اثنائے جنگ یہاں پڑاؤ کیا، اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلا بنالیا جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کی تسخیر کے لئے یہاں سے کوچ کیا تو قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو پھر جب آپ سکندریہ کی فتح کے بعد واپس اسی مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ خیمہ اسی حالت میں کھڑا تھا جیسا کہ آپ اسے چھوڑ گئے تھے، چنانچہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ۲۱ھ میں اسی میدان میں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی، چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں اس لئے شہر کا نام فسطاط قرار پایا۔ فسطاط نے بہت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کی بجائے پورے مصر کا صدر مقام بن گیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چالیس ہزار اہل عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔

مورخین کے مطابق ایک زمانے میں یہاں تین سو ساٹھ مسجدیں، آٹھ ہزار سڑکیں اور گیارہ سو ستر حمام تھے جامع مسجد کی تعمیر میں خاص اہتمام کیا گیا، عام روایت ہے کہ اسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جمع ہو کر قبلہ کی سمت متعین کی، ان صحابہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شامل تھے اس مسجد کا طول پچاس گز اَور عرض تیس گز تھا تین طرف دروازے تھے جن میں ایک دارالحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

فسطاط مدّت تک سلاطین مصر کا پایہ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا، چوتھی صدی کے ایک سیاح علامہ بشاری نے ان الفاظ میں اس شہر کے عروج و کمال کا نقشہ کھینچا ہے:۔

''یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے، دُنیائے اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی ہیں، اور نہ یہاں سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں''۔

موصل:

موصل، مورخین کے مطابق یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا مگر ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا، یہاں ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے معبد تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک عظیم الشان شہر بنا دیا، ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تعمیر کرائی، چونکہ یہ شہر مشرق و مغرب کو آپس میں ملاتا ہے اس لئے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

جیزہ:

جیزہ یہ چھوٹا سا شہر دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے، اس کی تعمیر کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فتح اسکندریہ کے بعد اس خیال سے کہ رُومی دریا کی سمت سے حملہ نہ کرنے پائیں تھوڑی سی فوج لب ساحل مقرر کردی تھی جن میں حمیر اور ازدو ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے، فسطاط کی آبادی کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلالینا چاہا مگر ان کو دریا کا منظر ایسا اچھا لگا کہ وہاں سے ہٹنا پسند نہ کیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی حفاظت کے لئے ۲۱ھ میں ایک قلعہ تعمیر کرا دیا اور اس وقت سے یہاں ایک مستقل نو آبادی کی صورت پیدا ہوگئی۔

(الفاروق حصہ دوم، سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

فوجی انتظامات:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا لیکن جب اسلام ایک وسیع سلطنت کا مالک بن گیا اور قیصر وکسریٰ کے عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے تو اس کو ایک منظم فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں ولید بن ہشام کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منظم صیغہ فوج قائم کیا، اس باب میں پہلے آپ کا خیال تمام ملک کو فوجی بنانے کا تھا لیکن چونکہ ابتدا میں ایسی تعیم ممکن نہ تھی اس لئے پہلے قریش و انصار سے آغاز کیا، مدینہ منورہ میں اس وقت تین بزرگ یعنی حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ علم الانساب اور حساب وکتاب کے فن میں ممتاز تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا کر یہ خدمت

سپرد کی کہ وہ قریش و انصار کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو، اس ضمن میں یہ ہدایت بھی فرمائی کہ رجسٹر کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم سے کریں اور پھر درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر رسول اللہ ﷺ سے دُور ہوتے گئے ہوں اسی ترتیب سے ان کے نام لکھیں یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام لکھیں، بہرکیف اس ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں اور بیوی بچوں کے گزارے کے لئے وظائف مقرر ہوئے جن کی مقدار دو سو درہم سالانہ سے چار سو درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ جن لوگوں کی جتنی تنخواہیں مقرر ہوئیں اتنی ہی اُن کے غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مساوات کا کیا سبق سکھایا تھا، کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دے کر عرب کے تمام قبائل میں عام کردیا، پورے ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی النسل کی مرتبہ کے لحاظ سے تنخواہ مقرر ہوئی یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لئے بھی وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا، اس نظام سے گویا عرب کا ایک بچہ اپنی پیدائش کے دن سے ہی اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کرلیا جاتا تھا۔

تنخواہوں کی تقسیم کا طریقہ:

فوجیوں کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا، بھتہ اور تنخواہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کٹنے کے موقع پر خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر

قبیلہ میں ایک عریف یعنی مقدم ہوتا تھا اسی طرح ہر دس سپاہیوں پر ایک افسر ہوتا تھا جن کو امراء العشار کہتے تھے، تنخواہیں عریف کو دی جاتی تھیں وہ امرائے اعشار کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا، ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی کوفہ و بصریٰ میں سو عریف تھے جن کے ذریعے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی، حسنِ خدمت اور کارکردگی کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں وقتاً وقتاً اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا چنانچہ قادسیہ میں غیر معمولی جانبازی دکھانے کے صلہ میں زہرہ، عصمہ اور ضبی وغیرہ کی تنخواہیں دو دو ہزار سے بڑھا کر اڑھائی اڑھائی ہزار کردی گئیں۔ (الفاروق حصہ دوم)

فوج کی صحت و تندرستی کا خاص اہتمام:

فوج کی صحت و تندرستی اور آرام و آسائش کا اہتمام تھا کے اھ میں مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے جب فوج کی تندرستی متاثر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ فوجیں موسم بہار میں سرسبز و شاداب مقام پر چلی جایا کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فوج کی تربیت کا بھی بے حد خیال رہتا تھا، آپ نے اس ضمن میں تاکیدی احکام جاری کئے تھے کہ مفتوحہ ممالک میں کوئی شخص زراعت اور تجارت کا شغل اختیار نہ کرے کیونکہ اس سے ان کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، فوجوں کے لئے شہ سواری، تیر اندازی، تیرا کی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق ضروری تھی، ہفتہ میں جمعہ کا ایک دن آرام کے لئے ملتا تھا اور ہر چار ماہ کے بعد سپاہیوں کو وطن جا کر اپنے اہل و عیال سے ملنے کے لئے رخصت دی جاتی تھی، جفاکشی کے خیال سے حکم تھا کہ اہل فوج گھوڑے پر رکاب کے سہارے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ

سے بچیں اور حماموں میں نہ نہائیں۔

چھاؤنیوں کے انتخاب میں آب و ہوا کی خوبی کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا بارکیں وسیع تعمیر کی جاتی تھیں اور ان کے لئے کھلے میدان چھوڑ دیئے جاتے تھے گرم ملکوں پر سردیوں اور سرد ملکوں پر گرمیوں میں فوج کشی ہوتی تھی، کوچ کو حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب و روز قیام رکھے تا کہ تازہ دم ہو جائے غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چودہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے لئے ایسے اعلیٰ اُصول وضع کر دیئے تھے کہ آج بھی اُصولی حیثیت سے ان پر کچھ اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سارے ممالک محروسہ میں فوجی مرکز قائم کئے جنہیں جند کہتے تھے چنانچہ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اُردن اور فلسطین وغیرہ میں بڑے بڑے فوجی مرکز تھے، ان میں کوفہ، بصرہ اور فسطاط تو خاص طور پر فوجی ضرورت کے لئے ہی آباد کئے گئے تھے، ان مراکز میں صیغہ فوج کے حسب ذیل انتظامات تھے۔

فوجوں کے لئے چھاؤنیاں تھیں اور بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے لیس رہتے تھے، تا کہ ضرورت کے وقت فوری طور پر سوار دستہ تیار ہو جائے۔ (تاریخ طبری حصہ سوم)

ہر اصطبل کے متعلق چراگاہیں تھیں جن میں عمدہ نسل کے گھوڑوں کی پرورش کا خاص اہتمام تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی پر مقرر کیا تھا، گھوڑوں کی رانوں پر داغ سے ''جیش فی سبیل اللہ'' نقش کیا جاتا تھا۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

فوج کے متعلق جملہ کا غذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتے تھے۔

رسد کے ذخیرے یہیں تھے جہاں سامانِ رسد جمع کیا جاتا اور مختلف مقامات پر بھیجا جاتا تھا، ان مرکزی مقامات کے علاوہ تمام ممالکِ محروسہ میں جہاں جہاں ضرورت تھی بکثرت چھاؤنیاں قائم کیں، خوزستان کے علاقہ میں جگہ بجگہ چھاؤنیاں تھیں عجم میں ایرانی حکومت کی جو پرانی چھاؤنیوں تھیں انہیں ازسرنو تعمیر کرایا، جو نیا مقام فتح ہو جاتا تھا وہاں بقدرِ ضرورت فوج متعین کردی جاتی تھی سرحدی علاقوں اور ساحلی مقامات کی حفاظت کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اس صیغہ کے افسرِ اعلیٰ (جرنل) حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔

فوج کی تعداد اور سالانہ نئی بھرتی:

فوجی بھرتی کو اس قدر وسعت دی کہ یہ نظام مہاجرین انصار سے بڑھتے بڑھتے سارے عرب کو محیط ہوگیا، تقریباً دس لاکھ ہتھیار بند فوج ہر وقت تیار رہتی تھی اور ہر سال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی، فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام کے لئے کھلے ہوئے تھے، اس میں عجمی، رُومی یہودی اور ہندوستانی سب شامل تھے، فوج کا سٹاف خزانچی محاسب قاضی مترجم اور طبیب و جراح پر مشتمل تھا، راستہ صاف کرنے، سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا چنانچہ مصر میں یہ خدمت قبطیوں نے انجام دی تھی جاسوسی یعنی غنیم کی نقل و حرکت کے متعلق خبریں بہم پہنچانے کی خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی، چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ کے دوران یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھی، اسی طرح عراق میں بعض وفادار مجوسی اپنی خوشی سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ (فتوح البلدان)

خبر رسانی اور پرچہ نویسی کا نہایت مکمل انتظام تھا، ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس رہتے تھے جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچاتے رہتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی فوجیں جس حصہ میں بھی ہوتی تھیں، ان کی باگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں رہتی تھی، آلاتِ جنگ میں تیغ و سنان کے علاوہ قلعہ شکنی کے لئے منجنیق اور دبابہ بھی ساتھ رہتا تھا۔ فوج حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھی:۔ (الفاروق)

قلب، مقدمہ، میمنہ، میسرہ، ساقہ، طلیعہ، ردا یعنی عقبی گارد، سفر مینا، شتر سوار، سوار، پیادہ اور تیر انداز۔

عرب کی تلوار اگرچہ اپنی فتوحات میں کبھی غیروں کی ممنون احسان نہیں رہی تاہم حریف اقوام کو خود اپنی ہم قوموں سے لڑانا جنگی تکنیک کا ایک اہم ترین اُصول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اُصول کو نہایت خوبی سے استعمال کیا، چنانچہ صدہا عجمی، یونانی اور رُومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی، یزدگرد شہنشاہ ایران کا ایک منتخب دستہ جو چار ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا، قادسیہ کے معرکہ کے دوران میں ہی ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر حلقہ اسلام میں آ گیا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زط کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے، سوس کے معرکہ کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسلامی فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد ہو گئے، نوشیروان کی طرف سے یمن کے گورنر باذان کی ایرانی فوج میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

(الفاروق حصہ دوم)

یرموک کے معرکہ میں رُومی لشکر کا مشہور سپاہی جارج عین حالتِ جنگ میں مسلمان ہوگیا اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑکر شہید ہوا۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

مذہبی خدمات:

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس میں حد درجہ انہاک تھا لیکن تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کی قوت سے آپ نے خود ایک موقعہ پر اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی مگر اس نے جب باوجود ہدایت وترغیب کے انکار کیا تو فرمایا "لا اکراہ فی الدین" یعنی مذہب میں جبر نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے، تاکید کرتے تھے کہ جنگ سے پہلے لوگوں کے سامنے اسلام کے محاسن پیش کر کے ان کو اسلام کی دعوت دی جائے، اس کے علاوہ آپ نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت اور ارشاد سے، اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا، چنانچہ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا اور مسلمانوں کی اخلاقی برتری کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہوجاتے تھے رومیوں کا سفیر اسلامی کیمپ میں آیا تو سالارِ فوج کی سادگی اور بے تکلفی سے اتنا متاثر ہوا کہ دفعتہً قوم اور خاندان سے الگ ہوکر مسلمان ہوگیا۔ مصری حکومت کا ایک بڑا رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کی کشش محسوس کرنے لگا اور آخر دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

وہ عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد تھے اور عیسائی ہوگئے تھے، نسبتاً

آسانی سے اسلام کی جانب مائل کیے جاسکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا، چنانچہ اکثر قبائل نے معمولی سی کوشش سے اسلام قبول کرلیا تھا، مزید اسلامی فتوحات کی کثرت نے بھی اس خیال کو تقویت دی کہ مسلمانوں کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے چنانچہ بہت سے لوگ اسلام کی صداقت کے دل و جان سے قائل ہوگئے، فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردارِ فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینا چاہی تو اُس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ "یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا اُن کے ساتھ ہے اور ان سے لڑنا بے کار ہے"۔

اسی طرح ۱۶ھ کے آخر میں جب جلولا فتح ہوا تو بہت سے رؤسا برضا ورغبت مسلمان ہوگئے، جن میں جمیل بن بصبہری، بسطام بن ترسی، رفیل اور فیروز جیسے نامور اور صاحب اختیار لوگ بھی تھے، عراق کی طرح شام اور مصر میں بھی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے، چنانچہ شہر فسطاط میں ایک بڑا محلّہ تو مسلموں کا تھا، غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کثرت سے اسلام پھیلا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ دینِ حنیف کی آئندہ اشاعت کے لئے راستہ صاف کر گئے۔

(الفاروق حصہ دوم)

شعبہ تعلیم۔ خدمتِ قرآن:

خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بڑی اشاعت کی، مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے، اس لئے اس کی حفاظت تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا اس میں شک نہیں کہ تدوین قرآن کا لازوال فخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے مقدر ہوچکا تھا

تاہم اس کا خیال سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے دماغ میں آیا، اس کے بعد انہوں نے اپنے دور میں تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے لئے مکتب قائم کئے اور ان کے لئے تنخواہ دار معلم مقرر فرماتے ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

حفاظِ قرآن کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لئے بھیجا، چنانچہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابوالدرد رضی اللہ عنہ کو شام بھیجے گئے، اُنہوں نے حمص، فلسطین اور شام میں درس جاری کئے، مزید قرآن شریف کو صحت کے ساتھ پڑھنے اُور پڑھانے کے تاکیدی احکام جاری فرمائے، بدّوؤں کے لئے قرآن حکیم کی تعلیم ایک گونہ جبری تھی، ایک معلم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ معہ چند آدمیوں کے اس کام پر مقرر کئے گئے تھے کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن حکیم کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اُسے سزا دیں سورہ بقرہ، سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ حج، اور سورہ نور کا جن میں احکام ہیں یاد کرنا ضروری قرار دیا، ایسی تدابیر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور میں قرآن کی تعظیم ایسی عام ہوگئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار کیا، حافظوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حدیث کی خدمات:

اُصول اسلام میں قرآن کے بعد حدیث نبوی ﷺ کا درجہ ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاش، حفاظت اور اشاعت کا بھی انتظام کیا، احادیث نبوی ﷺ کو نقل کرا کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو، حفاظِ قرآن حدیث صحابہ کو کو حدیث کی تعلیم دینے کے لئے مختلف مقامات پر

بھیجا، اُن میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بصرہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ کو شام روانہ کیا، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والئ شام کو لکھا کہ ان کے علاوہ دُوسرے کی احادیث قبول نہ کی جائیں۔ (تاریخِ اسلام حصہ اوّل ندوی)

آپ کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت اور سلطنت کی روز افزوں وُسعت کے پیشِ نظر آئے دن نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے تھے چنانچہ جب ایسی صورتِ حال پیش آتی تو آپ صحابہ سے دریافت فرماتے کہ اس کے متعلق انہیں کوئی حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہے، اس طریقہ سے احادیث کا اچھا حصہ جمع ہوگیا اور حدیثوں کی بڑی اشاعت ہوئی۔ (ایضاً)

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عادل ہیں، تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ خصائص بشری سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں، اس لئے آپ اشاعتِ حدیث کے ساتھ ساتھ روایات قبول کرنے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے اور بغیر شہادت کے کسی کی روایت قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ کسی کام میں مشغول تھے، چنانچہ وہ تین دفعہ سلام کر کے واپس چلے گئے، کام سے فراغت کے بعد آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور واپس چلے جانے کا سبب پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اجازت مانگو، اگر اس پر بھی نہ ملے تو واپس چلے جاؤ، فرمایا اس کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دُوں گا، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو شہادت میں پیش کیا، اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے سقط (یعنی کسی عورت کے

حمل ضائع کر دینے) کے مسئلہ میں ایک حدیث بیان کی، آپ نے شہادت طلب کی اور جب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تسلیم کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو کثرتِ روایات سے بھی نہایت سختی سے روکتے تھے، چنانچہ حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو عراق روانہ کرتے وقت خاص طور سے ہدایت کی کہ تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونجتی رہتی ہے، ایسا نہ ہو کہ تم ان کو قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف لگا دو، اسی طرح آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو روایت حدیث سے روک دیا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حافظِ حدیث تھے اس لئے وہ روائتیں بھی کثرت سے بیان کرتے تھے، ایک دفعہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور میں بھی اسی طرح روایت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اگر اس زمانہ میں ایسا کرتا تو دُرّے کھاتا۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

اس ضمن میں آپ نے ایک بڑی نکتہ سنجی یہ فرمائی کہ احادیث کی اہمیت کے اعتبار سے ان کے مراتب کو ملحوظ رکھا، چنانچہ آپ نے ان ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جن کا تعلق عبادات، معاملات اور اسلام کے علمی نظام سے تھا، باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتناء نہیں کیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے دور میں اکثر احادیث کم روایت ہوئیں تاہم جس قدر ہوئیں وہ آمیزش سے بالکل پاک ہیں۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

فقہ کی خدمت:

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے اور عملی زندگی میں زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے، خصوصیت سے عہدِ فاروقی میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے، اس لئے اس زمانہ میں علم فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بالمشافہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں فقہی مسائل بیان کرتے تھے اور اضلاع کے حکام اور افسران کو فقہی مسائل لکھ کر بھیجتے تھے، اختلافی مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے، اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ چونکہ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کی تقرری میں عالم اور فقیہہ ہونے کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔

عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لئے تمام ممالک محروسہ میں مستقل فقہاء مقرر کیے تھے جو مذہبی احکام کی تعلیم دیتے تھے، صرف بصرہ میں دس بزرگوں کو اس کام پر مقرر کیا۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہا کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں تھیں جبکہ ان سے پہلے فقہا اور معلمین کو تنخواہیں دینے کا کوئی رواج نہ تھا، غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تعلیم کا نہایت منظم اور جامع انتظام تھا۔

تعمیر مساجد:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں اور ان کے لئے تنخواہ دار امام اور موذن مقرر کیے، شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے، کوفہ میں ہر قبیلہ کے لئے

علیحدہ علیحدہ مسجد تعمیر کرائی، اس طرح آپ کے دَور میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل)

حرم محترم کی عمارت ناکافی تھی، ۱۷ھ میں اس کو وسیع کیا اور احاطہ کی دیواریں بنوائیں، غلافِ کعبہ کے لئے ایک نہایت عمدہ کپڑے قباطی کو رواج دیا جو مصر میں بنا جاتا تھا، مسجدِ نبوی ﷺ کو بھی نہایت وُسعت دی، پہلے اس کا طول ۱۰۰ گز تھا جسے بڑھا کر ۱۴۰ گز کردیا اور عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ کیا، مزید مسجد کے ساتھ ایک کونے میں چبوترہ بنوادیا کہ جس کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں چلا جائے۔ مسجدوں میں فرش اور روشنی کے لئے مکمل انتظام کیا حجاج کی راحت و آسائش کا بھی پورا انتظام تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ہر سال حج کے لئے جاتے اور خبر گیری کی خدمت انجام دیتے۔ (الفاروق حصہ دوم)

اجزاءِ احکام:

مذہبی احکام کا نفاذ اور اجراء بھی ایک ضروری چیز ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام خلفاء سے زیادہ اس کی ضرورت کا احساس کیا عہد نبوت ﷺ میں عورتیں مسجد میں آ کر نماز میں شریک ہوا کرتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ اس کو پسند نہ فرماتے تھے تاہم اس سے منع نہیں فرمایا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا راشاد ہے "تم لوگ خدا کی لونڈیوں کو خدا کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے بچوں کو روزہ کا عادی بنانے کے لئے ماہ رمضان المبارک میں ان کو روزہ رکھنے کا سختی سے حکم دیتے تھے، ایک دفعہ اس مبارک مہینہ میں ایک شرابی سامنے آ گیا تو اس پر حد جاری کرنے سے پیشتر فرمایا:۔

"ہمارے بچے تو روزہ سے ہیں تو بدمست ہے افسوس"!

بارش کم ہوتی تو نمازِ استسقا پڑھاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دُعا مانگتے تھے، دُعا یہ تھی:۔

''مولیٰ کریم! ہم پہلے اپنے پیغمبر ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے اور تو ہم کو سیراب کرتا تھا اور اب ہم اپنے پیغمبر ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو ہم کو سیراب کر''۔

راوی کا بیان ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہ دُعا کرتے تھے، قحط سالی دُور ہو جاتی تھی اور پانی برستا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے دورِ اقدس میں لوگ رمضان المبارک میں راتوں کو نمازیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی فضیلت بیان فرمائی تھی چنانچہ یہی طریقہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آغازِ خلافت تک قائم رہا۔ ایک رات ماہِ رمضان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر نمازیں پڑھ رہے ہیں، کوئی تنہا پڑھ رہا ہے اور کسی کے پیچھے دو چار آدمی کھڑے ہیں اور اس کی اقتداء کر رہے ہیں، یہ دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے فرمایا ''میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری پر مجتمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہے''۔ چنانچہ جب خیال پختہ ہوا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام مقرر فرمایا، اور کسی دُوسری رات کو نماز کا نظارہ کرنے کے لئے نکلے، حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بھی ساتھ تھے، ایک قاری کے پیچھے لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا:۔

''یہ کیسی اچھی بدعت ہے لیکن جس میں یہ لوگ سوتے ہیں وہ اس سے افضل ہے جس میں نماز پڑھتے ہیں''۔ (مشکوٰۃ)

یعنی رات کا پچھلا حصہ اگلے حصہ سے افضل ہے اس لئے عبادت اُس میں کرنی چاہیے یہی "بدعت حسنہ" نمازِ تراویح کے نام سے مشہور ہے اور مسلمانوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک خاص احسان سمجھا جاتا ہے، رمضان المبارک میں مساجد کی آبادی کا سب بڑا ذریعہ یہی نماز ہے۔

نماز کی امامت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پنجگانہ، جمعہ اور عیدین کی امامت خود کرتے تھے، اور لوگوں کو فرائض و سُنن کی تعلیم دیتے تھے آپ جمعہ کی نماز آفتاب ڈھلنے کے فوراً بعد پڑھاتے تھے جُمعہ کی اذان اس وقت ہوتی جب آپ منبر پر آ کر ٹھہر جاتے، آپ کے آخری ایام میں جب لوگ زیادہ ہوگئے تھے، کئی کئی موذن اذان دیتے تھے خطبہ میں اکثر احادیث پڑھتے کبھی کبھی مذہبی اور سیاسی مسائل بیان کرتے اور کبھی صرف قرآن مجید کی کوئی سورت تلاوت کرتے تھے، عید کی نماز پہلے پڑھاتے اور خُطبہ نماز کے بعد پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ عید الضحیٰ میں یہ خُطبہ دیا:۔

"لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ان دونوں عیدوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، ان میں سے تو روزوں کے افطار کا دن ہے اور دُوسرا اس لئے ہے کہ قربانی کا گوشت کھاؤ"۔ (ایضاً)

امارتِ حج:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود امیر الحج ہوتے تھے اور عام طور پر لوگوں کو حج کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے، آپ کا قول تھا۔ "حج کے لئے کجاوے کسو، کیونکہ وہ بھی ایک جہاد ہے"۔

خدا کے شہر میں پہنچتے تو جلالِ الٰہی سے لبریز ہوتے تھے، صحیح روایات

کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ منیٰ میں اپنے خیمہ کے اندر تکبیر کہتے تھے، ان کی آواز پر مسجد میں لوگ تکبیر کہتے تھے اور پھر بازاروں سے تکبیر کی آواز سنائی دیتی تھی، یہاں تک کہ تمام منیٰ تکبیر کے شور سے گونج اٹھتا تھا، آپ طواف نمازِ صبح کے بعد کرتے، پھر سوار ہو کر ذی طویٰ جاتے جو حرم سے باہر ایک مقام ہے، وہاں پہنچ کر طواف کی دو رکعتیں اور فرماتے، واپسی پر محصب میں قیام ہوتا۔

آپ نے حج کے سلسلہ میں بعض انتظامات بھی کئے، مثلاً جب کوفہ اور بصرہ فتح ہوئے تو وہاں کے لوگ آئے اور کہا یا امیر المومنین رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ نے نجد والوں کے لئے قرن احرام باندھنے کی جگہ مقرر فرمائی تھی جو ہمارے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور اگر ہم قرن جا کر احرام باندھیں تو ہمیں بڑی دشواری پیش آئے گی، آپ نے فرمایا ''تم ایسے راستے کا کوئی مقام بتاؤ جو اس کے مقابل واقع ہو'' اسکے بعد ان لوگوں کے لئے ذاتِ عرق احرام باندھنے کے لئے تجویز فرمایا۔

متفرق انتظامات:

ملکی فوجی اور مذہبی انتظامات کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جو اگر چہ کسی عنوان کے تحت نہیں آتے تاہم ان کا ذکر نہایت ضروری ہے، ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اس کی ضرورت سے سن وسال کا قائم کرنا ہے۔

اسلام میں اب تک کوئی سنہ نہ تھا، لوگ عام واقعات کو یاد رکھنے کے لئے بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا پھر عام الفیل قائم ہوا، پھر عام الفجار اور اس کے بعد مختلف سنہ قائم ہوئے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مستقل

سنہ جاری کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری کی ابتدا کے متعلق مورخین نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک چیک پیش ہوئی جس پر صرف شعبان کا لفظ درج تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ اس سے گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ چنانچہ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں تمام اکابر صحابہ کے علاوہ ہرمزان بھی شامل تھا اس مسئلہ پر سب نے رائے دی، اور آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق یہ طے پایا کہ سنہ کی ابتدا ہجرت نبوی ﷺ سے کرنی چاہیے، لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ربیع الاوّل میں ہجرت فرمائی تھی اور عرب میں سال کا آغاز محرم سے ہوتا تھا اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے سے دو ماہ اور آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا گیا اور ۲۰ جمادی الثانی ۱۷ھ بمطابق ۹/۱۲ جولائی ۶۳۸ء باقاعدہ سنہ ہجری جاری ہو گیا۔

(رحمتہ للعالمین جلد دوم)

ملکی حالات سے واقفیت کے لئے ملک کے ہر حصہ میں پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے جن کے ذریعے سے ملک کا کوئی واقعہ مخفی نہیں رہنے پاتا تھا۔ مورخ طبری کے مطابق "حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی، عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب ان کو لکھا جاتا تھا"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت دُنیا کے وسیع خطوں پر پھیلی ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود جب دُور دراز ممالک سے وفود آتے تھے اور آپ نام بنام لوگوں کو پکارتے تو حاضرین کو تعجب ہوتا تھا۔

محکمہ خبر رسانی کی سرگرمیوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ میسان

کے حاکم نعمان بن عدی نے عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر اپنی بیوی کو خط میں ایک شعر لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"غالباً امیر المومنین رضی اللہ عنہ بُرا مانیں گے کہ لوگ محلوں میں رندانہ صحبتیں رکھتے ہیں"۔ اس محکمہ کی بدولت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس راز و نیاز کی بھی خبر ہوگئی، چنانچہ آپ نے ان کو معزول کر دیا اور لکھا "ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی"۔ (تاریخ طبری)

ذمیوں کے حقوق:

مورخین کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمی رعایا کے ساتھ جو سلوک کیے اور ان کو جو حقوق عطا فرمائے وہ آج متمدن سلطنت میں بھی رعایا کو حاصل نہیں۔

آپ نے ذمیوں کو کبھی غلام اور ماتحت نہیں سمجھا بلکہ ان کو وہ درجہ دیا جو دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں کا ہوتا ہے، اسی بناء پر جب آپ بسترِ مرگ پر تھے آئندہ خلیفہ کو یہ وصیت فرمائی:۔

"اور میں اُس کو ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول اللہ ﷺ کا ذمہ دیا گیا ہے، کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور اُن کی حمایت میں لڑا جائے، اور ان کو اُنکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"۔

ذمیوں کو مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل تھی، البتہ جن رُسوم سے اعلانیہ اسلام کی توہین ہوتی تھی اُن کے اظہار کی ممانعت تھی، مثلاً مجوس محارم کے ساتھ نکاح کرتے تھے، اس بناء پر حکم دیا۔ "مجوس کے ذمی محرم کے درمیان تفریق کرو"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً اپنے عمال کو ذمیوں کے معاہدوں کی پابندی کی تاکید کرتے رہتے تھے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فاتح شام کو لکھا:۔

"مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پورا کرو"۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل)

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے قصاص لیتے تھے، ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا، اُنہوں نے اس کی گردن ماردی۔

ذمیوں کی املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا معاوضہ دلاتے تھے، ایک دفعہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت پامال کر دی آپ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا۔ (ایضاً)

غلامی کا رواج کم کرنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگرچہ غلامی کا انسدادِ کلی نہیں کیا اور شاید ایسا کر بھی نہیں کر سکتے تھے، تاہم ایسے وسائل اختیار کئے جن سے غلامی کا دائرہ نہایت محدود ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور میں گو عظیم الشان فتوحات ہوئیں لیکن غلامی کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ وسیع نہ ہو سکا بلکہ آپ نے مختلف طریقوں سے اس رواج کو کم کر دیا اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی، غلامی نہ رہی، بلکہ برابری اور ہمسری ہو گئی۔

غلاموں کی آزادی کا ایک طریقہ تھا جس کو "مکاتبت" کہتے تھے، یعنی غلام اور آقا میں ایک معاہدہ طے پا جاتا تھا کہ اتنی مدت میں اس قدر رقم ادا کر دینے پر غلام آزاد ہو جائے گا، یہ قاعدہ قرآن مجید میں موجود ہے، لیکن صحابہ

اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا، چنانچہ جب سیرین نے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، اُن سے مکاتبت کی درخواست کی اور اُنہوں نے دولت مند ہونے کی بنا پر انکار کیا، تو سیرین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو مکاتب بناؤ۔ اور ان کے انکار پر آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دُرّہ لگائے اور یہ آیت پڑھی:۔

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا۔ (سورہ نور)

ترجمہ: تم ان کو مکاتب بناؤ اگر ان میں بھلائی دیکھتے ہو۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور سیرین آزاد ہو گئے۔

لاوارث بچوں کو نہایت آسانی کے ساتھ غلام بنایا جا سکتا تھا، لیکن اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قانون بنادیا اللقیط حر۔ یعنی پڑے ہوئے بچے آزاد ہیں، مؤرخین کے مطابق عرب میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلامی کا کلی استیصال کردیا تھا اور اس ضمن میں آپ کو اس قدر اہتمام تھا کہ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی ان لوگوں کو آزاد کردیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قبائل مرتدہ سے لونڈی غلام بنائے گئے تھے نیز اس کے ساتھ یہ اُصول قائم کردیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ (الفاروق حصہ دوم)

غلامی کو روکنے کے متعلق ان کارناموں کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو، جو غلام بنائے گئے تھے، وہ مراعات دیں کہ غلامی ہمسری کے درجہ تک پہنچ گئی، فوجی انتظامات کے ضمن میں یہ بیان کیا جا چکا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے جب غزوہ بدر وغیرہ کے مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کو بھی ان کے برابر تنخواہیں دیں اور اس کے بعد کی تمام کاروائیوں میں بھی یہی اُصول ملحوظ رکھا، آپ اضلاع کے عمّال کو غلاموں سے بہتر سلوک کی تلقین کرتے رہتے اور ہمیشہ اُن کے سلوک کے متعلق پوچھتے رہتے تھے، اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی عامل غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا تو صرف اسی جرم پر اس کو معزول و موقوف کر دیتے تھے، آپ اکثر غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔

یہ اسلام کی انسانیت نوازی اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ غلامی، آقائی اور ہمسری بن گئی تھی، غلامی کو گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود بانی اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔

سیاست و تدبیر امن و امان:

تاریخ عالم گواہ ہے کہ سیاست و تدبیر کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف خلفائے راشدین پر، نہ صرف سلاطین اسلام پر، نہ صرف شاہانِ عظام پر، بلکہ بلا استثناء تمام فرمانروایان عالم پر ایسی فضیلت رکھتے ہیں جس کا اعتراف ہر دور کے مورخین نے کیا ہے اور آج جبکہ علم التاریخ اپنے اُصول وضوابط میں بے انتہا وسیع ہو گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی عظمتیں اسی طرح قائم ہیں جس طرح یہ روزِ اوّل میں قائم تھیں، اس کا سبب آپ کا وہ طریقہ حکمرانی ہے جو ساڑھے دس سال تک اسلامی مملکت کے طول و عرض میں امن و امان اور عدل و انصاف کی سعادتوں سے ہر شخص کو نوازتا رہا اور بلا تفریق مذہب و ملت مملکت کے

ہر فرد کو جینے کا حق دیتا رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت مصر کے انتہائی حدود سے لے کر اقصائے خراسان و سیستان تک پھیلی ہوئی تھی، جس میں عربی، فارسی، شامی، عراقی، حبشی، قبطی، غرضیکہ ہر قوم اور ہر نسل کے لوگ رہتے تھے، مذہب کے لحاظ سے بھی ان میں کچھ کم اختلاف نہ تھا، قومی حیثیت سے ایران اور رُوم کا ایک ایک فرد مسلمانوں کو رشک وحسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا تاہم اوراقِ تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں نقص امن اور ذرہ اضطراب کا شائبہ تک ہو۔ خود جزیرۃ العرب کا وسیع ریگستان جس کا ذرہ ذرہ قتل وغارتگری، خونریزی وبدامنی، ہیجان وانتشار کی خبر دیتا تھا، ایک ایسا معمورہ امن بن گیا تھا جس میں سکون وآشتی کا دَور دورہ ہو، یہی وہ حالت تھی جس کی نسبت حضور سرورِ کائنات ﷺ نے چند سال قبل حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا۔

''اے عدی (رضی اللہ عنہ) کیا تم نے حیرا دیکھا ہے''؟ اُنہوں نے عرض کیا ''نہیں، البتہ وہاں کے حالات جانتا ہوں''، ارشاد ہوا، ''اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک پردہ نشین عورت تنہا حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرے گی اور خدا کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا''، اس وقت تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ قبیلہ طے کے وہ قطاع الطریق، جنہوں نے ہر طرف فساد کی آگ مشتعل کر رکھی ہے کہاں جائیں گے؟ لیکن ان کے اس سوال کا جواب عملی طور پر اس وقت ملا جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور میں حیرہ فتح ہوا، اور پھر حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا انہی کی زبان سے سنیئے، فرماتے ہیں:۔

''میں نے دیکھا کہ ایک پردہ نشین عورت تنہا حیرہ سے چلتی تھی اور کعبہ کا

طواف کرتی تھی، اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ تھا"۔

یہ ہے عہد کے امن و امان کی ایک جھلک جو تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد کہلاتا ہے بے شبہ یہ نبوتِ عظمیٰ کا ایک واضح اور بین معجزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کا عظیم الشان کرشمہ تھا، کہ لق و دق بیابانوں اور دُشوار گزار ریگستانوں میں ایسا امن و امان قائم ہوا، جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔

انصاف میں مساوات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے تمام بیجا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا، بلند و پست، شریف اور کرذیل اور عزیز و بیگانہ کو ایک سطح پر کر دیا تھا، اور اس کا علمی نمونہ خود ان کی ذات تھی، امیر المومنین اور عام رعایا کے حقوق میں کوئی فرق نہ تھا آپ ہمیشہ اپنے عمال کو تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اور عام رعایا کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کریں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنوایا، آپ کو خبر ہوئی تو لکھ بھیجا "کیا تم پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اُوپر بیٹھو"۔

(الفاروق حصہ دوم)

ایک بار مدینہ کی چند عورتوں کو چادریں تقسیم کیں اور ایک عمدہ چادر باقی رہی بعض لوگوں نے رائے دی کہ یہ چادر رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ کو جو آپ کی صاحبزادی ہیں عنایت فرما دیجئے، آپ نے جواب دیا:۔

"حضرت اُم سلیط رضی اللہ عنہا! زیادہ حقدار ہیں کیونکہ وہ جنگ اُحد میں ہمارے لئے مشکیں سیتی تھیں"۔ (حضرت اُمّ سلیط رضی اللہ عنہا ایک انصاریہ اور قدیم الاسلام صحابیہ تھیں)

شام کا ایک فرمانروا "جبلہ بن ایہم غسانی" مسلمان ہوگیا تھا، اُس نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو تھپڑ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ نے امارت کے زعم میں کہا "ہم وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں! جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کردیا جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہوکر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو جو لوگ ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے ان کا خیال تھا کہ تنخواہ کے تقرر میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے تمام خیالات غلط کردیئے، آپ نے جاہ و عظمت، شہرت و ناموری کی تمام خصوصیات مٹا کر اسلامی خدمات کی بنیادوں پر تنخواہیں مقرر کیں اور اصحابِ بدر کو سب پر مقدم رکھا، اس ضمن میں اس قدر انصاف کیا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا اپنا وظیفہ بھی اصحابِ بدر سے زیادہ نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ اس مقدس گروہ میں شامل تھے اس لئے تمام اصحابِ بدر کی طرح آپ کو بھی پانچ ہزار کی رقم ملتی تھی۔

مہاجرین اوّلین کے وظائف چار، چار ہزار سالانہ کے حساب سے مقرر کیے تھے لیکن جب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو ساڑھے تین ہزار کا وظیفہ مقرر کیا اور یہ تفریق کی کہ جو خود ہجرت کر کے آیا ہو اور جس نے ماں باپ کے ساتھ ہجرت کی ہو دونوں برابر نہیں ہوسکتے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہجرت کی تھی اس لئے ان مہاجرین کے مساوی درجہ نہ پاسکے جو خود ہجرت کر کے آئے تھے،

فاروقی عدل و انصاف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ان کا ایوانِ عدل مسلمان، یہودی، عیسائی سب کے لئے یکساں تھا۔ عربسوس کے عیسائیوں کو ان کی متواتر یورشوں کی وجہ سے جلاوطن کیا گیا مگر اس طرح کہ ان کی تمام جائیداد کی قیمت دوگنا دی گئی، نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا گیا تو ان کے ساتھ بھی نہایت اچھا سلوک کیا گیا۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ضعیف ونزار آدمی کو گداگری کرتے دیکھا تو بھیک مانگنے کا سبب پوچھا، اُس نے کہا ''مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے حالانکہ میں بالکل نادار ہوں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے اپنے گھر لائے اور کچھ نقد مرحمت فرما کر مہتم بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذِمّی مساکین کے لئے بھی وظیفہ مقرر کیا جائے واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کی خبر گیری نہ کریں۔ (ایضاً)

فارُوقی رضی اللہ عنہ عدل و انصاف کی یہی وہ روشن مثالیں ہیں جو عہدِ نبوت کے بعد اس دَور کو تاریخ میں انفرایت عطا کرتیں اور بے نظیر بناتی ہیں یہ دَور اگرچہ زمانہ بعد کے حکمرانوں اور فرمانرواؤں کے لئے قابل تقلید رہا مگر یہ ایک تاریخی سانحہ ہے کہ اس دَور کو پھر دہرایا نہ جاسکا اور نہ ہی انسانی دُکھوں کا مداوا، ان بنیادوں پر کیا جاسکا جو عہدِ فارُوقی رضی اللہ عنہ میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

علم و فضل:

اسلام سے قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چنداں رواج نہ تھا، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی زمانہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذاتی حیثیت سے نہایت ذہین، طباع، بالغ نظر، مدبر اور صائب الرائے تھے جاہلی اور اسلامی، دونوں علوم پر آپ کو یکساں کمال حاصل تھا۔ فصاحت و بلاغت انشاء و خطابت شاعری ونسابی سپہ گری اور بہادری وغیرہ تمام اوصاف وکمالات میں، جو عرب میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے، آپ کو وافر حصہ ملا تھا، آپ کے فرامین، خطوط، توقیعات اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں ان سے آپ کی قوتِ تحریر اور برجستگی کلام اور زورِ تحریر کا اندازہ ہوتا ہے بیعت خلافت کے بعد جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کے چند فقرے یہ ہیں:۔

"اے خدا میں سخت ہوں تو مجھ کو نرم کر، میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے، ہاں، عرب والے سرکش اُونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا"۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط کے چند فقروں سے قوتِ تحریر کا اندازہ لگایئے، فرماتے ہیں:۔

"اما بعد مضبوطی عمل کی یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑو، ایسا کرو گے تو تمہارے پاس بہت سے کام جمع ہو جائیں گے، پھر پریشان ہو جاؤ گے کہ کس کو کریں اور کس کو چھوڑیں، اس طرح کچھ بھی نہ ہو سکے گا"۔

شاعری کا نہایت بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، خود اگرچہ بہت کم شعر کہتے تھے تاہم شعرائے عرب کے کلام پر تنقیدی نگاہ رکھتے تھے، ابن رشیق کا بیان ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں شعر کے سب سے بڑے ناقد اور ادا شناش تھے"۔ مشہور ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ "(حضرت) عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد کے سُخن سنج تھے"۔ آپ کو عرب کے بڑے بڑے شعراء کا کلام حفظ تھا اور اس بنا پر ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔ جاہلی شعرا میں سے امراء القیس، نابغہ اور زہیر کو اور ان تینوں

میں سے زہیر کو زیادہ پسند کرتے تھے اس ضمن یہ امر خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ آپ نے عرب شاعری کی بڑی اصلاح کی، آپ نے عربی شعراء کو عورتوں کا نام لے لے کر عشق و محبت کی داستانیں بیان کرنے اور لوگوں کی ہجو کرنے سے منع کر دیا تھا۔

فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ آپ کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے، جو آج بھی ادبِ عربی کی جان ہیں، علم الانساب میں بھی یدطولیٰ حاصل تھا یہ علم کئی پشتوں سے آپ کے خاندان میں چلا آتا تھا، آپ کے والد خطاب قریش کے مشہور نساب تھے جاحظ کے بیان کے مطابق نسب کے متعلق تمام معلومات اپنے والد ہی کے حوالہ سے بیان کرتے تھے۔

لکھنے پڑھنے کا ذوق آپ کو ابتداء سے ہی تھا اور اس زمانہ سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، جبکہ قریش میں چند آدمی ہی پڑھے لکھے تھے، اور یہ شاید اسی ذوق کی وجہ سے تھا کہ آپ نے مدینہ پہنچ کر عبرانی زبان سے اچھی خاصی وقفیت پیدا کر لی تھی۔ مسند دارمی میں ہے کہ ایک مرتبہ توریت کا ایک نسخہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور پڑھنا شروع کیا، آپ پڑھتے جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ (سنن داری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذہانت طباعی اور اصابت رائے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ آپ کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں، اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز سے قائم ہوا، اسیرانِ بدر کے متعلق آپ کی رائے کو وحی الٰہی کی تائید حاصل ہوئی، شراب کی حرمت، ازواج مطہرات کے پردہ اور مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے میں قرآن حکیم نے آپ کی رائے کی تاکید کی،

قرآن پاک کے احکام و مسائل میں آپ بڑا فکر و تدبر کرتے تھے اور جو

پیچیدہ مسائل حل نہ ہوتے انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے کلالہ کی وراثت کا مسئلہ آپ نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جلال میں آکر فرمایا کہ اس بارہ میں سورہ نساء کی آخری آیت کافی ہے، اسی طرح آپ نے سفر میں قصر نماز کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جب راستے مامون ہوگئے ہیں، تو اب سفر میں یہ حکم باقی ہے؟ حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "یہ خدا کا انعام ہے"۔

اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شمار کثیر الروایہ صحابہ میں نہیں ہے اور آپ سے مرفوع روایات کی تعداد ستر سے زیادہ نہیں تاہم اس سے نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ صرف اسی قدر احادیث سے واقف تھے، حیثیت یہ ہے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں جس قدر احکام صادر فرمائے وہ سب احادیث سے ہی ماخوذ ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث کے علم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا اور اس ضمن میں آپ کسی بڑے سے بڑے محدث صحابی سے کم نہ تھے۔ تاہم آپ نے کلامِ رسول ﷺ کو بیرونی آمیزش سے پاک رکھنے کا شدت سے اہتمام کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا۔

مورخین کے مطابق جب تک آپ کو حدیث کے لفظ پر یقین نہ ہو جاتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے، آپ اس وقت تک قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ قطعی طور پر زبان سے نہیں نکالتے تھے۔ (سیر الصحابہ جلد اوّل)

یہی سبب تھا کہ آپ خود بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے اور دوسروں کو کثرت روایت سے روکتے تھے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ڈر سے کہ صحابہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت

کرنے میں غلطی نہ کریں ان کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے کم روایت کریں۔"

علم فقہ:

فقہ میں آپ کا مقام اتنا بلند تھا کہ اس سلسلہ کو آپ ہی کا ساختہ پرداختہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اساطین فقہ میں ہیں آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے زمانہ میں ہزاروں نئے مسائل پیش آئے جنہیں آپ نے اپنی قوت اجتہاد سے حل کیا آپ کے فقہی مسائل کی تعداد کئی ہزار ہے جن میں ایک ہزار مہمات مسائل ہیں۔ آپ نے اُصول فقہ کا فن ایجاد کر کے صرف جزئیات کی تدوین نہیں کی، بلکہ تفریح و استنباطِ مسائل کے اُصول و ضوابط بنا کر آئندہ آنے والوں کے لئے اجتہاد فکر کی ایک وسیع شاہراہ بھی قائم کر گئے۔ مورخین کے مطابق مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لئے اجماع صحابہ جس کثرت سے عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں ہوا پھر نہیں ہوا۔

اخلاق و عادات:

پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد دُنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چونکہ براہ راست اس سرچشمہ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا، اس لئے اس مقدس جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا، یہی حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا، بلکہ بارگاہِ نبوت میں تقربِ خاص کی بناء پر آپ کو اس ضمن میں کچھ زیادہ ہی حصہ ملا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ آئینہ اخلاق میں خلوص، انقطاع الی اللہ لذا عمدِ دُنیا سے اجتناب

حفظِ لسان حق پرستی راست گوئی تواضع اور سادگی کا عکس سب سے نمایاں نظر آتا ہے، یہ اوصاف آپ میں ایسے راسخ تھے کہ جو شخص بھی آپ کی صحبت میں بیٹھا وہ بھی کم وبیش متاثر ہو کر اسی رنگ میں رنگ جاتا تھا، حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھیں۔

خشیتِ الٰہی:

تمام محاسنِ اخلاق کا سرچشمہ خوفِ خدا ہے اور یہ خوف حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے رگ وپے میں اس قدر سمایا ہوا تھا کہ آپ مواخذاہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے، آپ فرمایا کرتے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا سب دُنیا جنت میں داخل ہوگی تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اُٹھا کے فرمایا کہ کاش میں بھی خس وخاشاک ہوتا کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ ایک بار آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''کیوں ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کے طفیل برابر چھوٹ جائیں نہ عذاب ملے نہ ثواب''۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں تو اس پر راضی نہیں ہوں، ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں اس لئے صلہ کی اُمید رکھتے ہیں''۔ آپ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی جان ہے میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤں''۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل)

آیاتِ قرآنی سے تاثر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خشوع وخضوع کے ساتھ رات بھر نمازیں پڑھتے، نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے تھے جن میں قیامت کی ہولناکی اور خدا کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا اور اس سے قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا۔لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ "قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ" پڑھ کر اس روز سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ جب اس آیت پر پہنچے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ. (سورہ الطور)

ترجمہ: تیرے رب کا عذاب یقینی ہو کر رہنے والا ہے، اس کو کوئی رفع کرنے والا نہیں۔

تو بہت متاثر ہوئے اور روتے روتے آنکھیں سُوج گئیں۔

محبت رسول ﷺ اور اتباع سنت:

ایمان باللہ کے بعد مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ حب رسول ﷺ ہے، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تہذیب نفس اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہونے کے لئے اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کی خالص محبت اور اتباع سنت کا صحیح جذبہ پیدا کرے جو دل اس محبت سے خالی اور جو قدم اسوہ حسنہ کے جادہ مستقیم سے ہٹا ہوا ہو وہ کبھی سعادتِ کونین کی نعمت سے متمتع نہیں ہوسکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے جو محبت تھی اس کو انہوں نے خود بیان فرمایا ہے اس بنا پر وہ ہمارے استنباط سے بالاتر چیز ہے،

ایک بار دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت ﷺ میں عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مجھ کو جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں''۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تک میں تم کو تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں'' اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''خدا کی قسم اب آپ ﷺ مجھ کو جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ اب تمہارا ایمان مکمل ہے۔ (بخاری شریف)

اس گفتگو سے جو خود رسول اللہ ﷺ سے ہوئی معیارِ محبت ظاہر ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حُبِ رسول ﷺ میں کیا درجہ حاصل تھا؟ یہ وُہ درجہ تھا جس کے کامل اُور تام ہونے کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے دی اور جو (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا) کسی صحابی کو حاصل نہ ہوسکا ''و کفاہ ذلك فخرا''

رسول اللہ ﷺ کو جان، مال اور اولاد سے زیادہ عزیز رکھنے کا یہ اثر تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر کمر بستہ رہتے تھے، اور اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف کوئی بات کرتا تو آپ کی تلوار نیام سے باہر نکل پڑتی تھی۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے جو اصحابِ بدر میں سے تھے، ایک خاص سبب سے مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے بعض ارادوں سے مطلع کرنے کے لئے خط لکھا، جب خط راستے میں پکڑا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیتاب ہوگئے اور حضور پرُنور ﷺ سے کہا ''مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس منافق کا سر اُڑا دوں''۔

(معارج النبوت)

ذُوالخویصرہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ عدل کریں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپے سے باہر ہوگئے اور بارگاہِ نبوت ﷺ میں عرض کی "مجھ کو اِذن دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمالِ نبوت ﷺ کے سچے شیدائی تھے، آپ کو اس بارہ میں جان، مال، اولاد، عزیز و اقارب، غرض کسی قربانی سے دریغ نہ تھا معرکہ بدر میں عاص بن ہشام، جو آپ کے ہاتھ سے مارا گیا اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے ناراض ہوکر چند دنوں کے لئے ان سے علیحدگی اختیار کرلی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوت پر حاضر ہوئے، لیکن جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی باریابی کی اجازت نہ ملی تو پکار کر عرض کیا، "خدا کی قسم میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں، اگر رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو اس کا سر قلم کردوں"۔

رسول اللہ ﷺ کی وصال باکمال کے وقت غلبہ محبت میں آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی تھی اس کا ذکر اُوپر گزر چکا ہے، آپ کے وصال کے بعد جب کبھی عہد مبارک یاد آجاتا تو روتے روتے بیتاب ہوجاتے تھے شام کے سفر میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہوگئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے گھر میں گئے، دیکھا کہ حضور ﷺ کھردری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں، سر مبارک کے نیچے چمڑہ کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے، پاؤں کے پاس دباغت کا سامان رکھا ہے اور سرہانے کئی چمڑے لٹک رہے ہیں آپ نے شہنشاہِ کونین ﷺ کے گھر میں جب یہ سامان دیکھا اور پہلوئے مبارک میں بانوں کی بدھیاں پڑی ہوئی نظر

آئیں تو آبدیدہ ہو گئے، سرورِ کائنات ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا، عرض کی کسریٰ و قیصر دنیا کی زینت و نعمت میں بسر کرتے ہیں آپ ﷺ خدا کے رسول ﷺ ہیں (اور معیشت کا یہ سامان ہے) حضور ﷺ نے فرمایا "کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اُن کے لئے دُنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت"۔ (مدارج النبوۃ)

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے اس تعلق کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپ کسی کام میں سنت نبوی ﷺ سے تجاوز نہ کرتے تھے، آپ خورد و نوش، لباس و وضع، نشست و برخاست غرض ہر چیز میں اُسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے اور اپنے عمال کو بھی پابندی سنت کے تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا کھایا معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ قسم کے کھانے دستر خوان پر لائے گئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی جان ہے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادہ مستقیم سے ہٹا دے گا"۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

اسلام میں شعائر اللہ کو تعظیم کا حکم ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے حجرا سود کو بوسہ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانہ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا تو اس خیال سے کہ پتھر کو بوسہ دینے سے مسلمانوں کو کبھی یہ دھوکا نہ ہو کہ اس میں بھی الٰہی شان ہے، اتباعِ سنت میں بوسہ تو دیا لیکن اس کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا "میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر میں رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو ہرگز بوسہ نہ دیتا"۔

(مدارج النبوۃ)

اسی طرح طواف میں رمل کا حکم مشرکین عرب کے دلوں میں رُعب ڈالنے کی مصلحت پر مبنی تھا، اس لئے جب مشرکین ہلاک ہوگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے مگر پھر رسول اللہ ﷺ کی یادگار کو ترک کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے چونکہ زندگی ہمیشہ فقر وفاقہ سے بسر کی تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رُوم وایران کی شہنشاہی حاصل ہونے کے بعد بھی فقر وفاقہ کی زندگی کو نہ چھوڑا۔ ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لئے اب آپ کو نرم کپڑوں اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جان پدر، تم رسول اللہ ﷺ کی عُسرت کی زندگی بھول گئیں، خدا کی قسم میں اپنے آقا ﷺ کے نقشِ قدم پر چلوں گا کہ آخر کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو''۔

محبت اہلِ بیت:

رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل بیت سے محبت کرتے اور ان کو اعلانیہ عظمت دیتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے عمِ محترم تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جب نماز استقا پڑھاتے تو ان کے وسیلہ سے دُعا مانگتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ پہلے ہم رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے اب ان کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:۔

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو تقرب کا درجہ عطا فرماتے تھے''۔

صدقاتِ نبوی ﷺ میں سے نخلستانِ بنو نضیر کا انتظام حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ غالب آگئے، اُن کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی (امام زین العابدین) بن امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت امام زید بن حسن رضی اللہ عنہ انتظام کرتے رہے۔

حُبِ متعلقینِ رسالت ﷺ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنابِ رسالت مآب ﷺ کے تمام متعلقین کا پاس ولحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے جب آپ نے صحابہ کے وظائف مقرر کرنے چاہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحیثیت امیر المومنین کے سب پر مقدم رکھے جائیں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کئے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنو ہاشم کو رکھا اور پھر ان میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا اس کے بعد بنی اُمیہ بنی عبدالشمس، نوفل، بنی عبدالعزیٰ یہاں تک کہ اپنے قبیلہ بنی عدی کو پانچویں نمبر پر رکھا۔ تنخواہوں کی تعداد میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔ سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھیں۔ اگرچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و امام حسین رضی اللہ عنہم ان میں سے نہ تھے تاہم رسول اللہ ﷺ کی ذرّیت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر مقرر کیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے مرتبہ، ان کے احترام اور آرام و آسائش کا خاص لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ان کی تنخواہیں سب سے زیادہ بارہ بارہ ہزار مقرر کیں، ۲۳ھ میں جب امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہرات کو نہایت ادب و

احترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرتؓ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو بدری تھے، زیادہ مقرر کی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عذر کیا تو فرمایا ''رسول اللہ ﷺ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو تجھ سے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے''۔ (الفاروق حصہ دوم)

شہر رسول ﷺ سے محبت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے بے انتہا محبت تھی، اس محبت کی بنیادوں میں بھی وہی حُبِ رسول اللہ ﷺ کام کر رہی تھی جس کا ذکر گزشتہ سطور میں کیا جاچکا ہے، مدینہ کو چونکہ رسول اللہ ﷺ کے دارالہجرۃ ہونے کا شرف حاصل تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر یہ دُعا فرمایا کرتے:۔

''مولیٰ کریم! مجھ کو اپنی راہ پر شہید کر اور مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر میں موت دے''۔ (مشکوٰۃ)

مدینہ میں مزارِ نبوی ﷺ سب سے متبرک مقام ہے اور صحیح حدیث کی رُو سے تختہ جنت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس خواب گاہ میں آرام فرمانے کی سب سے بڑی آرزو تھی، چنانچہ جب وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام کہلایا اور اُنہوں نے آپ کی درخواست منظور کی تو مقدس خلیفہ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے:۔

''خدا کا شکر ہے اس خوابگاہ سے زیادہ کوئی چیز میرے نزدیک اہم نہ

دی"۔ (تاریخ الخلفاء)

زُہد و قناعت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل اخلاق میں یہ عنوان سب سے زیادہ جلی او واضح نظر آتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ دُنیاوی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو اعزاز عطا کیا تھا اس کے ساتھ آپ نے جو زُہد و قناعت کی زندگی اختیار فرمائی اس کی نظیر انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی عظیم الشان خلیفہ یا بادشاہ کی زندگی میں نہیں مل سکتی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قدامتِ اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہے لیکن زُہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ دینا چاہتے تو وہ عرض کرتے کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند لوگ موجود ہیں جو اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے کہ اس کو لے لو پھر تمہیں اختیار ہے اپنے پاس رکھو یا صدقہ کردو، انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہیے۔ (مسلم)

آپ کی زندگی کا ایک رُخ یہ ہے کہ ایران پر فوجیں بھیج رہے ہیں، قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے باز پرس ہورہی ہے، فاتح مصر و ایران کے نام فرامین جاری ہورہے ہیں، اور دُوسرا رُخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا ہوا کرتہ ہے، سر پر پھٹا ہوا عمامہ پاؤں میں بوسیدہ چپل اور اسی حالت میں بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لئے کاندھے پر مشک ہے یا کسی وقت مسجد کے گوشہ میں کام سے تھک کر فرش

خاک پر نیند آ گئی ہے۔

سادگی:

سفر میں خیمہ وخرگاہ کا کوئی اہتمام نہ ہوتا تھا جہاں منزل ہوتی کسی درخت کے سایہ میں پڑ رہتے، آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگوں کو جن کی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈھتی تھیں، آپ کو پہچاننے میں دقت ہوتی تھی۔

شام کے سفر میں جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المومنین کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا خیال کریں گے، ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا، لیکن آپ نے فرمایا، خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے کافی ہے۔

مزاج کی شدت:

مزاج فطرتاً تند و تیز واقع ہوا تھا، اسلام سے پہلے تو قہرِ مجسم تھے، اسلام کے بعد بھی سختی قائم رہی اور بات بات پر تلوار نیام سے باہر ہو جاتی تھی، لیکن خلافت کا بار اُٹھانے کے بعد بہت نرم ہو گئے تھے پھر بھی کچھ کچھ اثر باقی تھا، اہل سیر کے مطابق یہ شدت حق و باطل کے درمیان ایک حدِ فاصل تھی، وہ مظلوم کے لئے نرم اور ظالم کے حق میں سخت ہوتے تھے، ان کی نرمی میں ضعف اور سختی میں جبر نہیں ہوتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی کے جتنے واقعات ہیں وہ سب حق کی حمایت کے ہیں ورنہ اپنی ذات کے لئے وہ نہایت بردبار اور متحمل تھے جب معاملاتِ ملکی میں لوگ آپ سے اختلاف کرتے اور معمولی معمولی بات پر ٹوکتے تو آپ اسے بڑے تحمل سے برداشت کرتے اور اَبرو پر شکن تک نہ پڑنے دیتے تھے، آپ خود فرمایا آتے تھے واللہ میرا دل اللہ تعالیٰ کے بارے میں نرم ہوتا ہے تو

جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہوتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے"۔ آپ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ آپکا غصہ اور لطف و رحم محض خدا کے لئے تھا، ذاتیات کو مطلقاً دخل نہ تھا۔

شفقت:

اگر چہ شفقت اور شدت دو متضاد اوصاف ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں شدت کے ساتھ شفقت بھی درجہ کمال تک موجود تھی، آپ رعایا پر شفقت کرتے تھے ذمیوں پر شفقت کرتے تھے اور غلاموں پر شفقت کرتے تھے۔

چراگاہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مویشیوں کو چرنے کی ممانعت تھی لیکن غرباء اس سے مستثنیٰ تھے۔ آپ نے چراگاہ کے مہتمم ہنی کو عام حکم دے رکھا تھا "اُونٹوں اور بکریوں کے چھوٹے چھوٹے گلے جو لوگوں کے پاس ہیں ان کو چراگاہ میں آنے دو"۔

عراق کی بیوہ عورتوں کی حالت کا یہاں تک خیال تھا کہ شہادت سے چار روز قبل فرماتے تھے:۔

"اگر خدا نے مجھ کو زندہ رکھا تو اہل عراق کی بیوہ عورتوں کی اس (مالی) حالت میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی شخص کی احتیاج باقی نہ رہے گی"۔

ذمیوں پر یہ شفقت تھی کہ جب یہود خیبر کو جلاوطن کیا تو صحیح روایات کے مطابق ان کو جائیداد، اُونٹ، دیگر گھریلو اثاثہ، یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے کجاووں اور رسیوں تک کی قیمت ادا فرمائی، حالانکہ یہ لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے۔

غلاموں کے حال پر یہ عنایت تھی کہ غلامی کو آقائی کا ہم مرتبہ کر دیا تھا،

غلاموں کی آزادی کے وسائل نکالتے تھے۔ اُن کی تعلیم کا بندوبست کرتے تھے اور ان کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیتے تھے۔

ذریعہ معاش:

دیگر معززین قریش کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذریعہ معاش بھی اسلام سے قبل اور بعد تجارت تھا جب آپ خلیفہ بنے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہونے تک یہی مشغلہ جاری رہا۔ مگر جب بقدر کفالت وظیفہ مقرر ہوا اور پھر کبار صحابہؓ کے وظائف کے ساتھ آپ کو بھی پانچ ہزار کی رقم ملنے لگی تو آپ نے تجارت کا پیشہ ترک کر دیا اور اسی آمدنی پر گزراوقات کرنے لگے۔

غذا لباس:

آپ کی غذا نہایت سادہ ہوتی تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دستر خوان پر ہوتا تھا، روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی مگر آٹا چھانا نہیں جاتا تھا، مہمان یا سفراء آتے تو اُن کو کھانے کی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ اس معمولی اور سادہ غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے، حضرت حفص بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اکثر کھانے کے وقت موجود ہوتے مگر شریک نہیں ہوتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے دستر خوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانوں پر اسے ترجیح نہیں دے سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''تم سمجھتے ہو کہ میں قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی قدرت نہیں رکھتا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح عیش وعشرت کا دلدادہ ہوتا''۔

ایک دفعہ حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ شریک طعام تھے اور اُبلا ہوا گوشت

اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے زبردستی حلق سے اتار کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ"۔ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، کہنے لگے امیر المومنین رضی اللہ عنہ اگر آپ اپنے کھانے پہننے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کا مال کم نہ ہو جائے گا"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "افسوس تم مجھے دُنیاوی عیش و تنعم کی ترغیب دیتے ہو"۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

غذا کی طرح لباس کا بھی یہی حال تھا، آپ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مَس نہیں ہوا بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں، آپ انہی کپڑوں میں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے، وفود کو باریاب کرتے اور برسر عام نکلتے تھے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے، میں نے شمار کیا تو ان کے تہبند میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ (ایضاً)

ایک دفعہ گزی کا کرتہ ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لئے دیا تو اُس نے اس کے ساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنا کرتہ لے کر فرمایا اس میں پسینہ خوف جذب ہوتا ہے۔ کپڑا عموماً گرمی میں بنواتے تھے جب پھٹ جاتا تو پیوند پر پیوند لگاتے چلے جاتے تھے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کے متعلق گفتگو کی تو فرمایا "مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔

ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے، اس لئے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا، خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

جُود وسخا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے اکثر یہ دُعا کیا کرتے تھے:۔

''مولیٰ کریم میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مال کو اس کے حق میں صرف کروں''۔

اُور اسی کے مطابق وہ خرچ کرتے تھے، آپ کی سب سے زیادہ زرخیز جائیداد خیبر میں تھی جسے آپ نے راہِ خدا میں وقف کر دیا تھا،

ایک بار ایک گھوڑا راہِ خدا میں نذر کیا، لیکن جس شخص کو دیا اُس نے قدر نہ کی اور کم قیمت پر فروخت کرنا چاہا، چونکہ ارزاں فروخت ہو رہا تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ خود خرید لیں، رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے ارادہ کا ذکر کیا حضور ﷺ نے فرمایا ''تم نہ خریدنا نہ اپنا صدقہ واپس لینا گو ایک درہم کو بھی ملتا ہو''۔ (سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

کوئی مستحق اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مال سے محروم ہوتا تو آپ افسوس کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی وہ بھوک سے بیتاب تھے اُنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قرآن حکیم کی ایک آیت پوچھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حُسنِ طلب پر غور نہ فرما سکے اور آیت بتلا کر گھر کے اندر چلے گئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کچھ دُور چل کر گر پڑے، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں پڑا دیکھ کر آواز دی عرض کی حاضر ہوں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا اور دولت خانہ پر لے گئے، ایک بڑے میں پیالہ دُودھ منگوا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیا، اُنہوں نے یہاں تک پیا کہ شکم اُنچا ہو کر تن گیا بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا اور کہا "وہ آیت مجھے آپ سے زیادہ یاد تھی لیکن جو زیادہ مستحق تھا (یعنی رسول اللہ ﷺ) اس نے میری ضرورت پوری کی"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:۔

"خدا کی قسم اگر میں تم کو گھر لے جاتا تو یہ مجھ کو سرخ اُونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتا"۔ (مشکوٰۃ)

بُخل سے اجتناب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ خود نہایت زاہدانہ اور زخارفِ دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم دُوسروں کو توسیع کی اجازت تھی، ایک بار کسی نے پوچھا کہ ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا:۔ جب اللہ تعالیٰ وسعت دے تو تم بھی وسعت اختیار کرنا چاہیے۔

نظافت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالطبع نظافت پسند تھے، ایک بار رسول اللہ ﷺ سے استفتاء کیا کہ:۔

"رات کو مجھے غسل کی ضرورت ہو جاتی ہے اس وقت کیا کروں؟ ارشاد ہوا وضو کر کے سو رہا کرو"۔

ایک دفعہ جُمعہ کا خُطبہ دے رہے تھے کہ مہاجرین اوّلین میں سے ایک بزرگ مسجد میں آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر فرمایا "یہ کونسا وقت ہے"؟ اُنہوں نے اپنی مصروفیت بیان کی اور کہا کہ اذان سن کر وضو کیا اور سیدھا چلا آیا، آپ نے فرمایا، صرف وضو! حالانکہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیتے تھے"۔

(سیر الصحابہ جزء المہاجرین)

صلہ رحمی:

صلہ رحم انسان کی ایک مخصوص فضیلت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں یہ فضیلت اس درجہ تک موجود تھی کہ مسلمان تو مسلمان آپ کافر، اقربا کے ساتھ بھی سلوک کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک حُلہ عنایت فرمایا جس میں ریشم ملا ہوا تھا۔ چونکہ اس کے پہننے کی ممانعت تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مشرک بھائی کے پاس مکہ بھجوا دیا،

محارم سے اجتناب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محارمِ الٰہی سے اجتناب کا ایک اُصول بیان کیا ہے، جس سے اُن کی زندگی پر روشنی پڑتی ہے فرماتے ہیں:۔

"ہم نے اپنی بہترین زندگی صبر میں پائی ہے"،

یعنی محارم سے نفس کو روکنا بہتر زندگی ہے۔

جاہلیت میں لوگ اکثر باپ کی قسم کھایا کرتے تھے جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی جماعت کے ساتھ جارہے تھے کہ باپ کی قسم کھائی رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا "خدا تم لوگوں کو باپ کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے، جو شخص قسم کھانا چاہتا ہو وہ خدا کی قسم کھائے یا خاموش رہے"۔ اس تعلیم کا جو اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ہوا اس کے متعلق خود انہی کی زبان سے سنیے فرماتے ہیں:۔

"خدا کی قسم میں نے جب رسول اللہ ﷺ سے سنا پھر وہ قسم نہیں کھائی نہ خود نہ دُوسروں کی نقل کر کے"۔

عصمت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جامعیت کے ساتھ ساتھ عصمت کا درجہ حاصل تھا جو خدا کے نبیوں اور فرشتوں کو حاصل ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عصمت کو رسول اللہ ﷺ نے خود بیان فرمایا ہے:۔

''اے ابن خطاب اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم کو جب شیطان کسی راستہ میں چلتا ہوا ملتا ہے تو تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے''۔ (تاریخ الخلفاء)

ظاہر ہے کہ جس شخص سے شیطان اس قدر دور رہتا ہو اس کی عصمت کے متعلق اور کیا دلیل چاہیے؟

شہادت:

یہ فطرت انبیاء علیہم السلام کے قریب ہونے کا اثر تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت کا درجہ حاصل ہوا عالم فانی میں جن لوگوں پر خدا نے اپنا انعام کیا ہے قرآن حکیم نے ان کے چار درجے بیان فرمائے ہیں، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان میں تیسرا درجہ حاصل تھا یعنی آپ شہید تھے، اور یہ فضیلت خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے حضور ﷺ ایک بار کوہِ اُحد پر چڑھے تو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) بھی ہمرکاب تھے، جب اُحد پر لرزہ طاری ہوا تو فرمایا:۔

''اے اُحد قائم رہ، تجھ پر ایک پیغمبر ﷺ ایک صدیق اور دو شہید ہیں''، یہ دو شہید حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جامعیت:

تاریخِ عالم کے اوراق اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ دُنیا میں جن عظیم الشان ہستیوں نے راہِ سعادت کو واضح کیا، اُن میں مصلحین عظام تھے، جنہوں نے مطلع اخلاق سے فسق وفجور کی سیاہی دُور کی، مقننینِ کرام تھے جن کی دماغ سوزیوں نے قیام امن میں حصہ لیا، شاہان گردن فراز تھے، جن کے آستانہ اقبال پر جاہ وعظمت نے ناصیہ سائی کی غازیانِ لشکر زاہدان شب زندہ دار تھے، جن کے نالہائے نیم شبی اور دُعا ہائے سحری نے کنگرہ افلاک میں تنزلزل برپا کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجودِ قدسی ان تمام خصوصیتوں کا جامع تھا، آپ حسنات کے بیت المعمور، کرامات کے سدرۃ المنتہیٰ، فضائل کے مرکز، مکارم کے مدار، جلالت کے واسطۃ العقد، ایمان کے حصن حصین، خلافت کے حصارِ متین، زمین کی برکت، زمانہ کی نیک بختی، مہر ہدایت، ماہِ سیاست، بحرعباد جسم ارشاد، روانِ یقین شعۃ انوارا اور سایہ کردگار تھے آپ میں وراثت نبوی حکمت محمدی نظر قدسی اور تائید ربانی کا جلوہ نظر آتا تھا، آپ کی یہی وہ جامعیت کبریٰ ہے جو آپ کو تمام صحابہ بلکہ یہ استثناء تمام عالم سے ممتاز کرتی ہے رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جامعیت کو بیان فرمایا ہے:۔

سب سے پہلے مذہبی حیثیت کو دیکھئے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:۔

''میں سورہا تھا میں نے دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جارہے ہیں قمیصیں پہنے ہوئے ہیں، بعض کے قمیص سینہ تک ہیں، بعض کے ان سے بھی کم، اور میرے سامنے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لائے گئے وہ اس قدر دراز قمیص پہنے ہوئے

تھے جس کے دامن زمین تک لٹک رہے تھے صحابہؓ نے پوچھا "یارسول اللہ ﷺ اس کی کیا تاویل ہے؟ فرمایا دین۔ اب علمی حیثیت کو سامنے لائیے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:۔

"میں سو رہا تھا، ایک دُودھ کا پیالہ مجھ کو دیا گیا، میں نے پیا یہاں تک کہ سیرابی ناخنوں تک نکل آئی، پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیا، صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ اس کی کیا تاویل ہے؟ ارشاد ہوا علم"۔

اس کے بعد سیاسی حیثیت پر غور فرمایئے، رسول اللہ ﷺ اپنا خواب بیان فرماتے ہیں:۔

"میں ایک کنوئیں پر پانی بھر رہا تھا کہ ابوبکر و عمر آئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ڈول ڈالا اور ایک یا دو ڈول کھینچے، اُن کے کھینچنے میں ضعف تھا خدا اُن کی مغفرت کرے، پھر اس کو ابنِ الخطاب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے لے لیا اور وہ ان کے ہاتھ میں جا کر پُر بن گیا تو میں نے کسی قومی سردار کو ان کی طرح کام کرتے نہیں دیکھا، یہاں تک تمام لوگ سیراب ہو گئے"۔ (تاریخ الخلفاء)

مہبط وحی والہام نے ان تینوں حیثیتوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذہبی علمی اور سیاسی کمالات کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور ان کو تمام صحابہؓ پر علی الاطلاق فضیلت دی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اوّلیات:

مورّخین کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو نئی باتیں ایجاد کیں ان کی مختصر فہرست یہ ہے:۔

(۱) بیت المال قائم کیا۔

(۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔
(۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔
(۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔
(۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔
(۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
(۷) دفتر مال قائم کیا۔
(۸) پیائش کا طریقہ جاری کیا۔
(۹) مردم شماری کرائی۔
(۱۰) نہریں کھدوائیں۔
(۱۱) شہر آباد کرائے۔
(۱۲) ممالک محروسہ کو صوبوں پر منقسم کیا۔
(۱۳) جیل خانہ قائم کیا۔
(۱۴) دُرّہ کا استعمال کیا۔
(۱۵) راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا۔
(۱۶) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
(۱۷) فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
(۱۸) پرچہ نویس مقرر کئے۔
(۱۹) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک آرام کے لئے چوکیاں اور سرائیں بنوائیں۔
(۲۰) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے باصرار قرآن حکیم کی تدوین کرائی۔
(۲۱) قیاس کا اُصول قائم کیا۔

(۲۲) نمازِ تراویح جماعت سے قائم کی۔

(۲۳) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

(۲۴) شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے۔

(۲۵) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

(۲۶) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۲۷) مساجد میں روشنی کا انتظام کیا۔

(۲۸) اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۲۹) مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا۔

(۳۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا۔

(۳۱) قاعدہ مقرر کیا کہ اہل عرب غلام نہیں بنائے جاسکتے۔

(۳۲) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے روزینے مقرر کئے۔

(۳۳) راہ پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔

(۳۴) مکاتب قائم کئے۔

(۳۵) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی، جو عرب میں نہ تھی۔

حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

پیدائش:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بعث نبوی ﷺ سے دس سال قبل اندازاً ۶۰۰ء میں خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔

فائدہ:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "ازالۃ الخفاء" مقصد دوم کے باب مآثر امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں لکھتے ہیں کہ ولادت کے وقت آپ کی جو شرافت اور بزرگی ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ آپ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ حاکم نے حکیم بن حزام کے تذکرہ میں مصعب کے اس قول یعنی حکیم بن حزام سے پہلے اور بعد کوئی خانہ کعبہ کے اندر پیدا نہیں ہوا کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مصعب نے اس بیان میں غلطی کی، کیونکہ حضرت فاطمہ اسدیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ کے اندر جننا تواتر کو پہنچ چکا ہے۔ (ازالہ الخفاء)

قبول اسلام:

بعث نبوی ﷺ کے دوسرے دن بعمر دس سال۔

آغازِ خلافت:

دوشنبہ ۲۱ ذوالحجہ ۳۵ھ

شہادت:

شب یک شنبہ ۲۰ رمضان ۴۰ھ شب جمعہ ۲۰ رمضان ۴۰ھ۔

مدتِ خلافت:

۴ سال اور ۹ ماہ نماز جنازہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور کوفہ کے عزی نامی قبرستان میں سُپرد خاک ہوئے، شہادت کے وقت آپ کی عمر تقریباً تریسٹھ سال تھی۔

فرمان رسول اللہ ﷺ:

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

(علی رضی اللہ عنہ) تم میرے بھائی ہو دنیا اور آخرت میں"

(غزوہ خیبر کے موقع پر) میں کل یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا، وہ اللہ و رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ رسول اللہ ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں"۔

(غزوہ تبوک کے موقع پر) تم میرے نزدیک ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔

"جس کا میں دوست ہوں اس کا علی (رضی اللہ عنہ) بھی دوست ہے"۔

"جس نے علی (رضی اللہ عنہ) کو برا کہا گویا کہ اُس نے مجھ کو بُرا کہا"۔

"میں علم کا شہر ہوں اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ"۔

نام ونسب:

نام علی رضی اللہ عنہ لقب حیدر (شیر) اور کنیت ابو الحسن اور ابو تراب تھی، موخرالذکر کنیت آپ کو بہت محبوب تھی، اگر کوئی آپ کو اس سے پکارتا تو بہت مسرور ہوتے، آپ کے والد کا نام ابوطالب والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی، چونکہ حضرت ابو طالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی اور حضور نبی کریم ﷺ کے حقیقی چچازاد ہیں۔

حضرت ابو طالب کی جانثاری:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب مکہ کے نہایت ذی اثر بزرگ تھے رسول اللہ ﷺ آٹھ سال کی عمر میں ان کی آغوش عاطفت میں آئے اور تقریباً پچاس سال کی عمر تک انہی کے ساتھ رہے۔ حضور نبی کریم ﷺ جب چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کی طرف مبعوث ہوئے تو حضور ﷺ نے ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوت حق کا اعلان کیا تھا حضرت ابو طالب اس زمانہ میں جبکہ خدا کے آخری نبی ﷺ ہر طرف سے مشرکین کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے آپ ﷺ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے اور ہر موقعہ پر آپ ﷺ کے لئے سینہ سپر رہتے تھے، مشرکین قریش نے اس پشت پناہی اور حمایت کے باعث حضرت ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں ان کو محصور کردیا کاروبار اورلین دین بند کردیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے، پھر بھی اس نیک طینت بزرگ نے زندگی کے آخری لمحہ

تک اپنے عظیم بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہ اُٹھایا۔

حضور نبی کریم ﷺ کی یہ دلی آرزو تھی کہ ابو طالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے ابوطالب کی وفات کے وقت انہیں نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی تا کہ خدا کے آخری نبی ﷺ کی خدمت و حمایت کے صلے میں انہیں جنت الفردوس کی لامتناہی دولت حاصل ہو مگر صحیح روایات کے مطابق ابو طالب نے اگر چہ علانیہ قبول اسلام تو نہ کیا تاہم جس ثبات واستقلال کے ساتھ آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کی نصرت وحمایت کا فرض انجام دیا اس کے پیش نظر اسلام کی تاریخ میں حضرت ابوطالب کا نام ہمیشہ شکر گزاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا سے شفقت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے بھی حضور نبی کریم ﷺ کی پرورش و پرداخت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا، مشہور روایات کے مطابق آپ نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے کفن میں اپنی قمیض مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا، لوگوں نے اس عنایت بے پایاں کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ حضرت ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان مند ہوں۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حضرت ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اس لئے حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے نیک دل چچا کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دامن پرورش میں لے لیا تھا۔ چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور نبی کریم پرنور

ﷺ کے ساتھ رہے۔

قبولِ اسلام:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر ابھی صرف دس سال تھی کہ ان کے شفیق مربی کو دربار خداوندی کی طرف سے نبوت کا خلعت عطا ہوا چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ رہتے تھے اس لئے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے، روایت ہے کہ ایک روز آپ نے حضور نبی کریم ﷺ اور اُمِ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو مصروفِ عبادت دیکھا تو طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا کہ آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر اگرچہ یک گونہ تعجب ہوا لیکن چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کی پرورش کے باعث فطرت سنور چکی تھی اس لئے بہ توفیق الٰہی دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت ﷺ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے، قبول اسلام کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خود اپنا قول ہے:۔

حضور نبی کریم ﷺ دوشنبہ کو مبعوث ہوئے اور میں سہ شنبہ کو اسلام لایا۔

مکی زندگی:

قبول اسلام کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مشورہ کے جلسوں میں، تعلیم و ارشاد کے مجمعوں میں مشرکین و کفار کے مباحثوں میں اور معبود حقیقی کی عبادت و پرستش کے موقعوں پر غرض ہر قسم کی صحبتوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام تک چونکہ سرزمین مکہ میں مسلمانوں کے لئے علانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا، اس لئے

جب حضور نبی کریم ﷺ چھپ چھپ کر معبودِ حقیقی کی عبادت و پرستش فرماتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوتے۔

ایک دفعہ وادی نخلہ میں حسب معمول معروف عبادت تھے کہ اتفاق سے حضرت ابو طالب اِدھر سے گزرے، انہوں نے اپنے پیغمبر بھتیجے ﷺ اور بلند بخت بیٹے کو عبادت کرتے دیکھا تو پوچھا کیا کرتے ہو؟ حضور نبی کریم ﷺ نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حج کے دنوں میں سرزمین مکہ چونکہ قبائل عرب کا مرجع بن جاتی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر عام مجمعوں میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغِ حق کا فرض ادا کرتے تھے، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنی کم عمری کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے تاہم کبھی کبھار حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہو جاتے اور جب کبھی حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے تو بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے۔

انتظامِ دعوت اور ہر بار جانثاری کا اعلان:

نبوت کے چوتھے سال رسول اللہ ﷺ کو اعلانیہ تبلیغ کا حکم ہوا جس کی ابتدا اپنے قریبی رشتہ داروں سے کرنا تھی چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ (سورہ الشعراء)

ترجمہ: ”اپنے قریبی اعزار کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ۔“

کے مطابق بنو عبدالمطلب کی دعوت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انتظامِ دعوت پر مقرر فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت اگرچہ چودہ پندرہ سال کے لگ بھگ تھی تاہم آپ نے نہایت اچھا انتظام کیا اور مہمانوں کی تواضع بکرے، پائے اور دُودھ کی دعوت میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ابولہب اور ابو طالب سمیت خاندان کے چالیس افراد شریک تھے، پہلے دن ابولہب کی بکواس سے رسول اللہ ﷺ کو بولنے کا موقع نہ ملا، البتہ دُوسرے دن خاندان کے انہی افراد کی موجودگی میں کھانے سے فراغت کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے اُٹھ کر فرمایا، خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دُنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون مددگار بنتا ہے؟ اس کے جواب میں صرف ایک آواز بلند ہوئی جو حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی تھی آپ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ”گو میں عُمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوبِ چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، تاہم میں آپ کا معاون و مددگار اور قوت بازو بنوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سُن کر آپ کو بیٹھ جانے کا حکم دیا اور پھر حاضرینِ مجلس سے خطاب فرمایا، لیکن اب کی بار بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی نے کوئی جواب نہ دیا رسول اللہ ﷺ نے تیسری مرتبہ پھر اپنے سوال کو دُہرایا، مگر جب اس بارِ گراں کو اُٹھانے کے لئے کوئی آواز نہ اُبھری تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جانبازی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا اس پر حضور سرورِ کائنات ﷺ نے آپ کو بیٹھ جانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا ’تم میرے وارث اور بھائی ہو۔“

ہجرت:

بعثت کے بعد تقریباً تیرا برس تک رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں میں صدائے اسلام بلند کرتے رہے، لیکن مشرکینِ قریش نے اس دعوتِ حق کا جواب محض بغض وعناد سے دیا اور آپ کے متبعین پر طرح طرح کے مظالم روا رکھے جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے اور اہل اسلام پر عرصہ حیات تنگ ہونے لگا تو رحمتہ للعالمین ﷺ نے اپنے فدائیوں کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں چند نفوس قدسیہ کے علاوہ باقی مسلمان مدینہ ہجرت کر گئے۔ اب مشرکین کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ چونکہ مسلمان ان کے پنجہ اقتدار سے آزاد ہو گئے ہیں اس لئے کہیں اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لینے پر نہ تل جائیں، اس خطرہ نے انہیں حضور نبی کریم ﷺ کی جان کا دشمن بنا دیا، چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ سے خدا کے آخری پیغمبر کو قتل کرنے کے ارادہ سے رات کے وقت کا شانہ نبوت ﷺ کا محاصرہ کرلیا لیکن مشیت ایزدی تو یہ تھی کہ آفتاب رسالت ﷺ کے نور سے تمام عالم منورہ ہو جائے اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کافور ہو جائے اس لئے وحی الٰہی نے رسول اللہ ﷺ نے اس خیال سے کہ کفار کو شبہ نہ ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ روانہ ہو گئے۔

جانثاری کا عدیم المثال کارنامہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے بسترِ اطہر پر لیٹنا گویا خود موت کو دعوت دینا ہے مگر آپ نے ارشادِ نبوت ﷺ کے مقابلہ پر اپنی جان کو پرکاہ کے برابر بھی خیال نہ کیا ا موت کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر محو

استراحت ہو گئے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہ تھی، اس عنفوانِ شباب میں اس جرات ایمانی سے اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا بلاشبہ فدائیت و جانثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ بہرحال محاصرہ رات بھر جاری رہا اور مشرکین اس دھوکہ میں رہے کہ بستر پر خود سرورِ عالم ﷺ محوِ استراحت ہیں، لیکن صبح جب انہیں معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے بستر مبارک پر شہنشاہ کونین ﷺ کی جگہ ان کے ایک فدائی سربکف سو رہے ہیں تو اپنی غفلت پر بہت جھنجھلائے، پہلے تو وہ غصے و ندامت کے عالم میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر پل پڑے مگر پھر انہیں چھوڑ کر اپنے اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن تک مکہ میں مقیم رہے ملّہ میں چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا لوگوں سے کاروبار اور لین دین تھا اس لئے آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق پہلے لوگوں کے معاملات سے فراغت حاصل کی پھر عازم مدینہ ہوئے ان دنوں حضور نبی کریم ﷺ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے ہاں فروکش تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی انہی کے مکان میں جا کر مقیم ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے جب مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ کرایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔

مسجد نبوی ﷺ:

مدینہ میں اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، یہاں پر آدمی خدائے واحد عزوجل کی پرستش اور احکام شرعیہ کو اطمینان اور دلجمعی سے ادا کرنے کے لئے آزاد تھا، یہ انہی آزاد فضاؤں کا اثر تھا کہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی

تھی چنانچہ، مدینہ منورہ پہنچنے کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ حضور ﷺ نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خود بھی اس کی تعمیر میں حصہ لیا حضرت علی رضی اللہ عنہ تعمیر مسجد کے لئے گارا اور پتھر لا لا کر دیتے اور یہ رجز پڑھتے تھے:۔

جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس مشقت کو
برداشت کرتا ہے اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے جی
چُراتا ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے۔

غزوہ بدر:

سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوہ بدر ہے اس غزوہ میں حضور نبی کریم ﷺ اپنے تین سو تیرہ جانبازوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے، آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے جن میں سے ایک حیدرِ کرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ بدر کے قریب پہنچ کر پیغمبر خدا ﷺ نے دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معہ چند منتخب جانبازوں کے بھیجا، آپ نے نہایت خُوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی، چنانچہ مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر جنگی اہمیت کے اہم مقامات پر قبضہ کرلیا، جنگ کی ابتدا "۱۷ رمضان المبارک ۲ھ" کو ہوئی قاعدہ کے موافق پہلے تنہا تنہا مقابلہ کے لئے قریش کی صفوں سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے، تین انصاری مقابلہ کے لئے نکلے، قریش کے بہادروں نے ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کردیا اور حضور نبی کریم ﷺ کو پکار کر کہا کہ مقابلہ میں ان کے ہم پلہ آدمی بھیجے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لئے، حکم کی

دیر تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ میدان میں آ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حریف ولید کا ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا پھر جھپٹ کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کو پہنچے اور ان کے حریف شیبہ پر کاری ضرب لگا کر اسے جہنم رسید کیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام ہلہ بول دیا یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے کفار کے نرغہ میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی شیر خدا نے صفیں کی صفیں اُلٹ دیں اور جس طرف بھی رُخ کیا ذُوالفقارِ حیدری بجلی کی طرح چمکتی دشمنانِ اسلام کے پرخچے اُڑاتی چلی گئی، مشرکین کے پاؤں اُکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مالِ غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے، مالِ غنیمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک زرّہ، ایک اُونٹ اور ایک تلوار ملی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

اسی سال یعنی ۲ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا، یعنی اپنی سب سے چھوٹی اور محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا۔

مورخین کے مطابق جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا تو رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ عرض کی کہ ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں، ارشاد ہُوا ''گھوڑا تو لڑائی کے لئے ہے البتہ زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشادِ نبوت ﷺ کی تعمیل کرتے ہوئے چار سو اسی درہم میں اپنی زرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیچی اور رقم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی، حضور

ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بازار سے عطر اور خوشبو خریدنے کا حکم دیا چنانچہ خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دُعا دی۔

نکاح کے چند ماہ بعد رخصتی عمل میں آئی، اس وقت تک چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے رخصتی کے وقت حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حارث بن النعمان رضی اللہ عنہ کا مکان کرایہ پر حاصل کیا اور خاتونِ جنت کو رُخصت کرا کے اس میں لے آئے۔

جہیز:

صحیح روایات کے مطابق سیّدہ زُہرا رضی اللہ عنہا کو ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکّیاں اور ایک مشکیزہ جہیز میں ملا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دعوت ولیمہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاہدنہ تھی، شادی سے پہلے آپ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اس لئے آپ کے پاس کوئی اندوختہ موجود نہ تھا، آپ کی ذاتی ملکیت صرف ایک اُونٹ تھا، آپ نے اس کے ذریعہ اذفر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ کیا اتفاق سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اُونٹ ذبح کر کے سیخ کباب بنا دیا چنانچہ جب یہ ذریعہ بھی ختم ہو گیا تو اقلیمِ زُہد کے اس تاجدار نے اُسی رقم سے دعوت ولیمہ کا سامان خریدا جو زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی، آپ نے

دعوت میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کے شوربہ کا انتظام کیا جو اُس زمانہ کے لحاظ سے نہایت پر تکلف ولیمہ تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہُوا۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

غزوہ اُحد:

۳ھ میں اُحد کا معرکہ پیش آیا، ۷ شوال بروز ہفتہ لڑائی شروع ہُوئی اور مسلمان اس بہادری سے لڑے کہ غنیم کو بھاگتے ہی بنی، لیکن ایک درّہ کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین عقب سے یکا یک اس طرح ٹوٹ پڑے کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہوگئے اسی حالت میں اللہ کے رسول ﷺ زخمی ہوکر خندق میں گرِ پڑے، مشرکین ادھر بڑھے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سدِ راہ ہوئے حتی کہ لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اس کے بعد حیدرِ کرار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور نہایت بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی، مشرکین کے علمبردار ابو سعد بن ابی طلحہ نے للکارا شیر خدا نے آگے بڑھ کر ایسا وار کیا کہ وہ زمین پر گرا اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہوگیا حیدر کرار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کی بے بسی پر رحم آگیا اور اسے زندہ چھوڑ کر واپس آگئے

جب مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ معہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے رسول اللہ ﷺ کو پہاڑ پر لے گئے، ڈھال میں پانی بھر بھر کر لائے جس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے زخم کو دھویا اور چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھی کہ خُون بند ہوجائے۔

غزوہ خندق:

ذیقعدہ ۵ھ میں غزوہ خندق پیش آیا، کفار کے ایک لشکر جرار نے تقریباً

ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیئے رکھا، کفار خندق کھد جانے کے باعث مدینہ کے اندر تو داخل نہ ہو سکے تاہم تیر اور پتھر برساتے رہے، مگر مسلمانوں کے صبر و استقلال کے سامنے ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، آخر ایک روز سواروں کا ایک دستہ خندق کا ایک کم چوڑا حصہ دیکھ کر سلع اور خندق کے درمیان والے میدان میں پہنچ گیا، اس دستہ کا سردار عمرو بن عبدوّد تھا جو اگرچہ نوّے سال کا تھا مگر بہادری میں بے مثال تھا اُس نے تنہا مقابلہ کی دعوت دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور اسے لڑنے کے لیئے للکارا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ہنس پڑا اور کہنے لگا اس آسمان کے نیچے ایسی درخواست بھی مجھ سے کی جا سکتی ہے'' بہر حال وہ گھوڑے سے نیچے اُتر پڑا اور پوچھا تم کون ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نام بتایا اُس نے سن کر کہا 'میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا 'لیکن میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں'۔ یہ سُنتے ہی اُس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک زبردست وار کیا جسے انہوں نے ڈھال پر روکا، البتہ آپ کی پیشانی زخمی ہوگئی، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وار کیا اور ابن عبدود کی لاش زمین پر تڑپنے لگی۔ اس کا مقتول ہونا تھا کہ باقی کفار بھاگ کھڑے ہوئے، اس محاصرہ کے دوران اگرچہ مسلمان سخت مصیبت میں مبتلا رہے تاہم بتائید ایزدی یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا۔

غزوہ بنو قریظہ:

غزوہ خندق کے بعد غزوہ بنو قریظہ پیش آیا، بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود قریش کا ساتھ دیا تھا اور عرب کے تمام قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا تھا، مسلمان غزوہ خندق سے کامیاب لوٹے ہی تھے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو بنو قریظہ کا محاصرہ کرنے کی وحی ہوئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حسب

ارشادِ الٰہی بنو قریظہ کا محاصرہ فرمالیا، اس مہم میں علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں نمازِ عصر ادا کی۔

سریہ فدک:

شعبان ۶ھ میں حضور نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لئے بنو سعد بن بکر نے فدک کے قریب لشکر جمع کیا ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنو سعد کی سرکوبی پر مامور فرمایا، آپ ایک مختصر سی جمعیت کے ساتھ بنو سعد پر حملہ آور ہوئے اور انہیں منتشر کر کے پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں لائے۔

صلح حدیبیہ:

اس کے تقریباً دو ماہ بعد یعنی یکم ذیقعد ۶ھ کو حضور نبی کریم ﷺ نے چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا جب آپ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا کہ وہ مشرکین کے ساتھ اس معاملہ کے متعلق گفتگو کریں، کفارِ مکہ نے انہیں روک لیا، ادھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دئے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے کے لئے مسلمانوں سے بیعت لی، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس بیعت میں شریک تھے، بعد میں جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش قدرے کم ہوا اور طرفین میں مصالحت کی بات چیت شروع ہوگئی فریقین ایک معاہدہ پر رضا مند ہوگئے جسے ضبط تحریر میں لانے کے

لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کاتب مقرر کیا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دستور کے مطابق محمد رسول اللہ ﷺ کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتدا کی۔ مشرکین نے لفظ "رسول اللہ" پر اعتراض کیا کہ اگر ہم محمد ﷺ کو رسول تسلیم کر لیتے تو جھگڑا ہی کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کی خدا کی قسم میں اس کو نہیں مٹا سکتا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے اس کو مٹایا، اس کے بعد معاہدہ صلح لکھا گیا اور رسول اللہ ﷺ زیارت کا ارادہ ملتوی فرما کر مدینہ تشریف لائے۔

غزوہ خیبر:

محرم ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی عرب میں خیبر یہودیوں کا گڑھ تسلیم ہوتا تھا خیبر کی بستی مدینہ سے تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر تھی اور متعدد قلعوں پر مشتمل تھی، مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے تمام قلعے فتح کر لئے مگر ایک قلعہ جس کا نام قموص تھا کسی طرح فتح نہیں ہو رہا تھا، حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی تسخیر پر پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا لیکن کامیابی نہ ہوئی یہاں تک کہ محاصرہ کو بیس دن گزر گئے، آخری دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کل علم (جھنڈا) اس شخص کو دیا جائے گا جس سے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ محبت کرتے ہیں یہ خاص علم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے بنایا گیا تھا۔

صبح ہوئی تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم منتظر تھے کہ قرعہ کس خوش قسمت کے نام نکلتا ہے اور اس فخر و شرف کا تاج کس کے سر پر رکھا جاتا ہے کہ دفعۃً حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی کیونکہ حیدرِ کرار حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا لُعاب دہن ان کی آنکھوں پر لگایا جس سے شکایت فوراً جاتی رہی، اس کے بعد علم مرحمت فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا لڑکر اُن کو مسلمان بناؤں؟ ارشاد ہوا "نہیں بلکہ پہلے اسلام پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اُونٹوں سے بہتر ہے"۔

لیکن اہل خیبر کی قسمت میں چونکہ اسلام کی عزت کی بجائے شکست کی ذلت و رُسوائی لکھی تھی، اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا ان کا سردار مرحب سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اس پر سنگی خود پہنے یہ رجز پڑھتا ہُوا باہر نکلا:۔

"خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں سلاح پوش ہوں۔

مرحب کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ رجز پڑھا:۔

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا، جنگل کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراونا۔ اور جھپٹ کر مرحب پر اس زور کا وار کیا کہ ذوالفقارِ حیدری اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اُتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی اس کے بعد حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ قلعہ قموص کو مسخر کرلیا۔

مکہ کی مُہم:

ماہ رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، یہ تیاریاں اگرچہ نہایت رازداری کے انداز میں کی گئی تھیں تاہم مشہور صحابی

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے یہ لغزش ہوگئی کہ آپ نے مدینہ منورہ کے حالات سے قریش مکہ کو مطلع کرنے کے لیے ایک عورت کو روانہ کیا، رسول اللہ ﷺ کو جب بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو اس کی گرفتاری پر مامور فرمایا۔ ان حضرت نے قاصدہ کا تعاقب کیا اور خاخ کے باغ میں اسے گرفتار کر کے خط مانگا، پہلے اس نے لاعلمی ظاہر کی مگر پھر جامہ تلاشی کے خوف سے خط ان کے حوالے کر دیا تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے واپس مدینہ پہنچ کر خط رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، حضور ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس خط سے مخبری یا اسلام دشمنی مقصود نہیں تھی، اور نہ ہی قریش سے میرا کوئی نسبی تعلق ہے میں نے اس خیال سے یہ خط لکھا تھا کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار و مددگار نہ رہ جائیں، رسول اللہ ﷺ نے اس عذر کو قبول کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی انہوں نے حضور ﷺ سے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے قتل کی اجازت چاہی لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا:۔

"یہ بدری ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں"۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

غرض رسول اللہ ﷺ ۱۰ رمضان المبارک ۸ ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ بڑے فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال پہلے مسلمانوں کو نکالا گیا تھا، بتائید ایزدی مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے

خلیل اللہ علیہ السلام بت شکن کی یادگار کے گرد تین سو ساٹھ بُت نصب تھے۔ حضور ﷺ نے سب سے پہلے بتوں کو گرانے کا فریضہ ادا فرمایا، پھر خانہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مورتوں کو الگ کروایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتوں سے اَٹا ہُوا تھا، اس لئے اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا یہ لوہے کی سلاخ سے پیوست اگرچہ زمین میں نصب تھا تاہم بہت بلندی پر تھا، پہلے حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاندھوں پر چڑھ کر اس گرانے کی کوشش کی لیکن وہ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے اس لئے رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کو گرانے کا حکم دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسب ارشادِ نبوت بُت کو سلاخ سے علیٰحدہ کر کے اسے پاش پاش کر ڈالا، اور خانہ کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

ایک غلطی کا ازالہ:

فتح مکہ کے بعد شوال ۸ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تین سو پچاس مجاہدین کے ساتھ بنی جذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمایا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بنو جذیمہ کو دعوت اسلام دی جسے انہوں نے قبول کیا مگر اپنی جہالت اور بدویت کے باعث اس کو ادا نہ کر سکے اور اسلمنا (یعنی ہم بے دین ہو گئے) کہنے لگے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر سب کو قید کر لیا اور اکثر کو قتل کر ڈالا، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو بے چین ہو گئے اور فرمایا:۔

"مولیٰ کریم، مَیں اس سے بَری ہوں جو خالد رضی اللہ عنہ نے کیا"۔

پھر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس غلطی کی تلافی کے لئے روانہ

فرمایا، فاتح خیبر نے وہاں پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کرا دیا اور مقتولین کے معاوضہ میں خون بہادیا۔

غزوہ حنین:

فتح مکہ کے بعد اسی ماہ میں غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا۔ اس معرکہ میں دشمن نے ایک ایسی جنگی حکمتِ عملی سے کام لیا کہ مسلمانوں میں افرا تفری پھیل گئی اور بارہ ہزار مجاہدین میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ نہ صرف خود پامردی واستقلال کے ساتھ قائم رہے بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو بھی سنبھال لیا اور غنیم کے امیرِ عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا، اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری سے لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی۔

سریہ نبو طے:

ربیع الآخر ۹ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ قبیلہ بنو طے پر حملہ کیا بُت خانہ منہدم کر کے عورتیں اُونٹ اور بکریاں گرفتار کر لیں قیدی عورتوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی لڑکی سفانہ بھی تھیں۔ (جو کہ بعد میں مسلمان ہو گئی)۔

اہل بیت کی حفاظت:

رجب ۶ ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے بتوک کا قصد فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، لشکر

اسلام کی روانگی کے بعد منافقین نے یہ کہنا شروع کردیا کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے کچھ گرانی تھی اس لئے انہیں یہاں ہی چھوڑ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شرکت جہاد سے محرومی کا پہلے ہی غم تھا کہ منافقین کی طعنہ زنی نے آپ کو اور رنجیدہ کردیا چنانچہ آپ مسلّح ہوکر جرف کے مقام پر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منافقین کے پروپیگنڈے کا ذکر کیا حضور ﷺ نے سُن کر فرمایا کہ منافقین جھوٹ کہتے ہیں، مَیں نے تم کو اس لئے چھوڑا تھا کہ میرے اہل اور اپنے اہل میں میرے قائم مقام رہو، پھر ارشاد فرمایا:۔

"اے علی (رضی اللہ عنہ!) کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔ (طبقات ابنِ سعد حصہ سوم)

تبلیغِ فرمانِ رسول ﷺ:

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعد ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ روانہ فرمایا ان کی روانگی کے بعد سورۂ برأت کی آئتیں نقضِ عہد کے بارے میں نازل ہوئیں، ان آیات کو کفار کے سامنے پڑھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکّہ روانہ فرمایا، آپ العرج یا ضجنان کے مقام پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا ملے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ امیر ہو آئے ہیں یا مامور ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مامور ہوکر۔

حج کے دنوں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حج کرایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورہ برأت کی چالیس آیات پڑھ کر سُنائیں اور اعلان کردیا

کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ کوئی اب برہنہ حج کرنے پائے گا، اور وہ معاہدے جو مشرکین سے تھے ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔

حج سے واپسی پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! کیا میرے خلاف کوئی حکم نازل ہوا"۔ فرمایا نہیں، مگر یہ مناسب نہ تھا کہ میرے اہل کے سوا کوئی اور شخص معاہدہ کے متعلق اعلان کرے"۔

سریہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بسوئے یمن:

انہی ایام میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اشاعتِ اسلام کے لئے یمن بھیجا، مگر آپ چھ ماہ کی مسلسل کوششوں کے باوجود اشاعتِ اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُلا کر یمن جانے کا حکم دیا، حضور ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پہ عمامہ باندھا جس کے تین پیچ تھے، عمامہ کا ایک کنارہ بقدر ایک ہاتھ سامنے لٹکایا اور دُوسرا کنارہ ایک بالشت کے برابر پیچھے چھوڑا پھر ان کے سینہ پر دستِ مبارک رکھ کر دُعا فرمائی۔

"اے اللہ! اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نُور سے منوّر کر دے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ تبدیل ہو گیا اور چند روز کی تعلیم و تلقین سے قبیلہ ہمدان اسلام کا شیدائی بن گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا اور جوشِ مسرت میں کئی بار

فرمایا "السلام علی ہمدان"

حج الوداع میں شرکت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں ہی تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ آپ یہاں سے سیدھے مکۂ معظمہ پہنچے اور اس یادگار حج میں شریک ہوئے، آپ کے ساتھ سو اُونٹ قربانی کے تھے جو آپ رسول اللہ ﷺ کے لئے لائے تھے، ان میں سے تریسٹھ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ذبح کئے اور باقی کو ارشادِ نبوت ﷺ کے مطابق آپ نے ذبح کیا۔

صدمہ عظیمہ:

حج سے واپسی کے بعد آخر صفر ۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت تندہی کے ساتھ تیمارداری کی اور پوری جانفشانی کے ساتھ خدمت گزاری کا فرض انجام دیا، حضور نبی کریم ﷺ کی بیماری کے ایّام میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں آؤ چلو، رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ ہمارے لئے خلافت کی وصیت کر جائیں، آپ نے جواب دیا میں نہیں کروں گا اگر خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی اُمید باقی نہیں رہے گی۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حضور نبی کریم ﷺ نے چند روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ بروز دوشنبہ (پیر) بوقت چاشت مسلمانوں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رُکن

اوّلین تھے۔ اس لئے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام امور انہی کے ہاتھ سے سر انجام پائے، ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ کو بھی شرکت کا شرف حاصل ہُوا۔

خلیفہء اوّل کی بیعت تاخیر کی وجہ:

سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی، البتہ صحیح روایات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے دیر کی، لوگوں نے اس توقف کے عجیب و غریب وجوہ بیان کئے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل گوشہ نشین بنا دیا تھا، آپ اس عرصہ میں تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے صرف ان کی اَہلی غمخواری اور قرآن حکیم جمع کرنے میں مصروف رہے چنانچہ جب سیّدہ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا تو آپ نے خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کرلی۔

عہد فارُوقی:

خلیفہ اوّل نے سوا دو سال کی خلافت کے بعد وفات پائی اور حضرت عُمر رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خصوصی مشیر کی حیثیت حاصل رہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی بڑی مہمات میں آپ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور آپ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہاوند کے معرکہ میں آپ کو سپہ سالار بنانا چاہا مگر آپ نے قبول نہ کیا حضرت فارُوق اعظم رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس گئے تو کاروبارِ خلافت آپ کے سُپرد کر کے گئے، غرض دونوں بُزرگوں میں

باہمی عزت و احترام اور امور اتحاد و یگانگت کا رشتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری لمحہ حیات تک نہایت مستحکم رہا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ آنے پائی۔

دورِ عثمانی:

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور تقریباً بارہ سال تک خلیفہ رہے، آپ کی خلافت کے ابتدائی پانچ سال نہایت امن و سکون سے گزرے، فتوحات کی وُسعت، مالِ غنیمت کی فراوانی محاصل و خراج کی زیادتی، وظائف کی کثرت اور زراعت و تجارت کی ترقی نے جہاں ملک کو فارغ البالی اور عیش و تنعم کے سامانوں سے معمور کردیا وہاں بُغض وحسد اور رشک ورقابت کا قدم بھی آیا۔ چنانچہ آپ کے دورِ خلافت میں جب فتنہ وفساد شروع ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس آگ پر قابو پانے کے لئے نہایت مخلصانہ مشورے دیئے، ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملک میں موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اسے رفع کرنے کے متعلق ان کی رائے پوچھی تو آپ نے نہایت خلوص و آزادی سے فرمایا کہ موجودہ تمام تر حالات آپ کے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو سامنے رکھا ہے جو حضرت فارُوق اعظم رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھے، پھر ان سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ سچ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھی تھی اور گرفت ایسی شدید تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اُونٹ بھی بلبلا اُٹھا، برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں آپ کے عمال اس سے فائدہ اُٹھا کر من مانی کاروائیاں کرتے ہیں اور رعایا سمجھتی ہے کہ یہ سب کچھ دربارِ

خلافت کے احکام کی تکمیل ہے، نتیجہ عمال کی تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑتا ہے۔ (تاریخ طبری)

سب سے آخر یعنی ۳۴ھ میں مصری وفد کا معاملہ پیش آیا، مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آپ جو مشورہ دیں گے میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ آپ باغیوں کو واپس کردیں پہلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، لیکن معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرمانے پر اس معاملہ میں مداخلت کرتے ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اصلاحات کا وعدہ لے کر باغیوں کو اپنی ذمہ داری پر واپس بھیج دیا لیکن ابھی اس خوش آئندہ خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعۃً مصر کے باغیوں کا گروہ مدینہ پہنچ گیا اور واپسی کا سبب یہ بیان کیا کہ وہ ابھی راہ میں تھے کہ انہیں ایک ہرکارہ مصر کی طرف جاتے ہوئے ملا۔ انہیں اس پر شک گزرا چنانچہ جب اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے ایک فرمان ملا جس میں والئ مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ وفد کے تمام شرکاء کو تہہ تیغ کردیا جائے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس فرمان کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور اس کی حقیقت دریافت کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حیرت کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہوسکتی لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں نہ پڑوں گا، چنانچہ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل عزلت نشین ہوگئے۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

مصریوں نے جوش انتقام میں نہایت سختی سے کاشانہء خلافت کا محاصرہ کرلیا اور اس معاملہ میں یہاں تک شدت کی کہ باہر سے کوئی شے اندر نہ جانے

دیتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو عزلت گزینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں ہر طرح سمجھایا مگر باغیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سفارش کے باوجود محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت نازک تھی باغیوں پر کسی کا قابو نہیں رہ گیا تھا ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی، لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا اور بہت سے لوگ مدینہ سے ہی باہر چلے گئے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے اور حالات کی سنگینی ختم کرنے کی مساعی فرماتے رہے اور ان میں خطا وصواب کی کوئی تمیز بھی باقی نہیں رہی تو آپ نے اپنے صاحبزادوں حضرت سیّدنا امام حسن اور حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا، جنہوں نے نہایت بہادری اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوگئے باغی کثیر التعداد ہونے کے باوجود اس مدافعت کی تاب نہ لاسکے، چنانچہ وہ دُوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ غمزدہ ہُوئے تھے اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مارا، حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

بیعتِ خلافت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی

رہی مدینہ میں ایک شور قیامت بپا تھا اور ہر طرف باغی دندنا رہے تھے تاہم خلافت کا انتظام ضروری تھا اس وقت کبار صحابہؓ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا چنانچہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منصب امارت سنبھالنے پر مجبور کیا لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ امیر ہونے کے مقابلہ میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے، بالآخر مہاجرین وانصار صحابہ کے بہت زیادہ اصرار پر آپ نے اس بارِ گراں کو اُٹھانا قبول فرمالیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دردناک واقعہ کے تیسرے روز ۲۱ ذی الحجہ ۳۵ھ دوشنبہ کے دن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دستِ اقدس پر بیعت کی، اس بیعت میں مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ شریک تھے۔ (طبقات ابن حصہ سوم)

قاتلینِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تلاش:

مسندِ خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اولین کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا لیکن چند در چند وجوہ کی بنا پر اس گتھی کو سلجھانا آسان نہ تھا سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ متعین طور پر کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی اس حادثہ عظیمہ کی واحد گواہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا تھیں جو پردہ نشین خاتون تھیں اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو پہچانتی نہ تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر (رضی اللہ عنہ) کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برات ظاہر کی اور کہا کہ وہ قتل کے ارادہ سے گئے ضرور تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک جملہ سے شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ آئے، حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے اس بیان کی تصدیق کی، غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجرموں کا پتہ چلانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر کوئی سراغ نہ مل سکا، ایسی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

جیسے پیکر عدل و انصاف کے لئے سخت مشکل تھا کہ بغیر کسی واضح شہادت اور ٹھوس ثبوت کے کسی کو مجرم گردانتے اور قصاص لیتے، لیکن دوسری طرف عوام تو عوام اکابر صحابہ تک قصاص چاہتے تھے اور کسی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجبوریوں پر نظر نہ تھی چنانچہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم مع چند صحابہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ جو جماعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا قابو نہیں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس انقلاب کا اصل سبب عمال کی بے اعتدالیاں تھیں چنانچہ آپ نے عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ کے تمام اعمال کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جو سیاست وتدبر میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ تھے مخالفت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی کے پیش نظر یہ عاقبت اندیشانہ مشورہ دیا کہ فی الحال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دُوسرے عمال سے کوئی تعرض نہ کیجئے، جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کرلیں تو اس وقت جو دل آئے کیجئے گا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس فیصلہ پر سختی سے قائم رہے اور ۳۶ھ میں تمام عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کئے اسی سلسلہ میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا عامل مقرر کیا حضرت عمارہ بن حسان رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی حکومت سپرد کی، حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو یمن کی ولایت پر مامور فرمایا اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا آسان نہ تھا کیونکہ وہ خود بڑے مدبر تھے اور بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آرہے تھے، چنانچہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جب حدود شام میں داخل ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوار مزاحم ہوئے اور انہیں شام کی سرحد تبوک سے ہی لوٹ آنا پڑا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی انہیں ایک علیحدہ خط لکھا، کہ مہاجرین وانصار نے اتفاق عام سے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لئے یا آپ میری اطاعت کریں یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں، اُس وقت بڑے بڑے صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت نیز آپ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنے کی وجہ سے سخت متاثر تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے مدینہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود پیرہن اور حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی اُنگلیاں منگا کر دمشق کی جامع مسجد میں آویزاں کرا دیں۔اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اُٹھے، لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر زاروقطار روتے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد کو یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا اور اپنے خاص قاصد کی معرفت ایک سادہ لفافہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے علاوہ کچھ تحریر نہ تھا، قاصد نہایت طرارا زبان آور تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے شام کا حال پوچھا تو اُس نے کہا کہ وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیرہن پر رو رہے ہیں اور اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ جب تک اس خونِ ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک تلواریں بے نیام رہیں گی اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حقیقت واضح ہوگئی آپ نے فرمایا "مولیٰ کریم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

خون سے بری ہوں"۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب واقعات کا پورا اندازہ ہوگیا تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کردیں یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں ٹکرانے والی تھیں اس لئے اکثر صحابہ اس کی شرکت کے بارہ میں متردد تھے چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ غیر جانبدار رہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی شرکت سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ کلمہ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کروں گا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر عازمِ مکہ ہوئے غرض بہت سے محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں شرکت سے احتراز کیا تاہم بعض نے اپنی خدمات بھی پیش کیں۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل معین الدین ندوی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قصاص پر آمادگی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں کا ابھی آغاز ہی کیا تھا کہ دوسرا قضیہ پیدا ہوگیا جو اس سے بھی زیادہ شدید اور نازک تھا اس کی تفصیل میں مورخین نے لکھا ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر سال حج پر تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ اس سال آپ ابھی مکہ میں ہی تھیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، واپسی پر راستہ میں آپ کو ایک عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردئے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی لیکن مدینہ میں ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے، یہ خبر سن کر

آپ مکہ لوٹ گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کر دیئے گئے اور فتنہ دبتا نظر نہیں آتا اس لئے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو، انہی دنوں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی مکہ پہنچ گئے، انہوں نے مدینہ کے حالات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گوش گزار کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ کے لوگ حیران و سرگرداں ہیں ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں نہ باطل سے گریز کر سکتے ہیں اور نہ ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے ان حضرات کے بیان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارادوں میں اور تقویت ہوگئی اور آپ نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعوت ہزاروں مسلمان سرفروشی پر تیار:

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعوتِ قصاص پر ہزارہا مسلمان سر فروشی پر تُل گئے، سب سے پہلے والئی مکہ عبداللہ بن عامر نے اس دعوت پر لبیک کہا اور علان کیا جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہے مگر سواری اور زادِراہ کا سامان نہ رکھتا ہو، اسے پورا سامان دیا جائے گا اس پر چھ سو سواریوں کا انتظام کیا گیا، اموی خاندان کے وہ تمام لوگ جو فتنہ و فساد کے دنوں میں مدینہ سے بھاگ کر مکہ آگئے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہو گئے ایک رئیس یعلیٰ بن اُمیہ نے چھ سو اُونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کئے، غرض دعوت میں شریک ہونے والوں کی مجموعی تعداد تین ہزار ہو گئی، اس تیاری کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی کہ اصلاحِ احوال کے لئے سیدھا مدینہ چلنا چاہیے کیونکہ سبائی جماعت اور قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گروہ وہیں ہے کچھ لوگوں کا مشورہ شام چلنے کا تھا لیکن آخر

بصرہ کے لئے روانہ ہوگئیں، رُخصت ہوتے وقت مسلمان اسلام کی اس نازک گھڑی پر زار زار روتے تھے، علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں میں ''اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے اور اس دن کا نام ''یوم گریہ'' پڑ گیا۔ (تاریخ طبری)

گورنر بصریٰ سے گفتگو:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ جاتے ہوئے جس راہ سے بھی گزریں لوگوں کا ہجوم ہوتا گیا یہاں تک کہ اس ہجوم میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ ایسے بہت سے مُفسد بھی شامل ہوگئے تھے، جن کا کام جنگ کی آگ کو مشتعل کرنا تھا، بہر حال جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ کے قریب پہنچیں تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے۔ حضرت عمران بن حصین اور ابوالاسودہ دولی کو تحقیق حال کے لئے بھیجا، وہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بصرہ آنے کا سبب پوچھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، ''خدا کی قسم میرے رُتبے کے لوگ اپنے ارادہ کو نہیں چھپاتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے کوئی حال چھپاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ بلوائیوں اور فتنہ پروازوں نے حرم رسول ﷺ (مدینہ) پر حملہ کیا اور اس میں فتنہ فساد برپا کر کے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے کر اپنے کو خدا اور رسول ﷺ کی لعنت کا مستحق بنالیا۔ انہوں نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا، معصوم خون بہایا، اُس مال کو لوٹا جو ان کے لئے حرام تھا مقدس شہر اور مقدس مہینہ کی بے حُرمتی کی، لوگوں کی آبرو ریزی کی، مسلمانوں کو طرح طرح تکلیف دی، ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے اور جوان کو رکھنے کے روا

دار نہ تھے اُنہیں نقصان پہنچایا مسلمانوں میں ان سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ وہ اس سے محفوظ ہیں۔ پس میں مسلمانوں کو لے کر اس غرض سے آئی ہوں کہ مسلمانوں کو اصل واقعات سے مطلع کروں اور ان کی اصلاح کروں، اس خروج سے میرا مقصود مسلمانوں کی اصلاح کرنا ہے یہ کہہ کر آپ نے آیت قرآنی "لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ" تا آخر تلاوت کی یہ جواب سُن کر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے قاصد عمران بن حصین ان جھگڑوں سے الگ ہو کر بیٹھ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بزور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو روکنے کا ارادہ کیا لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد تک صلح و آشتی سے کام لینا چاہیے اور ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرنا چاہیے جس سے حالات اتنے نازک ہو جائیں کہ تلافی کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے، لیکن حضرت عثمان نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کے لئے نکلا، اس پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی مقابلہ کے لئے بڑھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد سے پہلے جنگ چھڑ گئی، لڑائی میں حضرت عثمان نے شکست کھائی اور گرفتار ہُوئے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حکم سے رہا کر دیئے گئے، تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جماعت کے بہت سے سبائی اور قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کی جماعت کے آدمی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے، جس کی وجہ سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ہو گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیاریاں:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہُوا تو آپ نے مخالفین کے بصرہ پہنچے سے پہلے وہاں کے بیت المال کی حفاظت کے خیال سے عراق کا قصد کیا کُبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی

اور پُر زور دلائل سے آپ کو مدینہ سے غیر حاضری کے نتائج سے آگاہ کیا، مگر آپ کا اصرار تھا کہ عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دُشواری پیش آئے گی وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نو آبادی ہے، وہاں کے بیت المال بھی مال وزَر سے پُر ہیں، اس لئے میرا وہاں موجود رہنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے مدینہ میں منادی کرادی کہ لوگ سفرِ عراق کے لئے تیار ہوجائیں اس پر چند محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوا تقریباً تمام اہل مدینہ ہمرکاب ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ربیع الاوّل ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہُوئے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ صحابی کو خبر ہوئی تو انہوں نے حاضر ہوکر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا ''امیر المومنین مدینہ سے نہ نکلیں، اگر اس وقت نکلے تو خدا کی قسم پھر آپ یہاں واپس نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکزِ حکومت نکل جائے گا''۔ لیکن اب صُورتِ حال ایسی پیدا ہو چکی تھی کہ ان کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکل کر ذی قار پہنچے تو آپ کو خبر ملی کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے یہ سُن کر آپ نے اسی جگہ قیام کیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ لوگوں کو مرکزِ خلافت کی اعانت پر تیار کرنے کے لئے کوبھیجا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جس وقت کوفہ پہنچے اس وقت والئ کوفہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر کے لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے تھے آپ فرمارہے تھے کہ لوگو! جس فتنہ سے رسولُ اللہ ﷺ نے خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے، اس لئے ہتھیار بے کار کردو اور بالکل عزلت نشین ہوجاؤ۔ سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے

وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اسی اثنا میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اور انہیں مسجد سے نکال کر خود مجمع سے مخاطب ہوئے اور لوگوں کو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد پر آمادہ کیا حضرت حجر بن عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور کہا "صاحبو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادے کو بھیج کر تم کو دعوت دی ہے لہذا دعوت کو قبول کرو اور علم حیدری کے نیچے جمع ہو کر فتنہ وفساد کی آگ سرد کردو، میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں"۔ ان تقریروں کا اثر یہ ہوا کہ ہر طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی صدائیں بلند ہوئیں تقریباً دس ہزار جانبازوں کی جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے مل گئی۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رُخ کیا۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

مصالحت کی کوششیں اور سبائیوں کی فتنہ انگیزی:

اس وقت بصرہ کے لوگ گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، ایک گروہ خاموش اور غیر جانبدار تھا، دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرفدار اور تیسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا حامی تھا خانہ جنگی کی تیاریوں کو دیکھ کر پہلے گروہ نے مصالحت کی بڑی کوشش کی اور تقریباً ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں کوفہ کے ایک بزرگ حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی معرفت صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور

فریقین اس کے نتیجہ میں امن و آشتی کی جھلک دیکھ رہے تھے۔

ایک طرف تو اطمینان کی یہ حالت تھی کہ دونوں فریق جنگ کے تمام خیالات دلوں سے دُور کر کے رات کے سناٹے میں آرام کی نیند سو رہے تھے اور دوسری طرف ایک گروہ ایسا بھی تھا جو برابر اندر اندر فتنہ انگیزی میں مصروف تھا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں اور سبائیوں کا گروہ تھا جو اس صُلح کو اپنے لئے سم قاتل سمجھتا تھا دونوں فریقوں کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر شب خون مارا گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا، ایک دوسرے پر حملہ کر دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر چند لوگوں کو روکنے کی کوشش کی مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رُک سکتا تھا، غرض صبح ہوتے ہوتے رات کو دلآویز خواب پریشان ہوگیا اور امن و صلح کے پیامی، فوج کی قیادت سنبھالنے پر مجبور ہوگئے، چنانچہ فریقین اپنی اپنی فوجیں لے کر صف آرا ہوئے اور خونریز جنگ شروع ہوگئی۔

جنگِ جمل:

عین ہنگامہ کارزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑی، آپ نے ان سے کہا ''ابوعبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رُسول اللہ ﷺ نے تم سے پوچھا کہ کیا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی'' ہاں، یارسولِ اللہ ﷺ یاد کرو، اُس وقت تم سے حضور پرنور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں، اب مجھے یاد آیا''۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت:

غرض رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی یاد کر کے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فوراً جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا جانِ پدر، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسی بات یاد دلا دی کہ جنگ کا تمام جوش ختم ہو گیا ہے، اب میں اس جنگ میں شرکت نہیں کروں گا۔ تم بھی میرا ساتھ دو، لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا، اس پر آپ اکیلے بصرہ کی طرف چل پڑے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی اور طرف نکل جائیں اس سفر میں ایک سبائی عمرو بن جرموز بھی آپ کے ساتھ ہو گیا، وادی سباع میں نماز کا وقت آ گیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہر گئے، ابن جرموز نے بھی اقتدا کی مگر جونہی آپ سجدہ میں گئے اُس نے ایسا وار کیا کہ آپ شہید ہو گئے، پھر وہ کارگزاری کے طور پر آپ کا سر گھوڑا، تلوار اور زرہ لے کر خوشی خوشی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، آپ نے فرمایا ابنِ صفیہ رضی اللہ عنہا کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو، پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ اُس شخص کی تلوار ہے جس نے بار، بار، رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور پر سے حزن و ملال کے آثار دُور کئے ہیں۔

(تاریخ اسلام ندوی)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے دیکھا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا، مروان بن حکم کو معلوم ہوا تو اس نے تاک کر ایک ایسا تیر مارا جو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں پیوست ہو گیا، تیر چونکہ زہر میں بُجھا ہوا تھا اس لئے زہر کے اثر سے آپ کا کام تمام ہو گیا۔

سبائیوں گرفتار کرنے کی ناپاک جسارت:

اب میدان جنگ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اوران کے جانثار رہ گئے تھے فریقین نہایت پامردی سے ایک دُوسرے کے مقابل ڈٹے ہوئے تھے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زرہ پوش ہودج میں بیٹھی ہوئیں جانثاروں کی حوصلہ افزائی کررہی تھیں اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہورہی تھی نامرتبہ شناس سبائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ کے وفادار بیٹوں میں قبیلہ بنی ضبہّ نے جانیں فدا کیں، اور اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پر لاشیں گرارہے تھے، اُس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو اَزوار دو ہزار بنی ضبہّ نے جانیں فدا کیں، بکرین وائل، ازداور بنوضبہّ اُونٹ کو اپنے حصار میں لے کراس جوش بہادری اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرار رضی اللہ عنہ کو حیرت تھی، اُونٹ کی مہار کو پکڑنا گویا موت کو دعوت دیناتھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہوکر گرے تو فوراً دُوسرے نے بڑھ کر نکیل پکڑلی وہ مارا گیا تو تیسرے نے اُس کی جگہ لی، اس طریقہ سے چالیس یا ستر آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی، بصرہ کا شہسوار عمرو بن بجرہ اس جوش سے لڑرہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کو جو شخص بھی سامنے جاتا تھا مارا جاتا تھا آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے مشہور شہسوار حارث بن زبیراز دی مقابلہ پر آئے اور تھوڑی دیر تک تیغ وسنان کے ردّوبدل کے بعد دونوں ایک دُوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہوگئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اُونٹ اپنی جگہ قائم رہے گا مسلمانوں کی خونریزی ترک نہیں ہوسکتی چنانچہ آپ نے حکم دیا

کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اُسے گرا دیا جائے، اس پر ایک شخص اعین بن ضبعہ نے اُونٹ کے پاؤں زخمی کر دیئے، اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو جو جنگ میں ان کے طرفدار تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ کی خبر گیری کریں پھر آپ نے عام منادی کرادی کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے اور نہ کسی کا مال لوٹا جائے جو ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے اس کے بعد امیر المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مزاج پُرسی کے لئے حاضر ہوئے اور پوچھا اماں مزاج کیسا ہے؟ فرمایا اچھی ہوں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے" اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے۔

بصریٰ سے واپسی:

چند دن تک بصرہ میں آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا سواری، زادراہ، نقد جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کر کے بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ہمرکاب کیا، روانگی کے وقت چند میل تک خود ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں یعنی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مشائعت کے لئے بھیجا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا "میرے بچو! یہ جنگ غلط فہمی کا نتیجہ تھی ورنہ مجھ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں پہلے کوئی جھگڑا

نہ تھا"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں ان کی تعظیم وتوقیر ضروری ہے۔
غرض پہلی رجب ۳۶ھ بروز ہفتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

مرکزِ خلافت کی تبدیلی اور کوفہ دارالحکومت میں تبدیل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں چند روز قیام کے بعد کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲ رجب ۳۶ھ بروز دو شنبہ شہر میں داخل ہوئے اہل کوفہ نے قصرِ امارت میں ٹھہرانے کا اہتمام کیا مگر زُہد وقناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کر دیا اور فرمایا "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میرے لئے میدان بہتر ہیں"۔ غرض میدان میں ہی قیام فرمایا، مسجد اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جُمعہ کے روز خطبہ دیا جس میں لوگوں کو تقویٰ، پرہیز گاری اور وفاشعاری کی ہدایت فرمائی۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے خاتمہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دارالحکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔

مورخین نے اس تبدیلی کے اگرچہ مختلف وجوہ بیان کئے ہیں تاہم سب سے اہم یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے حرمِ نبوی ﷺ کی جو توہین ہوئی، اُس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ مدینہ جیسے علمی اور مذہبی مرکز کو آئندہ شروفتن سے بچانے کے لئے سیاسی مرکز سے علیحدہ کر دیں، دوسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں اور طرفداروں کی زیادہ تعداد عراق میں تھی اس لئے سیاسی

حیثیت سے کوفہ آپ لئے زیادہ اہم تھا۔

اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ منورہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتائج سے محفوظ ہوگیا، لیکن اس سے مدینہ کی سیاسی حیثیت ختم ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود مرکز اسلام سے دور ہوگئے۔ اس کے نتائج ان کے لئے بھی کچھ مفید ثابت نہ ہوئے۔

نئے گورنروں کا تقرر:

کوفہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نئے سرے سے ملک کا نظم ونسق قائم کیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم بنایا، قیس بن سعد کو مصر کی ولایت پر مامور کیا مدائن پر یزید بن قیس، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، صوبہ خراسان پر خلید بن کاس، بحرین پر عمرو بن ابی سلمہ، اور شیرخرہ پر مصقلہ بن بیرہ۔ آذر بائیجان پر اشعب بن قیس اور جزیرہ موصل اور شام کے متعلقہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا، اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کرلیا، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل ضحاک بن قیس، حران اور رقہ کے درمیان ان کے مقابلے پر آئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن خالد کو مدد کے لئے بھیجا اور نتیجۃً اشتر پھر موصل جانے پر مجبور ہوگئے، تاہم موصل میں مستقل قیام کر کے اشتر نے شامی فوج سے چھیڑا چھاڑ شروع کردی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمال کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

صلح کی دعوت:

گزشتہ سطور میں یہ بیان ہوچکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تسلیم نہیں کیا تھا اور آپ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ درمیان میں جنگ جمل پیش آگئی، جس کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی طرف توجہ نہ کرسکے چنانچہ اس سے فراغت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں پھر ایک دفعہ صلح کی دعوت دی اور حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر بھیجا حضرت جریر رضی اللہ عنہ جس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اس وقت دربار میں روسائے شام کا مجمع تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے خط لے کر خود پڑھا پھر بلند آواز سے حاضرین کو سنایا۔ بعد حمد ونعت کے خط کا مضمون یہ تھا:

''جن لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پر بیعت کی تھی انہوں نے میری بیعت کرلی ہے۔ اس کے بعد کسی کے لئے چون وچراں کی گنجائش نہیں ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کو ہے، اس لئے ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائے گا۔ پس تم مہاجرین و انصار کا اتباع کرو، عافیت و سلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اپنی مقصد براری کا وسیلہ بنایا ہے، اگر تم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حقیقی قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو بیعت کے بعد باضابطہ مقدمہ پیش کرو۔ میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا''۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تقریباً بیس بائیس سال سے شام کے والی تھے اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال اور خود مختاری کی تمنا پیدا کردی تھی جس کے حصول کے لئے اس سے زیادہ بہتر موقع میسر نہیں آسکتا تھا نیز

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنواُمیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ چشمک پھر تازہ ہوگئی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معزول کردہ تمام اموی عمال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہوگئے تھے تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنا دیا تھا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مزید نامور مدبرّ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو تدبرّ و سیاست میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے ہم پایہ تھے اور پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مائل تھے اب ان سے دل برداشتہ ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے آملے تھے لیکن ان تمام موافق حالات کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو چند اُلجھنیں ایسی درپیش تھیں جن کو سُلجھانا جہت ضروری تھا اوّل یہ کہ محمد بن حذیفہ، جو ان کے شدید مخالفین میں سے تھے، قید خانہ سے بھاگ گئے تھے دوسرے رُومی سواحلِ شام پر حملہ کے لئے فوجیں جمع کر رہے تھے کہ اسی دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ کا یہ تہدیدی خط پہنچا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بُلا کر مشورہ کیا، اُنھوں نے اپنے لئے مصر کی حکومت کا وعدہ لے کر انہیں رائے دی کہ محمد بن حذیفہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں انہیں تلاش کراؤ اگر مل گئے تو خیر ورنہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، دوسرے قیصرِ روم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے صلح کرلو وہ اس شرط پر فوراً تیار ہوجائے گا لیکن خود حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی نظر میں سب سے اہم بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ عظمت تھی کہ انہیں سبقتِ اسلام اور قرابتِ نبوی ﷺ کا شرف حاصل تھا اس بنا پر انہیں یقین تھا کہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر کبھی بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ترجیح نہیں دیں گے، اس لئے ان کی نظر میں بغیر کسی معقول سبب اور بنیاد کے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت کی مخالفت خطرے سے خالی نہیں تھی، چنانچہ اس ضمن

میں اُن کی رائے یہ تھی کہ بہرصورت عمائد شام کو یقین دلایا جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شرکت تھی اور اُس کی ابتدا شام کے با اثر شخص شرجیل بن سمط کندی سے کرنی چاہیے، اگر وہ ہمارے ہمنوا ہو گئے تو ان کے ذریعہ بآسانی اس کی اشاعت ہو جائے گی، اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرجیل بن سمط کندی کو بلا کر اُسے یہاں تک اپنا ہم خیال بنایا کہ اس نے رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے شام کا دورہ کیا جس کے نتیجہ میں شام کا پورا ملک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔

دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی اہلیہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیوں کی جن کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جامع دمشق میں آویزاں کرا دیا تھا، نمائش برابر جاری رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف شامی فوجوں کے جذبات بھڑکانے کے لئے انہیں دمشق طلب کیا تا کہ یہ منظر دیکھ سکیں، لوگ جوق دَر جوق آتے اور اس درد انگیز منظر کو دیکھ کر زار زار روتے، غرض فوج سے لے کر ایک عام آدمی تک کے جذبات بھڑک اُٹھے اور اہل شام نے قسم کھالی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کا بدلہ نہ لیں گے اُس وقت تک نہ بستر پر سوئیں گے نہ اپنی بیویوں سے تعلق رکھیں گے۔

دوبارہ مصالحت کی کوشش:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بجلی کو اپنے پاس اس وقت تک روکے رکھا تھا اور یہ حالات مشاہدہ کرانے کے بعد واپس کیا، اُنہوں نے جا کر بیان کیا کہ سارا شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پیراہن دیکھ کر روتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور اُن کے قاتلوں کو پناہ دی ہے، اور یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جان دے دیں گے یا جان لے کر رہیں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ پوری طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لئے تیار تھے صرف ان کے آخری جواب کا انتظار تھا چنانچہ قاصد کی واپسی کے بعد آپ کے لئے اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ جنگ کے انتظامات کریں۔

یہ دیکھ کر کہ ابھی جنگ جمل کے زخم بھی مندمل نہیں ہوئے کہ پھر مسلمانوں کی تلواریں بے نیام ہونے والی ہیں بعض مخلص اور اُمت کے خیر خواہ اس تصادم کو روکنے کی تدبیریں کرنے لگے، چنانچہ شام کے ایک عابد وزاہد بزرگ ابو مسلم خولانی چند آدمیوں کے ساتھ لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کر کے ان کے مقابلہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگی تیاریوں کا سبب پوچھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے، ہم ان کی خلافت تسلیم کر لیں گے، ابو مسلم خولانی نے کہا کہ تم یہی بات لکھ کر دے دو وہ میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤں گا۔

ابو مسلم خولانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور خط ان کے حوالے کر کے اپنے طور پر گزارش کی کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے تو ہم تمام اہل شام بخوشی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، کیونکہ بلحاظ فضل وکمال آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ابو مسلم کو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا، دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے، یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح

آدمی جمع ہیں اور سب نعرے لگا رہے ہیں کہ "ہم سب عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں"۔ یہ رنگ دیکھ کر ابُومسلم نے بارگاہِ خلافت میں عرض کی معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کرلی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس سے اندازہ کرسکتے ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر میرا کہنا کس قدر اختیار ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں لکھا کہ:۔

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں گوشہ نشین ہوگیا مجھے خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصولِ مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو، اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہروی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا"۔

(تاریخِ اسلام حصہ اوّل)

ایک خط حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو علیحدہ لکھا کہ "دُنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلط روی میں ان کا ساتھ دے کر اپنے اعمال برباد نہ کرو"۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور آپ کو مجبوراً قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا، چنانچہ آپ نے حضرت ابُو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ذی الحجہ ۳۶ھ میں اسّی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدودِ شام کا رُخ کیا، اس فوج میں عام مسلمانوں کے علاوہ ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہ، سات سو بیعتِ رضوان کے جانثار اور چار سو عام مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

معرکہ صفین:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے سے جنگ کے لئے نکل چکے تھے، ان کا

مقدمۃ الجیش حالات کا پتہ چلانے کے لئے ابو الاعور سلمی کی قیادت میں آگے آگے تھے، دوسری طرف علوی فوج کے افسر زیادہ بن نضر اور شریح بن ہانی آرہے تھے کہ فریقین کا آمنا سامنا ہوگیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو آپ نے اشتر نخعی کو زیادہ کی مدد کے لئے بھیجا۔ ابو الاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے تو رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو پیچھے ہٹالیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عراقی فوج کو نقل و حرکت کی اطلاع دی، انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لئے منتخب کر کے فرات کے ساحل پر فوجیں اُتار دیں تمام مناسب اور اہم مقامات پر مورچے جمانے کے بعد ابو الاعور کو دس ہزار فوج کے ساتھ فرات پر متعین کر دیا، کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔

پانی کے لئے کشمکش:

اسی دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے اور شامی فوجوں کے قریب ہی فوجیں اُتاریں شامیوں نے چونکہ پہلے ہی اہم مقامات پر قبضہ کر کے پانی پر پہرا بٹھا دیا تھا اس لئے علوی فوج کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زبانی پیغام کہلا بھیجا کہ پانی کی بندش مناسب نہیں مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر حکم دیا کہ شامی فوجوں کا مقابلہ کر کے بزور طاقت گھاٹ پر قبضہ کرلیا جائے چنانچہ عراقی فوج کا ایک دستہ گھاٹ پر پہنچا، ابو الاعور نے روکنا چاہا مگر عراقی فوج نے شکست دے کر گھاٹ پر قبضہ کرلیا، اب جو دقت علوی فوج کو پیش آئی تھی وہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیش آئی لیکن حضرت سیّدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی انسانی ہمدردی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس

فیاضانہ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ فریقین ایک دریا سے سیراب ہونے کے باعث بیخوف وخطر آپس میں ملنے جلنے لگے اور دونوں کیمپ کے سپاہیوں میں دوستانہ آمدورفت شروع ہوگئی یہاں تک کہ یہ خیال کیا جانے لگا کہ اب صلح ہوجائے گی۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

میدانِ جنگ میں مصالحت کی کوشش:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر بشر بن عمرو محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج کر مصالحت کی کوشش کی، لیکن حسبِ سابق کامیابی نہ ہوئی، ان کے علاوہ دونوں فوجوں کے علماء، فضلا اور حفاظ جو اس خونریزی کو ناپسند کرتے تھے اپنے طور پر مصالحت کی کوششوں میں مصروف تھے، اس دوران میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں آ کر بیچ بچاؤ کردیا یہاں تک کہ اسی حالت میں تین ماہ گذر گئے بالآخر جب مصالحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوسکی تو اوائل جمادی الآخر ۳۷ھ میں جنگ چھڑ گئی جو اسی ماہ کے آخر تک جاری رہی، اس دوران میں کوئی خونریز جنگ نہ ہوئی بلکہ ایک ایک دستہ میدان میں آتا تھا اور صبح شام معمولی جھڑپ ہوجاتی تھی، لیکن جیسے ہی رجب کا چاند طلوع ہوا، اشہرِ حرم کی عظمت کے خیال سے جنگ روک دی گئی۔

مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی:

التوائے جنگ کے بعد خیرخواہانِ اُمت نے پھر مصالحت کی کوششیں شروع کردیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رُک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو، چنانچہ حضرت ابُو دردا رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو امامہ باہلی

رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیوں لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خُونِ ناحق کے لیے" پھر ان صحابہ سے پوچھا کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا" قتل تو نہیں کیا، قاتلوں کو پناہ دی ہے۔ اگر وہ انہیں ہمارے حوالے کردیں تو میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا"۔

اس گفتگو کے بعد یہ دونوں بُزرگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہُوئے انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ سُنایا، اسے سُن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے باہر نکل کر نعرہ لگایا "ہم سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں" یہ رنگ دیکھ کو حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا۔

غرض صلح کی جتنی کوششیں ہوئیں سب ناکام رہیں اور شہرِ حرام کے ختم ہوتے ہی از سرِ نو جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا، اس دوران میں تقریباً نوّے معرکے ہوئے جن میں پنیتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہوگئے۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

لیکن پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آکر اپنی فوج کے سامنے نہایت پر جوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ پر اُبھارا، تمام فوج نے بلند حوصلہ ہوکر اس جوش وخروش سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں

اُکھڑ گئے حیدر کرار رضی اللہ عنہ خود فوج کے آگے تھے اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ مقابل کی صفیں چیرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقصورہ کے قریب پہنچ گئے اور پکار کر کہا ''معاویہ (رضی اللہ عنہ!) خلقِ خدا کا خون گراتے ہو، آؤ ہم تم کو باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرلیں''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مجاہدانہ پکار کا کوئی جواب نہ دیا البتہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خود فاتح خیبر کے مقابلہ پر نکلے، دونوں میں دیر تک تیغ وسنان کا ردّو بدل ہوتا رہا مگر آخر حیدرِ کرار کے وار سے گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہوگئے، شیرِ خدا نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

لیلۃ الہریر کی فیصلہ کن جنگ:

اس جنگ کے بعد ایک ایک دستہ کا مقابلہ ہونے کی بجائے پوری فوج سے جنگ ہونے لگی، یہ سلسلہ چند دنوں تک جاری رہا یہاں تک کہ جُمعہ کے روز اتنی مہیب جنگ پیش آئی جو شدت وخونریزی کے لحاظ سے تاریخِ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے اس میں رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی اور اس زور کا رَن پڑا کہ نعروں کی گونج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلوار کی جھنکاروں سے زمین تھرا رہی تھی، عرب مورخین اسی مناسبت سے اسے لیلۃ الہریر کہتے ہیں، دوسرے دن صبح کو مجروحین ومقتولین کے اٹھانے کے لئے لڑائی ملتوی ہوگئی، اس دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے طرفداروں سے خطاب کرتے ہوئے نہایت پر جوش تقریر کی، آپ نے فرمایا ''جانبازو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں انشاء اللہ کل اس کا فیصلہ ہو جائے گا، پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست

دینے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس وقت تک میدان نہ چھوڑو جب تا کہ اس کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے"۔

اس معرکہ سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نہایت جانبازی شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا لیکن لیلۃ الہریر کی خونریز جنگ نے کافی حد تک ان کے حوصلوں کو پست کر دیا تھا اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ لشکرِ حیدری کے مقابلہ پر ٹھہرنا ناممکن ہے، ادھر عراقی بھی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے تھے فریقین کے عافیت اندیش لوگوں کو نظر آرہا تھا کہ اگر مسلمان باہم اسی طرح نبرد آزمار ہے تو مسلمانوں کی قوت تباہ ہو جائے گی اور ان میں غیر مسلموں کے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہے گی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر جنگ جاری رہی تو رومی، شام میں ہمارے اہل وعیال پر قبضہ کر لیں گے اور فارس کے دہقان عراقیوں کے بال بچوں کو پکڑ لے جائیں گے، علوی فوج کے ایک مدبر اشعث بن قیس کندی نے بھی یہ خطرہ محسوس کیا اور اپنی جماعت سے کہا کہ گزشتہ خونریز جنگ کے بعد اگر آئندہ پھر جنگ ہوئی تو عرب تباہ ہو جائے گا اور ہماری عظمت وحرمت اُٹھ جائے گی۔

مورخین کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "اگر ہم کو اور آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیے، ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے اس لئے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے"۔ (سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین)

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصالحت کی اس تجویز پر کوئی توجہ نہ دی اور

دوسرے روز علی الصبح زرہ بکتر پہن کر اپنی فوج کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ اپنی فوج کی حالت کا اندازہ کر چکے تھے اس لئے انہوں نے حریف سے جنگ ختم کرنے کا تہیہ کرلیا تھا اس موقعہ پر انہیں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یقین دلایا کہ اب میں ایک ایسی تدبیر کروں گا جس سے قبول و انکار دونوں صورتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی، چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان میں آئے تو ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا یعنی آگے دمشق کا ''مصحفِ اعظم'' پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا جسے پانچ آدمی بلند کیے ہوئے تھے اس کے پیچھے ہزاروں قرآن مجید نیزوں پر بلند تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک عظیم جمعیت کے ساتھ حملہ کیا تو فضل بن ادہم، شریح جذامی اور ورقا بن معمر نے پکار کر علوی فوج سے کہا ''معشرِ عرب! خدارا اپنی عورتوں اور بچوں کو فارس اور رُوم سے بچاؤ اگر شامی ختم ہوگئے تو رُومیوں سے شام کی حفاظت کون کرے گا اور اگر عراقی فنا ہوگئے تو اہل عجم سے عراق کو کون بچائے گا، آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں اور اس کا فیصلہ ہم دونوں کے لئے واجب تسلیم ہو''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فوج کے بعض دوسرے عاقبت اندیش افسروں نے ہر چند لوگوں کو سمجھایا کہ ہم کو اس دامِ تزویر میں نہیں پھنسا چاہیے، یہ حریف نے محض ناکامی و نامرادی سے بچنے کے لیے چال چلی ہے لیکن چونکہ شامیوں کا جادو چل تھا اس لئے باوجود سعی و کوشش کے ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ ہم کو قرآن کی دعوت رَد نہیں کرنی چاہیے، بعض لوگ اپنے اصرار میں اس حد تک بڑھ گئے کہ اُنہوں نے جنابِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھمکی دی کہ اگر

آپ نے قرآن کو حکم کو ماننے سے انکار کردیا تو ہم آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیں گے، مسعر بن فدکی زید بن حصین اور ابن الکواء اس جماعت کے سرِ گروہ تھے اشعث بن قیس نے اس موقع پر جنابِ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی، "امیر المومنین! میں جس طرح کل آپ کا جانثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں، لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہیے"۔ غرض یہ تدبیر ایسی کامیاب ہوئی کہ مجبوراً جنابِ علی مُرتضٰی رضی اللہ عنہ کو اپنی فوج کو واپس کیمپ میں لوٹ آنے کا حکم دینا پڑا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت اشتر نخعی نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے اس لئے انہیں واپسی کا حکم سُن کر بڑا صدمہ ہُوا، چنانچہ جب آپ اپنے کیمپ میں واپس آئے تو آپ کی ان لوگوں سے شدید تلخ کلامی ہوئی جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا اور قریب تھا باہم کشت وخون کی نوبت پہنچ جائے کہ جنابِ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کردیا۔

تحکیم کی تجویز اور حَکم کا انتخاب:

التوائے جنگ کے بعد فریقین میں خط و کتابت شروع ہُوئی اور دونوں طرف کے علماء وفضلاء کا اجتماع ہُوا آخر بحث ومباحثہ کے بعد طے پایا کہ دونوں فریق کی جانب سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے وہ کتاب اللہ کی رُو سے جو فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے گا اس پر شامیوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا اور اہل عراق کی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے اختلاف تھا آپ نے فرمایا کہ ان پر مجھے اعتماد نہیں وہ ہماری مخالفت کرچکے ہیں اس لئے انکی بجائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو

حَکم بنایا جائے لیکن جن لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تجویز کیا تھا انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کے عزیز ہیں اور حکم غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ردوکد کے جواب میں فرمایا تو پھر اشتر نخعی کو حکم بنایا جائے، اس موقع پر اشعث بن قیس نے اعتراض اُٹھایا کہ جس شخص نے یہ آگ بھڑکائی ہے اسے حکم کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ غرض جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن جائے تو آپ چارو نا چار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر راضی ہو گئے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے البتہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لئے قاصد بھیجا گیا کیونکہ آپ جنگ سے کنارہ کش ہو کر شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشیں ہو گئے تھے بہرحال آپ تشریف لائے تو دونوں فریق کے ارباب حل وعقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لئے جمع ہوئے کتابت شروع ہوئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نام کے ساتھ ''امیر المومنین'' لکھنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معترض ہوئے اور کہا کہ اگر ہم انہیں امیر المومنین مانتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض حامیوں کو اس پر اصرار تھا فدائے رسول ﷺ نے فرمایا ''خدا کی قسم یہ تو سُنتِ نبوی ﷺ ہے، معاہدہ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے لفظ پر مشرکین کو اسی قسم کا اعتراض ہُوا تھا، اس لئے جس طرح حضور نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنے دستِ مبارک سے مٹایا تھا اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہُوں''۔ چنانچہ ''امیر المومنین'' کا لفظ کاٹ کر ایک طویل معاہدہ لکھا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

معاہدہ کا خلاصہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا ہے، یہ دونوں کسی فریق کی رو رعایت کے بغیر اُمت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے مطابق جو فیصلہ کریں گے وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا، اور جو فریق اس کو ماننے سے انکار کرے گا حکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق مدد کریں گے لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سُنتِ رسول ﷺ کے خلاف ہو یا کسی فریق کی جُنبہ داری پائی جائے تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اِس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہوگا فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے گی اور کامل امن وامان رکھا جائے گا دونوں حکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا اور ماہ رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہو جائے گا''۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

متذکرہ عہد نامہ کو دونوں طرف کے سربر آور دہ لوگوں نے اپنے دستخطوں سے موثق کیا اور شام وعراق کی سرحد پر دومتہ الجندل کا مقام فیصلہ کے اعلان کے لئے مقرر ہُوا تکمیل کے بعد معاہدہ کا مضمون جب فریقین کی فوجوں میں مشتہر کیا گیا تو اسے سُن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہو گیا جو بعد میں ''خارجی'' فرقہ کے نام سے موسوم ہُوا بہر حال اس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

تحکیم کا نتیجہ:

فیصلہ کا مقام چونکہ دومتہ الجندل مقرر ہوا تھا اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چار چار سو کی جمعیت ساتھ کر کے اپنے اپنے حکم کو اس مقام پر بھیج دیا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو اپنے زہد و تقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے، تحکیم کی خبر سن کر اور اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لئے دومۃ الجندل تشریف لے آئے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جو نہایت معاملہ فہم اور نکتہ رس بزرگ تھے، دونوں حکموں سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا اور پیشگوئی کی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آئندہ ہوگا بہر حال حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مجلسِ شوریٰ منعقد ہوئی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بڑے مدبر اور دانش مند تھے اُنہوں نے پہلے ہی غیر معمولی عزت و تکریم کے ذریعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ چونکہ آپ میرے بُزرگ اور رسول اللہ ﷺ کے مقتدر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اس لئے پہلے آپ اپنے خیالات کا اظہار فرمایئے۔ مورخین کے مطابق دونوں میں اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہُوئی اُس کا خلاصہ ہے:۔

گفتگو کا خلاصہ:

عمرو رضی اللہ عنہ ہم کیوں نہ ایسے شخص کو منتخب کریں جس میں خدا کی خوشنودی اور اُمت کی فلاح، دونوں باتیں حاصل ہوں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ کس کو؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جن کا

دامن ان ہنگاموں سے پاک رہا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا رُتبہ ہے وُہ کس طرح اس کے مستحق ہوسکتے ہیں؟ ہاں! اگر تم اتفاق کرو تو حضرت فارُوقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا عہد لوٹ آئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کردیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظرِ انتخاب کیوں نہیں پڑتی فضل ومنقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:۔ بیشک تمہارا لڑکا صالح اور اہل ہے لیکن اس فتنہ میں شرکت سے اس کا دامن داغدا ہے، بر خلاف اس کے طیب ابن الطیّب، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا لباسِ تقویٰ ہر قسم کے دھبّوں سے محفوظ ہے۔ پس آؤ، ان کو ہی مسندِ خلافت پر بٹھادیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے جو ایک داڑھ سے خود کھائے اور دُوسری سے دُوسرں کو کھلائے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ:۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ، کشت وخون کے بعد مسلمانوں نے یہ معاملہ ہمارے سُپرد کیا ہے، اب ان کو دوبارہ فتنہ میں نہ ڈالو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:۔ میری رائے تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:۔ مجھے اس سے اتفاق ہے، اُمت کی بھلائی اسی میں ہے۔

فیصلہ کا اعلان:

بعض عاقبت اندیش اور سمجھ دار لوگوں کو حضرت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سادہ دلی اور حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا، چنانچہ مذکورہ بالا قرار داد کے بعد جب دونوں ایک دُوسرے سے جُدا ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر انہیں اس خطرہ سے آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ اگر آپ دونوں کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہوں تو اس کے اعلان میں خود پیش قدمی نہ کیجئے گا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہوشیار آدمی ہیں اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کر دیا تو وہ آپ کو مات دے جائیں گے۔ حضرت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متحدہ ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔

غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حکموں نے جامع مسجد میں فیصلہ سُنایا، ہزاروں مسلمان اس کے اشتیاق میں جمع تھے حضرت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں، اُنہوں نے عرض کی ”میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت میں اور عمر۔ میں، غرض ہر حیثیت سے مجھ سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں“۔ حضرت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر یہ جادُو چل گیا، چنانچہ آپ بغیر کسی پس پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا:۔

"صاحبو! ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا۔ اس اُمت کے اتفاق و اتحاد اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے، عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کریں اس لئے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرتا ہوں، آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ"۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اُتر آئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا:۔

"صاحبو! حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ آپ لوگوں نے سُن لیا، انہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھتا ہوں وہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں اس لئے ان کی قائمقامی کے لئے سب سے زیادہ مستحق ہیں"۔ (تاریخ طبری حصہ سوم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بہت سادہ اور نیک دل بزرگ تھے آپ یہ فیصلہ سُن کر ششدر رہ گئے اور چلا کر کہا "یہ غدّاری ہے"، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور اب اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی۔

اس فیصلہ سے قدرۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہوگئی شریح بن ہانی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسانے شروع کر دئے اس طرف سے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا لیکن بات بڑھنے نہ پائی اور لوگوں نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفت گزشت کرا دیا۔ حضرت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس قدر ندامت ہوئی کہ اسی وقت مکہ روانہ ہو گئے اور تمام عُمر گوشہ نشین رہے۔

خوارج کی سرکشی:

یہ فیصلہ اس قدر نا منصفانہ تھا کہ کوئی حق پسند تسلیم نہ کر سکتا تھا اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کے اعلان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں آپ ابھی اس میں مشغول تھے کہ خارجیوں نے عراق میں اتنی شورش اور بدامنی پھیلائی کہ آپ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کا ارادہ ملتوی کر کے ادھر متوجہ ہونا پڑا۔

اُوپر کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ شروع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کی تجویز کی مخالفت کی تھی مگر پھر اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی اصرار پر اسے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے لیکن اب تحکیم کی تجویز طے ہو جانے کے بعد آپ ہی کے حامیوں میں سے ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی تھی، چنانچہ جب آپ ہی کے حامیوں میں سے ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی تھی، چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ تشریف لائے تو اُنہوں نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ بارہ ہزار آدمی آپ کی فوج سے کنارہ کش ہو کر حروراء میں اقامت پذیر ہو گئے، آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو انہیں سمجھانے کے لئے بھیجا، مگر جب وہ ناکام لوٹے تو آپ خود تشریف لے گئے اور انہیں سمجھا بُجھا کر راضی کر لیا اور سب کو کوفہ لے آئے اس پر یہ افواہ پھیل گئی کہ جنابِ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی خاطر داری کے لئے تحکیم کو کفر تسلیم کر کے اس سے توبہ کر لی ہے جنابِ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ نے خطبہ دے کر اس افواہ کی پرزور تردید کی اور فرمایا کہ پہلے انہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا، پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر

جنگ شروع کردوں خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا، میں معاہدہ نہیں توڑ سکتا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو عہد کرو اسے پُورا کرو۔ بہر کیف جب ان لوگوں کے مجبور کرنے پر بھی آپ راضی نہ ہُوئے تو انہوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لئے آپ سے لڑیں گے، آپ نے فرمایا، تو تمہاری لاشیں خاک وخُون میں تڑپیں گی۔

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صُورت اختیار کرلی اور جب تحکیم بے نتیجہ میں نامنصفانہ فیصلہ ملک میں شائع ہُوا تو اس گروہ نے عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عملی مخالفت شروع کردی اس گروہ کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں انسان کو حکم بنانا کفر ہے، لہٰذا حکم اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں جن کے خلاف جہاد فرض ہے اور اس عقیدہ سے اتفاق نہ کرنے والوں کا خُون مباح ہے چنانچہ ان عقائد کی اشاعت کر کے اس گروہ نے کوفہ، بصرہ، مدائن اور عراق کے دُوسرے شہروں میں ایک معتدبہ جماعت اپنی ہم خیال بنالی اور خفیہ خفیہ نہروان میں جمع ہوکر عام طور پر قتل و غارتگری کا بازار گرم کردیا۔ اب صُورتِ حال یہ تھی کہ کسی مسلمان کی جان ان کے ہاتھوں سے محفوظ نہ تھی، جو شخص ان کے خیالات کی تائید نہ کرتا اسے تہہ دتیغ کردیا جاتا چنانچہ انہوں نے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو اسی جُرم میں شہید کردیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بیدردی سے قتل کردیا قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو مار ڈالا، غرض جو انہیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حارث بن مرہ کو تحقیقِ حال کے لئے بھیجا خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کردیا۔

معرکہ نہروان:

اُوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے کہ مجبُوراً آپ کو خارجیوں کی فتنہ انگیزیوں اور قتل وغارت کے سدِ باب کے لئے فی الحال شام کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا، چنانچہ آپ خارجیوں کے مقابلہ کے لئے نہروان روانہ ہو گئے۔

یہاں پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اتمامِ حجت کے لئے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث مباحثہ کر کے انہیں راہِ راست پر لائیں، جب وہ ناکام ہوئے تو آپ نے خارجیوں کے سردار ابن الکواء کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا لیکن ان لوگوں کے دل اس قدر تاریک ہو چکے تھے کہ ارشادو ہدایت کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی۔

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا تاہم آپ نے آغازِ جنگ سے پہلے ایک مرتبہ پھر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو امان کا علم دے کر اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس علَم کے نیچے آجائے یا لوٹ جائے یا خارجیوں کا ساتھ چھوڑ دے وہ مامُون ہے اس اعلان پر ایک خارجی سردار فردہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں، اس لئے لوٹ چلنا چاہیے اُور اس وقت تک کوئی حصہ نہیں لینا چاہیے جب تک کہ ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کرنے میں سے کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں، چنانچہ اس نے پانچ سو آدمی لے کر بندنجین کی راہ لی، ایک اور جماعت کوفہ واپس چلی گئی، ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے علَمِ حیدری کے نیچے پناہ لی اُور عبداللہ بن وہب الراسبی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی

رہ گئے۔

اس وقت بھی ''فاتح خیبر'' نے اپنی فوج کو جنگ کی ابتدا کرنے سے روکے رکھا تا آنکہ خود خارجیوں نے ''لاحکم الا اللہ'' کا نعرہ لگا کر علوی فوج پر اس زور سے حملہ کر دیا کہ اگر جانثارانِ علی رضی اللہ عنہ میں غیر معمولی ثبات واستقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا خارجیوں کی حالت یہ تھی کی ان کے اعضا کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جاتے تھے لیکن ان کی حملہ آوری میں کوئی فرق نہیں آتا تھا ایک خارجی شریح بن ابی اوفی کا ایک پاؤں کٹ گیا تو وہ اس حالت میں بھی لڑتا رہا۔ بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو نہایت فاش شکست ہوئی اور وہ ایک ایک کر کے مارے گئے۔

مورخین کے مطابق جنگ کے خاتمہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجی مقتولین میں اُس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی، چنانچہ تلاش کرنے پر ایک گڑھے سے ایک لاش برآمد ہوئی جس میں وہ تمام علامات موجود تھیں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھیں۔ (اس شخص کے بارے میں آگے تفصیل بیان ہوگی)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو سجدے میں گر گئے، پھر فرمایا:۔

''اللہ اکبر! خدا کی قسم نہ تو میں نے جھوٹ بولا تھا اور نہ میں جھٹلایا جاسکا خُدا کی قسم اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم عمل چھوڑ بیٹھو گے تو میں تمہیں فیصلہ سُناتا جو نبی کریم ﷺ کی زبان مُبارک کے ذریعہ ان لوگوں کے حق میں سُنایا گیا ہے جو ان خارجیوں سے جنگ کریں گے اور ان سے جنگ کو حق سمجھیں اور اس حق کو پہچانیں جس پر ہم قائم ہیں''۔

شام کا قصد اور حیدری لشکر کی کمزوری:

گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ جنابِ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی عہدِ عثمانی کے تمام عمال معزول کر کے نئے عمال مقرر کئے تھے۔ چنانچہ مصر کی ولایت پر ایک مقتدر صحابی حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا جو بڑے مدبّر اور مصلحت شناس تھے اُنہوں نے حکمت عملی سے تقریباً تمام اہل مصر کو جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لے لی، البتہ اہل خرتبا کو، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے زیادہ متاثر تھے، تامّل ہُوا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے انہیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہہ دیا ہم تم کو بیعت پر مجبور نہیں کرتے تاہم تمہاری ہر خدمت کے لئے تیار ہیں ان کی اس پالیسی کا اثر یہ ہُوا کہ اہل خرتبا مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انہوں نے کبھی جھگڑا نہ کیا یہ واقعہ جنگ جمل سے پہلے کا ہے۔

جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خوف محسوس ہُوا کہ اگر دُوسری طرف سے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے شام پر حملہ کر دیا تو بڑی دقّت کا سامنا ہوگا چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے ساتھ ملانے کے لئے خط لکھا کہ "تم بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو، اگر ان کا ساتھ چھوڑ کر طالبینِ قصاص کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ تو ہم تمہارا ہر حکم ماننے کے تیار ہیں اور تمہاری زندگی بھر عراق کی حکومت تمہارے لئے مخصوص رہے گی۔ حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہوگا جس کو چاہنا حاکم بنانا اس کے علاوہ اور جو تم چاہو میں سب پُورا کرنے کو تیار ہوں اگر تم کو یہ منظور ہے تو اپنی رائے لکھو"۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ عرب کے نامور مدبّر تھے اور تدبر و سیاست میں کسی طور حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ سے کم نہ تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کشمکش (جس کا آغاز ہو چکا تھا) اور ملک کی دگرگوں حالت ان کے سامنے تھی اس بنا پر انہوں نے دُنیا سازی کے طور پر نہایت گول جواب دے کر ٹال دیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے جہاندیدہ اور رمز شناس تھے فوراً سمجھ گئے چنانچہ آپ نے انہیں لکھا تم نے ایسا جواب دیا ہے کہ نہ تم کو دوست سمجھا جا سکتا ہے کہ تمہاری طرف سے اطمینان رکھا جائے اور نہ ہی دشمن یقین کیا جا سکتا ہے کہ تم سے مقابلہ کیا جائے، مجھ جیسا شخص کبھی تمہارے دام فریب کا شکار نہیں ہو سکتا، افسوس تم اس کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ اشارہ مصر کو پامال کر سکتا ہے"۔ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس تحریر کا نہایت سخت جواب دیا آپ نے جواب میں لکھا کہ "مجھ کو تمہاری عقل پر حیرت ہے تم مجھ کو ایک مستحق خلافت، حق گو، حق پرست، سب سے زیادہ ہدایت یافتہ اور رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین عزیز کے مقابلہ میں ایک جھوٹے، گم کردہ راہ اور رسول اللہ ﷺ سے بعیدہ شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو، تم مجھے اپنی قوت کی دھمکی دیتے ہو، خدا نے چاہا تو خود تم کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائے گی تو ان کو مصر سے ہٹانے کی یہ تدبیر کی کہ ان کے متعلق یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ ہمارے طرفدار ہیں آپ نے شامیوں کو منع کر دیا کہ ان کو بُرا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ ہمارے ساتھ ہیں اور خفیہ طور پر ان کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہیں، پھر اس ثبوت میں اہل خرتبا سے ان کے بہتر سلوک کا حوالہ دیتے، رفتہ رفتہ یہ بات دربارِ خلافت تک پہنچ گئی۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خرتبا سے

بیعت نہ کرنے کا واقعہ دلیل کے طور پر پیش کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان افواہوں سے متاثر ہوکر حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو خرتبا والوں سے بیعت کے لئے لڑنے کا حکم دیا انہوں نے جواب میں لکھا کہ ''آپ ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہیں جواب تک غیر جانبدار ہیں ان کو جونہی چھیڑا گیا تو یہ آپ کے دشمن کے ساتھ ہوجائیں گے، میرا مشورہ قبول کیجئے اور ان سے تعرض نہ فرمایئے''۔ لیکن جب دربارِ خلافت سے مکرّر اصرار ہُوا تو حضرت قیس رضی اللہ عنہ مستعفی ہوکر مدینہ چلے گئے اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ والئ مصر مقرر ہُوئے۔

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کمسن اور ناتجربہ کار تھے انہوں نے حکمت عملی سے کام لینے کی بجائے اہل خرتبا پر فوج کشی کردی جس کے نتیجہ میں شکست کھائی ان کی ناتجربہ کاری کے باعث سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ پہلے ایک جگہ کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے مگر اب اور لوگ بھی مخالف ہوگئے چنانچہ مصر کے ایک مقتدر رئیس معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ نے علانیہ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کی دعوت شروع کردی جس سے مصر کی فضا مسموم ہوگئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے معرکہ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا کہ وہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات دُرست کریں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے راستہ میں ہی زہر دلا کر اشتر نخعی کا کام تمام کرادیا۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

ادھر سے فارغ ہوکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مصر پر فوج کشی کے بارہ میں خط وکتابت کی دونوں نے اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے انہیں مصر پر حملہ کی دعوت دی اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کے بعد حضرت عمرو بن

العاص رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مدد طلب کرنی پڑی۔ اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی فوج کو پیچھے سے گھیر لیا۔ مقابلہ میں ان کے ساتھی یا تو مارے گئے یا جان بچا کر بھاگ گئے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ روپوش ہو گئے مگر آخر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے جاسوسوں نے انہیں ڈھونڈ نکالا اور نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر کے ایک مُردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا۔ (تاریخ طبری سوم)

غرض اس افسوس ناک واقعہ پر ۳۸ھ میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کے مطابق حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا والی بنایا۔

ابن حضرمی کی بصرہ میں آمد:

فتح مصر کے بعد اسی سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے برگشتہ کر کے اپنی حکومت کا طرفدار بنانے کے لئے عبداللہ بن الحضرمی کو بصرہ روانہ کیا۔

مورخین کے مطابق اہل بصرہ نہ صرف واقعہ جمل کے باعث جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کشیدہ خاطر تھے بلکہ وہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا معاوضہ طلب کرنے والوں میں تھے اس لئے ابن الحضرمی کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہُوئی قبیلہ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہلِ بصرہ نے اس کی دعوت کو لبیک کہا۔ زیاد جو گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری میں نیابت کے فرائض انجام دے رہے تھے بصرہ چھوڑ کر حدان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ بارگاہِ خلافت کو اس صُورت حال کی اطلاع ہُوئی تو امیر المومنین

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعین بن ضبیعہ کو ابن الحضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ بصرہ پہنچ کر جس طرح ممکن ہو تمیم اور ابن الحضرمی میں نفاق ڈال دو اور جو شخص اس کی مخالفت کرے اس سے بلا تامل لڑو لیکن قبل اس کے کہ انہیں کامیابی ہو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرفداروں نے ناگہانی طور پر انہیں قتل کرا دیا۔

اعین بن ضبیعہ کے بعد جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو ابنِ الحضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا انہوں نے بصرہ پہنچ کر نہایت حکمت عملی سے ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کا دار سنبل میں محاصرہ کر لیا۔ پھر اس کے گھر کو آگ لگا کر ابن حضرمی کو معہ اس کے ستر یا چالیس ساتھیوں کے جلا دیا۔ اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت کر لی جس پر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ترحم نے عفو عام کا اعلان کر دیا۔

خریت بن راشد کی بغاوت:

معرکہ نہروان میں اگرچہ خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کے حامی ملک میں موجود تھے اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتے رہتے تھے انہی خارجیوں میں خریت بن راشد بھی تھا جو مجوسیوں، مُرتدوں اور نومسلموں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذِمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معقل بن قیس کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا اُنہوں نے اس کا مسلسل تعاقب کیا اور رامہرمز کی پہاڑیوں میں مقابلہ کر کے ملک کو اس کے وجود سے پاک صاف کر دیا اس کے جو ساتھی قتل سے بچ گئے ان سے پھر اطاعت کا عہد لے کر ان سے نہایت لُطف و ترحم کا سلوک کیا

اس طرزِ عمل کا اثر یہ ہوا کہ معقل بن قیس جب رامہرمز سے روانہ ہُوئے تو ان لوگوں نے دُور تک مشائعت کی اور اشکبار آنکھوں سے آپ کو رُخصت کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں صرف شام و مصر تھے جبکہ سارا عرب و عجم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زیر نگیں تھا چنانچہ فتح مصر کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دُوسرے مقبوضات کی طرف قدم بڑھایا اور سب سے اوّل ۳۹ھ میں نعمان بن بشر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا لیکن یہاں نعمان کو کوئی کامیابی نہ ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حاکم مالک بن کعب سے شکست کھا گیا پھر اسی سال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار اور مدائن وغیرہ کی طرف روانہ کیا سفیان بن عوف نے انبار پہنچ کر یہاں کی محافظ فوج کے افسر اشرف بن حسان البکری کو قتل کر کے انبار میں جو کچھ ملا لوٹ لیا۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے سعید بن قیس کو سفیان کے تعاقب میں روانہ کیا مگر کوئی مقابلہ نہ ہُوا، کیونکہ سفیان ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جا چکے تھے پھر اسی سال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو ایک ہزار سات سو آدمیوں کے ساتھ اہل بادیہ سے صدقہ وصول کرنے کے تیاء روانہ کیا وہ اس فرض کو انجام دیتے ہوئے مکہ اور مدینہ پہنچے حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ نے میتب بن بخیہ فزاری کو مقابلہ کے لئے بھیجا تیاء میں فریقین ایک دُوسرے کے مقابل ہوئے جنگ میں عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے میتب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اسے آگ لگا دی لیکن پھر عبداللہ کے پناہ مانگنے پر اسے چھوڑ

دیا اور باقیماندہ ساتھیوں کو لے کر لوٹ گئے۔

اسی سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ واقوصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باجگذار اعراب کو تاخت کے روانہ کیا ضحاک ثعلبہ پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوگئی۔ آپ نے فوری طور پر حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ ان کے مقابلہ پر روانہ کیا تدمر کے کے مقام پر فریقین میں مڈبھیڑ ہوئی، مقابلہ میں حجر نے ضحاک کے اُنیس آدمی قتل کئے اور باقی شامی رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر نکل گئے۔

ذی الحجہ ۳۹ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر بھیجا اور مکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عامل کو نکالنے اور وہاں کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کی خدمت ان کے سپرد کی، مکہ کے علوی حاکم حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اہل مکہ کو مزید مقابلہ کے لئے اُبھارا، لیکن شیبہ بن عثمان کے علاوہ کوئی اس پر آمادہ نہ ہُوا، حضرت قثم رضی اللہ عنہ نے ان حالات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطلع کر کے خود مکہ چھوڑ دینا چاہا لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی درخواست پر اس اقدام سے باز رہے اسی دوران میں شامی پہنچ گئے لیکن کسی سے تعرض نہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چونکہ صُورت حال کی اطلاع ہو چکی تھی اس لئے آپ کے حکم سے ریان بن ضمرہ رضی اللہ عنہ اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فوجیں لے کر مقابلہ کے لئے پہنچے لیکن کسی مقابلہ سے پہلے ہی یزید بن شجرہ نے خود ہی اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن وامان میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے البتہ جو ہم سے لڑے گا اس سے ضرور جنگ کریں گے مزید برآں انہوں نے حضرت ابوسعیدی خدری رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ ''میں حرم کی تفریق پسند

نہیں کرتا اس لئے میرے اور حضرت قثم رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی ایسے تیسرے شخص کو امام بنا دیجئے جس میں سب کو اتفاق ہو" تجویز چونکہ معمولی تھی اس لئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ایما پر حضرت قثم رضی اللہ عنہ الگ ہو گئے لوگوں نے اتفاق رائے سے شیبہ بن عثمان کو امیر بنایا جن کی امارت میں اس سال کا حج ادا ہوا اور یزید بن شجرہ اختتام حج کے بعد واپس چلے گئے۔

اسی سال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن قیاث بن اشیم کو جزیرہ بھیجا یہاں کے حاکم شبیب بن عامر رضی اللہ عنہ نصیبین کے مقام پر تھے انہوں نے کمیل بن زیاد کو ان حالات کی خبر دی، کمیل چھ سو سواروں کو لے کر مدد کو پہنچے اور عبدالرحمٰن کو شکست فاش دی شامیوں کی بڑی تعداد ہلاک ہو گئی اور ان کے سامان پر کمیل نے قبضہ کر لیا اسی اثنا میں شبیب رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے لیکن اس وقت شامی شکست کھا کر واپس جا چکے تھے تاہم آپ نے بعلبک تک ان کا تعاقب کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً حبیب بن مسلمہ کو شبیب رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر بھیجا لیکن ان کے پہنچتے شبیب رضی اللہ عنہ واپس جا چکے تھے۔

دومتہ الجندل کے باشندے غیر جانبدار تھے انہوں نے اب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے کسی کی بیعت نہ کی تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عتبہ کو ان کی بیعت کے لئے بھیجا لیکن یہ لوگ آمادہ نہ ہوئے، امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ نے مالک بن کعب کو اپنی بیعت کے لئے روانہ کیا مالک اور مسلمہ میں جنگ ہوئی مسلم شکست کھا کر لوٹ گئے اس کے بعد مالک نے دومتہ الجندل کے لوگوں سے بیعت لینی چاہی مگر انہوں نے کہا کہ جب تک کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے وہ بیعت نہیں کریں گے۔ مالک نے زیادہ اصرار مناسب نہ سمجھا اور واپس چلے آئے۔

حجاز اور عرب کے لئے کشمکش:

ابھی تک حجاز، جس کی بیعت و حکومت پر خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں از سر نو چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مشہور جفا کار لبسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا، وہ سیدھا مدینہ پہنچا۔ یہاں کے علوی حاکم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حرمِ نبوی ﷺ کے احترام کے خیال سے مزاحمت مناسب نہ سمجھی اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے اہل مدینہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے زبردستی بیعت لی اور لوگوں کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کی غرض سے چند گھروں کو مسمار کر کے مکہ کا رُخ کیا اور اہل مکہ سے بھی بزور طاقت بیعت لی، پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا، حضرت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی یمن کے حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خفیہ طور پر بسر بن ابی ارطاۃ کے حملے کی اطلاع کر دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت تسلیم کرنے میں پس وپیش کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بیدردی سے تہہ وتیغ کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بسر کی آمد سے قبل ہی عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر دربارِ خلافت سے مدد طلب کرنے کے لئے کوفہ کی راہ لی۔ بسر نے یمن پہنچ کر عبدالمدان اور اس کے لڑکے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دو صغیرالسن بچوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت کو قتل کیا اور پھر شام روانہ ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بسر بن ارطاۃ کی ان سفاکیوں کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ

کیا۔ بسر اس وقت نجران میں تھا، علوی فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا۔ جاریہ اور وہب نے نجران پہنچ کر بسر کے چند آدمیوں کو تہہ تیغ کیا، پھر مکہ کا رُخ کیا اور اہل مکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت لے کر مدینہ پہنچے یہاں کے لوگوں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت لی اور چند دن ٹھہر کر کوفہ روانہ ہو گئے۔

فریقین میں مصالحت:

مورخین کے مطابق اس مسلسل خانہ جنگی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں صلح کر لی۔ مورخ طبری کے لفظوں میں "جب دونوں فریقین میں کسی نے بھی دوسرے کی اطاعت قبول نہ کی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحریر کیا کہ اگر تم چاہو تو ایسا کرلو کہ عراق کی حکومت تمہارے حصہ میں ہو اور شام کی میرے حصے میں تاکہ اس اُمت سے تلوار رُک جائے اور مسلمانوں کے خون نہ بہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے۔ (چنانچہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر شام اور اس کے گردو نواح کی دیکھ بھال کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ملک عراق اور اُن کے گردونواح کا انتظام کرتے"۔ غرض اس صلح کی رُو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور شام، مصر اور مغرب کا حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آیا۔

فتوحات:

گذشتہ حالات سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا زمانہ خانہ جنگیوں اور اندرونی شورشوں کو دبانے میں گزرا۔ عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد آپ کو اتنی فرصت نہ مل سکی کہ آپ بیرونی فتوحات کی جانب توجہ فرماتے

اور اسلام کی فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، تاہم آپ اس سے غافل نہ رہے، چنانچہ آپ نے سیستان اور کابل کی جانب، جو عرب خود مختار ہو گئے تھے ان کو قابو میں کر کے، قدم آگے بڑھایا اور مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت بخشی، سب سے پہلے رضا کار سپاہیوں نے کوکن (بمبئی کا علاقہ) پر حملہ کیا جو اس زمانہ میں سندھ میں شامل تھا۔

مورّخ بلاذری، فتوح السندھ کے باب میں لکھتے ہیں:۔

"آخر ۳۸ھ یا اوائل ۳۹ھ میں حارث بن مرۃ العبدی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر بحیثیت مطوع سرحدِ ہند پر حملہ کیا، فتحیاب ہوئے، کثیر غنیمت ہاتھ آئی صرف لونڈی غلام ہی اتنے تھے کہ ایک دن میں ایک ہزار تقسیم کئے گئے"۔

بغاوتوں کا استیصال:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اگرچہ اپنی جنگی صلاحیتوں اور ہمتِ مردانہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملہ آور دستوں کو مقبوضہ علاقوں سے نکال دیا تھا تاہم مسلمانوں کی خانہ جنگی اور عام بدامنی سے فائدہ اُٹھا کر سرزمین عجم میں جا بجا بغاوتیں پیدا ہو گئی تھیں، کرمان اور فارس کے صُوبے باغی ہو گئے تھے اور بعض دیگر علاقوں میں بھی بغاوت کے آثار تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود ان بغاوتوں کو ختم کرنے کے لئے زیادہ بن ابیہ کو اس مُہم پر مامور فرمایا انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ ختم کر کے امن وسکون پیدا کر دیا بغاوت ختم ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ایرانی باغیوں کے ساتھ اس قدر لطف ومہربانی سے پیش آئے کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے

جذبات سے لبریز ہو گیا ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریق جہانبانی نے نوشیروانِ عادل کی طرزِ حکومت کی یاد بھلا دی۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کا سن ۴۰ھ میں اندوہناک حادثہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل میں مورخین نے لکھا ہے کہ معرکہ نہروان میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا، چنانچہ اس واقعہ کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر جمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ صفحہ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی، اس پر عبداللہ الرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، برک بن عبداللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے بیڑہ اُٹھایا، اور پھر ان تینوں صحابہ کو ایک ہی دن یعنی ۱۷ ماہ رمضان کی صبح کو قتل کرنے کا پختہ عہد کر کے یہ ملعون اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ابن ملجم جب کوفہ پہنچا تو وہاں اس نے ایک خارجی عورت قطام بنتِ شجنہ کو دیکھا جو حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھی ابنِ ملجم پہلی ہی نظر میں اس پر فریفتہ ہو گیا اور اسے نکاح کا پیغام دیا۔ اس عورت کے باپ اور بھائی جنگ نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے قتل ہو گئے تھے اس لئے قطام نے نکاح کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی شرط پیش کی ابن ملجم چونکہ پہلے ہی اس ارادہ کی تکمیل کے لئے کوفہ آیا تھا اس لئے قطام سے نکاج کی خواہش نے اس کے

ارادہ کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔

غرض مقررہ تاریخ پر نماز فجر کے وقت تینوں قاتلوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وار کیا گیا لیکن وہ اتنا گہرا اور جان لیوا ثابت نہ ہوا اس لئے وہ علاج معالجے سے بچ گئے۔ حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس دن امامت کے لئے نہیں آئے تھے، ایک اور شخص جو ان کا قائم مقام ہوا تھا حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دھوکے میں مارا گیا لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا چنانچہ اسی صبح کو جب آپ نمازِ فجر کے لئے نکلے تو ابنِ ملجم اور اس کے ساتھی شبیب بن بجیرہ نے، جو آپ کی گزرگاہ میں چھپے ہوئے تھے، اچانک سامنے آ کر حملہ کر دیا۔ شبیب کا وار خطا گیا مگر ابنِ ملجم کی تلوار پیشانی سے سر کے اندر تک اُتر گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت جعدہ بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد ابن ملجم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے قتل سے چند سوالات کرنے کے بعد حکم دیا کہ اسے اچھا کھانا کھلاؤ اور نرم بستر دو۔ آپ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا تو اس کو خدا کے حکم کے مطابق قصاص میں قتل کر دینا، اور اگر زندہ رہا تو اس کے خُون کے بدلہ میں مسلمانوں کا خُون نہ بہانا، صرف میرے قاتل کو قتل کرنا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر میں مر جاؤں تو ایک ضرب کے بدلہ قتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مُثلہ نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

تلوار زہر میں بُجھی ہوئی تھی اس لئے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا جب حالت خراب ہونے لگی تو آپ نے حضرت امام

حسن رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کو بُلا کر باہم اتحاد و اتفاق اور دین و دُنیا میں خیر و برکت کے لئے وصیتیں فرمائیں، چونکہ آپ کو زندگی سے مایوسی ہوگئی تھی اس لئے حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟ آپ نے فرمایا، میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو۔ (تاریخ طبری حصہ سوم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسی روز جس دن کہ آپ زخمی ہوئے یا اس کے تیسرے دن ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ھ کو انتقال فرمایا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے غسل دیا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور رُشد و ہدایت کے اس آفتابِ عالمتاب کو کوفہ کے عزی نامی قبرستان میں سُپرد خاک کیا انتقال کے وقت آپ کی عُمر تریسٹھ سال تھی اور مدتِ خلافت چار سال نو ماہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ"۔

ازواج و اولاد:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیّدہ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے بکثرت اولادیں ہوئیں تفصیل حسب ذیل ہے:۔

① حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ ﷺ کے بطن سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت محسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت محسن رضی اللہ عنہ کا انتقال بچپن میں ہی ہوگیا تھا صاحبزادیوں میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کبریٰ اور حضرت اُمِ کلثوم کبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔

② امّ البنین بنتِ حزام سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ سب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ (طبقات ابنِ سعد حصہ سوم)

③ لیلیٰ بنت مسعود، انہوں نے عبداللہ اور ابو بکر کو یادگار چھوڑا، ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی کربلا میں شہید ہوئے۔

④ اسماء بنت عمیس سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

⑤ صہبا، اُمِ حبیب بنت ربیعہ سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں۔

⑥ امامہ بنت ابی العاص، یہ حضرت زینب بنتِ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں، ان سے محمد اوسط تولّد ہوئے۔

⑦ خولہ بنت جعفر کے بطن سے محمد بن علی پیدا ہوئے جو تاریخ اسلام میں محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔

⑧ اُمّ سعید بنت عروہ، ان سے اُمّ الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

⑨ محیاۃ بنت امرء القیس سے ایک لڑکی تولّد ہوئی جو بچپن میں ہی فوت ہو گئی۔

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں جن سے حسب ذیل لڑکیاں پیدا ہوئیں:۔

اُمِ ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، اُمِ کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، اُمّ الکرام، اُمِ سلمہ، اُمِ جعفر، جمانہ اور نفیسہ۔

غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے ان میں صرف حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت محمد بن حنیفہ اور حضرت عمر سے سلسلۂ نسب جاری رہا مزید ان بزرگوں میں سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بنائے لا الہ قائم کرنے کے لئے ''سرداد، نہ دا دردستِ یزید'' کی

وجہ سے جو شہرت ملی وہ اسلام کی عظمت و رفعت کا ایک ایسا باب ہے جو میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقدس خون سے لکھا گیا اور جو قیامت تک حق پرستوں کو یزیدیت کے قلع قمع پر اُبھارتا رہے گا۔

حلیہ مبارک:

آپ کا قد میانہ رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، سینہ چوڑا اور اس پر بال تھے آپ نہایت شگفتہ رو، جبیں، خنداں رُخ، حسین و جمیل، قوی بازو اور آہنی پنجہ تھے آپ کے سر میں بال نہ تھے۔ ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈھے سے دُوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی آخر میں بال بالکل سفید ہو گئے تھے اور شاید تمام عُمر میں ایک بار بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

عہدِ مُرتضوی رضی اللہ عنہ پر ایک نظر:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پورا عہدِ خلافت خانہ جنگی اور شورش کی نظر ہوا آپ کو ایک دن کے لئے بھی ملکی نظم و نسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی، اس لئے تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد اپنے پیش روؤں کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب نہیں رہا اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا جن میں آپ کو منصب خلافت ملا اور جو بعد میں پیش آتے رہے لیکن ان گونا گوں کے باوجود حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے، تاہم ان کارناموں پر نظر ڈالنے اور مشکلات کے مقابلہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تحمل و استقلال اور سلامت روی کے بیان سے پہلے ان اسباب کی ٹوہ لگانا ضروری ہے جو آپ کے عہد خلافت میں اس قدر افتراق و اختلاف اور شر و فساد کا باعث بنے۔ مورخین کے مطابق ان میں سے بعض اسباب تو وہی تھے جنہوں نے

عثمانی خلافت کا نظام درہم برہم کیا تھا اور بعض نئے تھے، بہرکیف اس کا اندازہ عہدِ صدیقی کے ابتدائی حالات کے موازنہ سے زیادہ صحیح ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس وقت تختِ خلافت پر قدم رکھا اُس وقت دنیائے اسلام نہایت پر آشوب تھی، بہت سے قبائل مُرتد ہوگئے تھے بعضوں نے اسلام کے رُکنِ اعظم، زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا جھوٹے مدّعیانِ نبوت علیحدہ انقلاب پر آمادہ تھے، غرض عرب کی اندرونی حالت سخت تشویشناک تھی لیکن دونوں حالتوں میں بیّن فرق ہے یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے اگرچہ مصائب کا طوفان اُمڈ رہا تھا تاہم کفر و ارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا اس لیے تمام مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے کُل صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے معین و مددگار تھے، پھر خود حریف طاقتوں میں ہوا وہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا اس لئے ان کو زیر کرنا نسبتاً آسان تھا برخلاف اس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جو لوگ تھے وہ نہ صرف مسلمان تھے بلکہ ان میں حضور نبی کریم ﷺ کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ تھے جن کا سارا بدن غزوہ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں چھلنی ہوگیا تھا اور جنہیں اس جانثاری کے صلہ میں بارگاہِ نبوت سے "خیر" کا لقب ملا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر تھے جنہیں حضور نبی کریم ﷺ سے قرابت داری کا بھی شرف حاصل تھا مزید حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر جیسے سیاست دان تھے جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو برسرِ حق سمجھتا تھا، ساتھ ہی ان کو ایسے جانثارو و فاشعار ملے تھے، جن کی مثالیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفداروں میں کم تھیں اس لئے ان کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا برآ عہد ہونا

بہت دشوار تھا۔

دُوسرے خلافت حقہ قائم کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو زمانہ ملا وہ عہد رسالتمآب ﷺ سے تقریباً پچیس سال دُور ہٹ آیا تھا اور اس میں عہد رسالت ﷺ کی اسلامی رُوح کافی حد تک مضمحل ہو چکی تھی بہت سے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ جو خلافت کے رُکنِ اعظیم تھے، اُٹھ چکے تھے اور ان کی جگہ نئی پود، لے رہی تھی جس میں وہ اخلاص اور اسلامی جوش و ولولہ مفقود تھا جس نے ان کے اسلاف کو خدا اور رسول اللہ رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں معزز کیا تھا متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کو حالات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جُدا کر دیا تھا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے آپ سے الگ ہو گئے تھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو بزرگوار تھے ان کا دین وتقویٰ مسلم تھا لیکن ان میں بہت کم صاحب تدبیر و سیاست تھے پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صاحب تدبیر و سیاست بزرگوں کا مشورہ تک قبول نہ کرتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو آغازِ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول نہ کرنے کا مشورہ دیا ان کا خیال تھا کہ وہ آپ کے خلاف فتنہ کھڑا کریں گے لیکن آپ نے اس کو قبول نہ کیا جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صُورت میں ظاہر ہوا حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ جیسے مُدبر کو آپ نے محض محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور محمد بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسے نوجوانوں کی رائے سے متاثر ہو کر مصر سے ہٹا دیا جس کے نتیجے میں مصر ہاتھوں سے نکل گیا نیز آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنے خلاف کر لیا اور نتیجۃً اُنہوں نے آپ کے مخالفین کے ہاتھ مضبوط کیے۔

تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ جس زُہد و اتقاء، دینداری، امانت اور عدل و

انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے حالات کے تغیّر سے لوگوں میں اس کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی تھی آپ نازک سے نازک وقت میں بھی جادہ حق سے ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے اور بیت المال کی ایک ایک کوڑی کا حساب لیتے اور ایک حبہ بھی بے جا صرف نہ ہونے دیتے تھے جبکہ دُوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے طرفداروں کے لئے بیت المال کا خزانہ لُٹا رہے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے اعزہ خاص تک دل برداشتہ ہو کر آپ سے جدا ہو گئے تھے۔ جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی داود دہش مخالفین تک کا مُنہ بند کر دیتی تھی۔

مزید برآں ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نومسلم عجمی تھے جو اہل بیت کی محبت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے اور جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کیا سرے سے اسلام ہی سے کوئی محبت نہ تھی بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لئے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے انہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی، اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جنگ جمل اور جنگ صفین کے واقعات بھی پیش نہ آتے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باوجود آپ کو تحکیم جیسی پرفریب تجویز قبول کرنے پر مجبور کیا پھر خود ہی اس کے خلاف ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف محاذِ جنگ قائم کیا۔ پھر انہی میں وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ غرض کسی موقع پر بھی انہوں نے وفاداری کا ثبوت نہ دیا۔

لیکن ان تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود جناب حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظیر عزم وثبات کے ساتھ زندگی کے آخری لمحہ تک ان مشکلات ومصائب کا مردانہ وار مقابلہ کر کے دُنیا کے سامنے بے نظیر تحمل وسلامت روی کا نمونہ پیش کیا، اور اپنی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانتداری اور شریعت سے سرمُو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا اگر آپ تھوڑی سی دُنیاداری سے کام لیتے تو کامیاب ہوجاتے لیکن دین ضائع ہوجاتا جس کا بچانا ایک خلیفہ راشد اور جانشینِ رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلا اور اصلی فرض تھا۔

نظام خلافت میں اصلاح:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بڑا کارنامہ نظام خلافت کی اصلاح ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دَور میں اُموی نوجوانوں کے غلبہ سے خلافت کا نظام خلافتِ راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا۔ چنانچہ آپ نے اسے دوبارہ صراطِ مستقیم پر لانے کی سعی فرمائی گومخالف حالات نے آپ کو پورا موقع نہ دیا تاہم جہاں تک آپ کے بس میں تھا آپ نے شیخین کے دور کو دوبارہ زندہ کرنیکی کوشش کی اور جو بدعنوانیاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور میں پیدا ہوگئی تھیں انہیں دُور کر کے عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کے نظم ونسق کو بغیر کسی ترمیم کے قائم رکھا ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجاز سے نجران جلاوطن کردیا تھا، نہایت لجاجت کے ساتھ اپنے وطن واپس آنے کی درخواست کی لیکن آپ نے صاف انکار کردیا اور فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون صاحب الرائے ہوسکتا ہے۔

(تاریخ اِسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی)

فوجی انتظامات:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فطرتاً سپاہی اور بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے اس لئے فوج کی طرف آپ کی خصوصی توجہ رہی اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کئے اور شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں عراق پر یورش کی تو انہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کی وجہ سے بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے نہایت مستحکم قلعے تعمیر کرائے اصطخر کا قلعہ حصن اور فرات کا پُل آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوئے تھے۔

صیغہ مال:

آپ نے صیغہ مال میں بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہوگیا۔ آپ کے دور سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے انہیں قابلِ محصول قرار دیا چنانچہ برس کے جنگل پر چار ہزار درہم مال گذاری تشخیص کی گئی۔

بعض چیزوں پر سے محصول اُٹھا دیا عہد نبوی ﷺ میں گھوڑے زکوۃ سے مستثنیٰ تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عام طور پر اس کی تجارت ہونے لگی تو آپ نے اس پر بھی زکوۃ مقرر کردی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اسے منسوخ کردیا۔

عمال کی اخلاقی نگرانی:

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی میں بڑا اہتمام تھا۔ آپ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو گراں بہا نصائح کرتے تھے آپ وقتاً فوقتاً اپنے عمال کو قیامِ عدل اور رعایا کے ساتھ لطف وشفقت کے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ان کی طرزِ حکومت کی تحقیقات کراتے اور ان کی غلط روی کا تدارک فرماتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور کیا اور یہ ہدایت فرمائی:۔

> ''تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر کر عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر رکھو''۔

منذر بن جارود والیٔ اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتے ہیں اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں غفلت برتتے ہیں تو انہیں لکھا:۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار میں نکل جاتے ہو اور کتوں سے کھیلتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو اس کا بدلہ دونگا، تمہارے گھر کا جاہل بھی تم سے بہتر ہے''۔ چنانچہ انہیں طلب کر کے معزول کر دیا۔

بیت المال کی حفاظت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اہتمام کرتے اور عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بدعنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے۔ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے

کر پانچ سولونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے۔ آپ کو معلوم ہُوا تو سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا۔ مصقلہ نے کہا ''خدا کی قسم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک اتنی رقم کو چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضہ کرتے ہیں چنانچہ ناداری کے باعث مجبور ہو کر مصقلہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پناہ میں چلے گئے جناب حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو فرمایا:۔

''خدا اس کا بُرا کرے، اس نے کام تو سیدھا کیا لیکن غلام کی طرح بھاگا اور تاجر کی طرح خیانت کی، خدا کی قسم، اگر وہ مقیم ہوتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا دیتا اور اگر اس کے پاس کچھ ہوتا تو لیتا ورنہ معاف کر دیتا''۔

اس باز پُرس سے آپ کے عزیز و اقارب بھی مستثنٰی نہ تھے۔ ایک مرتبہ ان کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہُوا تو رقم واپس کرنے کے لئے لکھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے۔ لیکن اس عذر کے باوجود خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔

ایک مرتبہ عمر بن سلمہ، اصفہان کا خراج لائے اس میں شہد اور چربی بھی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے طلب کی۔ عمرو بن سلمہ نے ایک ٹین شہد اور ایک ٹین چربی بھیج دی دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا شمار کیا تو وہ ٹین کم نکلے۔ عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ پُوچھا تو اُنہوں نے بتا دیا چنانچہ اسی وقت دونوں پیپے منگوا لئے، اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کر دی۔ (تاریخ اسلام ندوی)

رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیت المال کے نگران تھے انہوں نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو

پہچان لیا حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔ فرمایا:۔

”تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو حالانکہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ میری شادی ہوئی میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کو اسی پر مویشیوں کو چارہ دیتا تھا اور ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا“۔

خراج کی آمدنی کا احتساب:

عمال سے محاصل اور خراج کی آمدنی کا نہایت سختی کے ساتھ حساب لیتے تھے اور اگر مقررہ وقت سے ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو فہمائشی احکام جاری فرماتے، ایک دفعہ یزید بن قیس نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو آپ نے لکھا:۔

”تم نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی، اس تاخیر کا سبب مجھے معلوم نہیں، لیکن میں تم کو خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس سے ڈراتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو جس سے تمہارا اجر برباد اور تمہارا جہاد باطل ہو جائے، خدا سے ڈرو اور اپنے نفس کو حرام مال سے پاک رکھو اور مجھ کو اس کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں، مسلمانوں کو معزز کرو لیکن اہل معاہدہ پر زیادتی نہ ہو۔ خدا نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس کو حصولِ آخرت کا ذریعہ بناؤ اور دُنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کرو“۔

ایک اور عامل نعمان بن عجلان کو جو بحرین کا خراج لے کر کہیں چل دیئے تھے، لکھا:۔

”جس نے امانت میں خیانت کی اور اپنے نفس اور اپنے دین کو نہ بچایا،

اس نے دنیا میں بھی اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے زیادہ تلخ اس سے زیادہ بد بختانہ اور اس سے زیادہ دیرپا ہے۔ اللہ کا خوف کرو، تم صالح خاندان سے ہو اس لئے خوش گمانی کا موقع دو، مجھ کو جو خبر ملی ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو، خراج ادا کردو"۔

ذمیوں کے ساتھ سلوک:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ذمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے اور اپنے عمال کو ان کے ساتھ حسن وسلوک کی ہدایت فرماتے تھے ذمیوں کو ایک عامل عمرو بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی درشت مزاجی کی شکایت تھی، آپ نے انہیں لکھا:۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے علاقہ کے ذمی دہقانوں کی تمہاری دُرشت مزاجی کی شکایت ہے، اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، تم کو سختی اور نرمی دونوں سے کام لینا چاہیے، لیکن سختی ظلم اور نرمی نقصان کی حد تک نہ پہنچ جائے، ان سے جو مطالبہ ہوا سے وصول کیا کرو مگر ان کے خُون سے اپنا دامن محفوظ رکھو"۔

اہلِ عجم کے ساتھ آپ نے جس لطف وکرم کا برتاؤ کیا تھا اس کے متعلق وہ خود کہتے تھے خدا کی قسم! اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کردی۔

رعایا کے ساتھ شفقت:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کا وجود رعایا کے لئے چشمہ وجود وسخا اور آئینہ رحمت تھا۔ بیت المال کے دروازے غربا و مساکین کے لئے کُھلے رکھتے تھے اور

اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی وفراخدلی کے ساتھ مستحقین پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔

عدل ومساوات:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہِ عدل وانصاف میں بلا امتیاز مذہب وملت، خویش وبیگانہ اور امیر غریب سب یکساں تھے یہاں تک کہ اگر خود کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تو بغیر کسی ادنیٰ رعایت کے حسب قاعدہ عدالت میں حاضر ہوتے، اگر ثبوت نہ ہوتا تو اپنے خلاف فیصلہ سُن کر اسے قبول کرتے، ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی جو ایک غیر مسلم کے ہاتھ لگی۔ آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ قاضی نے آپ سے زرہ کی ملکیت کا ثبوت مانگا جب آپ نہ دے سکے تو فیصلہ فریق ثانی کے حق میں کر دیا اس فیصلہ سے وہ غیر مسلم اس قدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور کہا:۔

> ”یہ تو انبیاء کے جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں“۔

بازار کی نگرانی:

آپ بازار کی نگرانی اشیاء کے بھاؤ اور ناپ تول کی دیکھ بھال خود کرتے تھے، دُرّہ لے کر بازار نکل جاتے اور دکانداروں کو حُسنِ معاملت اور ناپ تول میں ایمانداری کی ہدایت فرماتے۔

مذہبی خدمات:

امامِ وقت کا سب سے اہم مقدس فرض مذہب کی اشاعت و تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عہد رسالتمآب ﷺ سے ہی ان خدمات میں ممتاز تھے چنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی آپ کی کوششوں سے پھیلی تھی اور ۹ ھ میں جب سُورہ براۃ نازل ہُوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی اشاعت و تبلیغ کی خدمت آپ کے سُپرد فرمائی تھی۔

آپ کو اگرچہ مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر تک خانہ جنگیوں نے ان اُمور کی طرف بھر پور توجہ کرنے کی مہلت ہی نہ دی تاہم آپ اس فرض سے غافل نہ تھے ایران اور آرمینیہ میں جب نومسلم عیسائی مُرتد ہوگئے تو آپ نے باخبر ہوتے ہی اتنی شدّت سے اس بات کا نوٹس لیا کہ ان میں سے اکثر شدّتِ غلو میں آپ کو خدا کہنے لگے تھے، سزا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔ (سیرالصحابہ خلفائے راشدین)

فضل وکمال:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی بچے ہی تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آغوش تربیت میں لے لیا تھا اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کو ابتدا سے ہی درسگاہِ نبوت ﷺ میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا پورا موقع ملا تھا۔ مزید جوانی میں رشتہ مصاہرت سے سرفراز ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے وصال تک چشمہء علم و حکمت سے سیراب ہوتے رہے ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ قدرت نے تحصیلِ علم اور کسب کمال کی فطری صلاحیتوں سے بھی آپ کو مالا مال کیا تھا چنانچہ مکتب نبوت ﷺ سے جو فیض آپ کو پہنچا وہ بہت کم صحابہ رضی اللہ عنہم کے حصہ میں آیا اہل

سیر کے مطابق آپ قرآن، تفسیر، حدیث اور جُملہ دینی علوم کا ایک ایسا دریا تھے جن کو زبانِ نبوت سے "انا مدینة العلم وعلی بابها" (میں علم کا شہر اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہے) کی سند ملی آپ کی جلالتِ علمی پر سب کا اتفاق ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، جو خود جرالامتہ تھے، فرماتے تھے کہ علم کے دس حصوں میں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نو حصے عطا فرمائے اور دسویں میں بھی آپ شریک تھے۔

تفسیر اور علوم القرآن:

اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن حکیم ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ زبان وحی والہام سے تعلیم حاصل کرنے کے باعث اس چشمہ صافی سے پوری طرح سیراب تھے آپ اُن صحابہؓ میں سے تھے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ اقدس ہی میں پورا قران حکیم حفظ کرلیا تھا بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول تک سے واقف تھے کلام اللہ پر آپ کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے پوشیدہ نہ تھا۔ اس ضمن میں آپ خود فرماتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارہ میں کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی ہے"۔

(طبقاتِ ابن سعد)

یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ جو چھ ماہ تک گوشہ نشین رہے اس دوران میں آپ نے آیتوں اور سورتوں کی نزولی ترتیب پر

کلام الٰہی کا ایک نُسخہ مُرتب کیا تھا جس کی تفصیل ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں دی ہے۔

قرآن حکیم میں غیر معمولی ورک کی وجہ سے آپ کو کلام الٰہی سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں ید طولیٰ حاصل تھا علم ناسخ اور منسوخ میں آپ کمال رکھتے اور اس کو بڑی اہمیت دیتے تھے اس سلسلہ میں جن لوگوں کو وَرک نہ ہوتا ان کو درس و وعظ سے روک دیتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کی جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکیر کرنا چاہتا اس سے آپ دریافت فرماتے کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا علم ہے، اگر اس کا جواب نفی میں ہوتا تو آپ اسے وعظ کی اجازت نہ دیتے۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

علمِ حدیث:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چونکہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ صبح و شام اٹھتے بیٹھتے، سفر و حضر میں تقرب کا زیادہ موقع ملا تھا اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام و فرائض اور ارشادات نبوی ﷺ کے بعد تقریباً تیس سال آپ تعلیم وارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے، مزید حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ خدمت سر انجام دینے کے بعد چونکہ خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض جاری رہا اس لئے حفظِ حدیث اور روایت حدیث دونوں لحاظ سے آپ جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہایت ممتاز تھے آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے یہ تعداد اگرچہ دُوسرے کثیر الروایہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر بہت کم ہے تاہم یہ آپ کی کمالِ احتیاط کا نتیجہ ہے کیونکہ اس ضمن میں آپ بھی اپنے پہلے وخلفاء اور اکابر صحابہ

رضی اللہ عنہم کی طرح محتاط تھے آپ ان چند صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں جن کو احادیث نبوی ﷺ قلمبند کرنے کا شرف حاصل ہے آپ نے فقہی احکام کے متعلق احادیث کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا تھا جس کا نام صحیفہ رکھا تھا۔

فقہ واجتہاد:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فقہ و اجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی، فقہ و اجتہاد کے لئے کلامُ اللہ اور احادیث نبوی ﷺ وسعتِ علم کے ساتھ جس ذہانت، طبّاعی، دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی کی ضرورت ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دامنِ مفضل و کمال ان سے مالا مال تھا۔ اس بنا پر فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم فقہی مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے اور آپ کی نگاہِ نکتہ رس مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کی تہہ تک پہنچ جاتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنہیں خود مجتہد اور امامِ فقہ کا درجہ حاصل تھا، آپ سے استفادہ کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کے پیشِ نظر کہ مجنون حدُودِ شرعی سے مستثنیٰ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا (یعنی سزا نہ دی)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم اور آپ کی اجتہادی قوت اور دقتِ نظر کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ شکل کی وراثت کی کیا صورت ہے، یعنی اسے مرد قرار دیا جائے

یا عورت؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دُشمن بھی علمِ دین میں ہمارے محتاج ہیں'' پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت؟ اہل سیر کے مطابق تقسیمِ میراث کے فن میں آپ مدینہ کے ممتاز علماء میں تھے۔

ایک دفعہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کتنے دنوں تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں، اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو، ان کو معلوم ہوگا، کیونکہ وہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اس پر سائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، آپ نے فرمایا۔ ''مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک موزوں پر مسح کرے''۔

قضا اور فیصلے:

فقہی کمال کا ایک پہلو فصلِ مقدمات ہے۔ اس میں جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی آپ کا مقابل نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ''اقضاھم علی رضی اللہ عنہ'' یعنی صحابہ میں علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑے قاضی ہیں کی سند عطا فرمائی تھی اور قضا کی خدمت آپ کو سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ اہل یمن کے قبولِ اسلام کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو وہاں کے عہدہ قضا کے لئے منتخب فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ وہاں نئے نئے مقدّمات پیش ہونگے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں''۔ ارشاد ہُوا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہِ راست اور تمہارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر مجھے مقدمات کے فیصلہ میں مشکل پیش نہ آئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم مقدمات کے فیصلے کے لئے سب سے موزوں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں۔

(سیر الصحابہ جلد اوّل خلفائے راشدین)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایک دفعہ ایک دلچسپ مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہُوا، آپ نے اس کا جو فیصلہ صادر فرمایا وہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور آپ کی نکتہ سنجی کی ایک روشن مثال ہے۔ اس مقدمہ کی تفصیل یہ ہے کہ دو شخص تھے جن کے پاس مجموعی طور پر آٹھ روٹیاں تھیں، یعنی ایک کے پاس پانچ اور دوسرے کے پاس تین۔ جب دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تو ایک تیسرا شخص بھی آ گیا اور کھانے میں شریک ہُوا جب کھانے سے فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی اور چلا گیا جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے اپنے حصّے کے پانچ درہم رکھ کر تین درہم دُوسرے کو دینے چاہے مگر وہ راضی نہ ہُوا اور نصف کا مطالبہ کیا جب بات بڑھی تو معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہُوا۔ آپ نے تین روٹیوں کے مالک کو نصیحت فرمائی کہ جو فیصلہ تمہارا رفیق کر رہا ہے اسے قبول کرلو اسی میں تمہارا نفع ہے مگر اس نے حق کے فیصلے پر اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم ملنا چاہیے اور تمہارے رفیق کو سات۔ وہ شخص اس فیصلے سے سخت متحیر ہوا۔ آپ نے اس کی حیرانی دُور کرنے کے لئے فرمایا کہ تین آدمی تھے تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں اور تیسرے کو بھی برابر حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے حصے اگر تین جگہ کئے جائیں، تو نو ٹکڑے بنتے ہیں اور تمہارے ساتھی

کی پانچ روٹیوں کے پندرہ، یعنی کُل چوبیس ٹکڑے بنتے جن میں سے تم تینوں نے برابر حصّے کھائے یعنی آٹھ ٹکڑے فی کس اس طرح تم نے اپنے نو حصوں میں سے آٹھ کھائے اور ایک دُوسرے کے حصّے میں آیا اور تمہارے رفیق کے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ اُس نے خود کھائے اور سات دوسرے مسافر کو دیئے اس بنا پر آٹھ درہم میں ایک کے تم اور سات کا وہ مستحق ہے۔

فصاحت و بلاغت:

آپ فصحائے عرب میں تھے آپ کو تقریر و خطابت کا خدا داد ملکہ حاصل تھا آپ مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجمعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے۔ آپ کے خطبات، فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں۔ علامہ شریف رضی نے چوتھی صدی ہجری کے آخر میں بڑی جستجو کے بعد ان کو ''نہج البلاغہ'' کے نام سے جمع کیا۔

مورّخین کے مطابق ان سب کا انتساب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب صحیح نہیں ہے کہ کیونکہ ان کے نزدیک نہج البلاغہ میں اصحابِ رسول ﷺ کی نسبت ایسے تعریضات ہیں جن کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا دوسرا اس میں لفظی آرائش اور عبارت میں صنعت گری اس حد پر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مفقود تھی تیسرے اس میں تشبیہات و استعارات اور واقعات و مناظر کی صُورت کشی اتنی مکمل ہے جس کا پتہ صدرِ اسلام میں اور کہیں نہیں ملتا، نیز اس کے ساتھ حکمت و فلسفہ کی اصطلاحیں اور مسائل کے بیان میں اعداد کا پیش کرنا یہ باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں، اور کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے پاکباز انسان کی شان سے بعید ہے تاہم مورخین اس حقیقت کے معترف

ہیں کہ ان میں بہت سے خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہیں بہر کیف ذیل میں نہج البلاغہ کے حوالے سے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں تا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے افصح الفصحا کے زورِ بیان اور حُسنِ خطابت کا اندازہ ہو سکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

"مجھے چھوڑ دو اور (اس خلافت کے لئے) میرے علاوہ کوئی اور ڈھونڈ لو ہمارے سامنے ایک ایسا معاملہ ہے جس کے کئی رُخ اور کئی رنگ ہیں جسے نہ دل برادشت کر سکتے ہیں اور نہ عقلیں اسے مان سکتی ہیں (دیکھو) اُفق عالم پر گھٹائیں چھائی ہُوئی ہیں راستہ پہچاننے میں نہیں آتا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمہاری اس خواہش کو مان لوں تو تمہیں اس راستہ پر لے چلوں گا جو میرے علم میں ہے اور اس کے متعلق کسی کہنے والے کی بات اور کسی ملامت کرنے والے کی سرزنش پر کان نہیں دھروں گا اور اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو تو پھر جیسے تم ہو ویسا میں ہُوں اور ہو سکتا ہے کہ جسے تم اپنا امیر بناؤ اس کی میں تم سے زیادہ سنُوں اور مانوں اور میرا امیر ہونے سے وزیر ہونا بہتر ہے"۔ (نہج البلاغہ خطبہ)

اہل نہروان (گروہِ خوارج) کو ان کے انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:۔

"میں تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کہ تم اس نہر کے موڑوں اور اس نشیب کی ہموار زمینوں پر قتل ہو ہو کر گرے ہُوے ہوگے، اس عالم میں کہ نہ تمہارے پاس اللہ کے سامنے (عذر کرنے کے لئے) کوئی واضح دلیل ہوگی اور نہ کوئی روشن ثبوت، اس طرح کہ تم اپنے گھروں سے بے گھر ہوگئے اور پھر قضائے الٰہی نے تمہیں اپنے پھندوں میں جکڑ لیا میں نے تو تمہیں پہلے ہی اس تحکیم سے روکا تھا

لیکن تم نے میرا حکم ماننے سے مخالف پیمان شکنوں کی طرح انکار کر دیا یہاں تک کہ (مجبوراً) مجھے بھی اپنی رائے کو اُدھر موڑنا پڑا جو تم چاہتے تھے تم ایک ایسا گروہ ہو جس کے سر عقلوں سے خالی اور فہم و دانش سے عاری ہیں خدا تمہارا بُرا کرے میں نے تمہیں نہ کسی مصیبت میں پھنسایا ہے، اور نہ تمہارا بُرا چاہا ہے۔"

(نہج البلاغہ خطبہ ۳۶)

ایک خُطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے حکمت کا کوئی کلمہ سُنا تو اسے گرہ میں باندھ لیا۔ ہدایت کی طرف اسے بُلایا گیا تو دوڑ کر قریب ہُوا، صحیح راہبر کا دامن تھام کر نجات پائی اللہ تعالیٰ کو ہر وقت نظروں میں رکھا اور گناہوں سے خوف کھایا عمل بے ریا پیش کیا، نیک کام کئے، ثواب کا ذخیرہ جمع کیا، بُری باتوں سے اجتناب برتا، صحیح مقصد کو پالیا، اپنا اجر سمیٹ لیا، خواہشوں کا مقابلہ کیا، اُمیدوں کو جُھٹلایا، صبر کو نجات کی سواری بنالیا، موت کے لئے تقویٰ کا ساز و سامان کیا، روشن راہ پر سوار ہُوا حق کی شاہراہ پر قدم جمائے، زندگی کی مہلت کو غنیمت جانا، موت کی طرف قدم بڑھائے اور عمل کا زاد ساتھ لیا"۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۷۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دُعائیہ کلمات:۔

"اے اللہ! تو ان چیزوں کو بخش دے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اگر میں گناہ کی طرف پلٹوں تو تو اپنی مغفرت کے ساتھ پلٹ بارِ الٰہا جس عملِ خیر کے بجا لانے کا میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا، مگر تو نے اسے پورا ہوتے ہوئے نہ پایا، اسے بھی بخش دے میرے اللہ! زبان سے نکلے ہُوئے وہ کلمے جن سے تیرا تقرب چاہا تھا مگر دل اس سے ہمنوا نہ ہو سکا تھا، ان سے بھی درگزر کر پروردگار! تو آنکھوں کے (طنزیہ) اشاروں اور ناشائستہ کلموں اور دل کی (بُری)

خواہشوں اور زبان کی ہرزہ سرائیوں کو معاف کر دے"۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۷۶)

اس زمانہ میں اگر چہ لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا تاہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے چنانچہ جو صحابہ وحی کی کتابت کرتے اور حضور نبی کریم ﷺ کے فرامین لکھتے تھے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ نے ہی لکھا تھا۔ آپ کے خطوط اور تحریریں ادب و انشاء کا دل کش نمونہ ہیں۔

شعر و شاعری:

اہل سیر کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ شاعری کا بھی نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کی زبان سے بعض منقول ہیں چنانچہ حاکم نے مستدرک میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو اشعار نقل کئے ہیں اور ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار لکھے ہیں۔ ذیل کا رجز یہ شعر جو آپ نے معرکہ خیبر کے موقعہ پر پڑھا تھا بخاری میں ہے:۔

انا الذی سمتنی امی حیدرۃ

کلیث غابات کریہ المنظرۃ

ترجمہ: "میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا۔"

لیکن بہت سے جعلی اشعار بھی بنا کر آپ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یہاں تک کہ ایک پورا دیوان، دیوان علی رضی اللہ عنہ کے نام سے موجود ہے اور عام طور پر بازاروں میں ملتا ہے۔ لیکن علماءِ ادب کے نزدیک وہ شاعری کے لحاظ سے اتنا

پست ہے کہ کسی عربی شاعر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جائے۔

علم نحو کی ایجاد:

علمِ نحو کی بنیادِ خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رکھی اور سب سے پہلے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص ابوالاسود ولی کو چند اُصول تلقین فرما کر اس فن کی تدوین پر مامور فرمایا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مورّخین نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی عجمی کو قرآن شریف غلط پڑھتے سُنا تو اس سے خیال پیدا ہُوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنایا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہوسکے چنانچہ ابوالاسود دولی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے اُصولوں کی روشنی میں نحو کے چند موٹے موٹے قواعد مُرتب کیے غرض آپ کو مذہبی علوم اور اس عہد کے تمام مروّجہ فنون میں کمال حاصل تھا۔

اخلاق و عادات:

جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایّامِ طفولیت سے ہی فخرِ موجودات نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامنِ عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لئے آپ قدرۃً محاسنِ اخلاق اور حُسن تربیت کے نمونہ تھے۔ آپ کی زبان نہ کبھی شرک و کفر سے آلودہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی کبھی کسی کے سامنے نہ جُھکی، آپ کا دامنِ عصمت ہر ایسے گُناہ سے مُبرّا اور پاک رہا جو ایام جاہلیت میں عربوں کا روز مرہ تھے اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان نے کبھی شراب کا ذائقہ تک نہ چکھا حالانکہ یہ اُم الخبائث زمانہ جاہلیت میں عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اسلام کے بعد اس کا کوئی خیال بھی نہیں کیا جاسکتا

غرض آپ کی ذات خُلقِ نبی کا پیکر اور تعلیماتِ اسلامی کی تصویر تھی۔

زُہد و تقویٰ:

آپ کے فضائل اخلاق میں زُہد و تقویٰ سب سے نمایاں ہیں۔ آپ کی پوری زندگی زُہد و ورع میں اس قدر ڈوبی ہوئی ہے کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کر کے دکھانا مشکل ہے۔ آپ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو زُہد و تقویٰ کا مظہر نہ ہو۔ زُہد کے بارہ میں آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ "دنیا مُردار ہے، جو اسے حاصل کرنا چاہے اُسے کُتوں کی صُحبت کے لئے تیار رہنا چاہیے"۔

آپ نے زندگی میں غُربت و ابارت کے مختلف دور دیکھے لیکن کسی دور میں بھی خرافاتِ دُنیاوی کی طرف آنکھ نہیں اُٹھائی آپ کو ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی عیش و راحت کے تمام سامان میسر آگئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی آپ کی آمدنی اتنی ہوگئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوٰۃ ہوتی تھی لیکن اس زمانہ میں بھی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی۔ (تاریخِ اسلام ندوی)

آپ نے پوری زندگی ایک معمولی سے گھر میں گزار دی اور وسائل ہونے کے باوجود کوئی عمارت نہیں بنوائی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا جو مختصر سا جہیز اپنے ساتھ لائی تھیں آپ اس میں تاعُمر کوئی اضافہ نہ کرسکے۔ آپ کے سازو سامان میں ایک مینڈھے کی کھال تھی جو بستر کا کام دیتی تھی، اوڑھنے کے لئے ایک مختصر سی چادر تھی جس سے اگر سر چُھپاتے تھے تو پاؤں کُھل جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر برہنہ ہوجاتا تھا۔

گھر میں کوئی ملازم نہ تھا سارا کام کاج خاتونِ جنت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے گھر میں

کئی کئی دن چولہا نہ جلتا تھا۔

ایک دفعہ کئی فاقوں کے بعد بھوک کی حالت میں مزدوری کی تلاش میں نکلے اور اطراف مدینہ میں ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں۔ ایک مرتبہ گھر میں کچھ نہ تھا تو اپنی تلوار بیچ کر کھانے پینے کا سامان کیا۔

عبادت وریاضت:

عبادت وریاضت کی زندگی کا اہم ترین مشغلہ تھا بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی عبادت گزار نہ تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔

قرآن حکیم کی آیت

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ
بَيْنَهُمْ تَرٰاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا

کی تفسیر میں مفسرین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رُكَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَ رِضْوَانًا" سے بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ اس سے عبادات میں تمام صحابہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگرچہ رکوع وسجود تمام صحابہ کا مشترک وصف تھا تاہم اس اشتراک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تخصیص سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس اشتراک کے باوجود کچھ امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

انفاقِ فی سبیل اللہ:

عبادت وریاضت کی طرح انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا امتیازی وصف

تھا چالیس ہزار سالانہ زکوۃ کے بقدر آمدنی کے باوجود پرعسرت زندگی آپ کے انفاق ہی کا نتیجہ تھا۔ آپ دل کے اس قدر غنی تھے کہ کوئی سائل آپ کے دَر سے ناکام واپس نہیں گیا حتیٰ کہ "قُوتُ لَا یَمُوت" تک سائلوں کو دے دیتے اور خود فاقہ سے سو رہتے تھے۔

مورخین کے مطابق ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جَو حاصل کئے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو اس سے ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا ابھی پک کر تیار ہی ہُوا تھا کہ ایک سائل نے آواز دی آپ نے سب اُٹھا کر اسے دے دی پھر بقیہ میں سے دو ثلث پکنے کا انتظار کیا لیکن تیار ہُوا تو ایک مسکین یتیم نے دستِ سوال دراز کیا چنانچہ یہ پکا ہوا آپ نے اس کے نذر کیا اسی طرح تیسرا حصّہ پکنے کے بعد ایک قیدی کے نذر کر کے خود رات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہے اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ ایثار کچھ ایسا پسند آیا تو بطور ستائش اس کے صلہ میں "وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مسکیناً وَّ یَتِیماً وَّ اَسِیراً" کی آیت نازل فرمائی۔

امانت و دیانت:

آپ ایک امین ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اس لئے ابتدا سے ہی امین تھے ہجرت کے وقت قُریش کی جو امانتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع تھیں ان کی واپسی حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کے ہی سپرد فرمائی تھی اپنے عہدِ خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جس امانتداری سے حفاظت فرمائی اس کا اندازہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں نارنگیاں آئیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک

نارنگی اُٹھالی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ مالِ غنیمت تقسیم فرماتے وقت آپ برابر حصے لگا کر غایت احتیاط سے قُرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کوئی کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں۔

ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا تو اس میں ایک روٹی بھی تھی آپ نے تمام مال کے ساتھ اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمائے۔

ایک مرتبہ تیز سردی میں آپ ایک معمولی چادر اوڑھے تھے، ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حق ہے۔ آپ اپنے اُوپر اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں فرمایا ''میں تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔

شجاعت و بہادری:

شجاعت و بہادری حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایسا وصف خاص تھا جس میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا آپ تمام اہم غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔

غزوہ بدر میں جبکہ آپ کا عنفوانِ شباب تھا ایسی دادِ شجاعت دی کہ آپ اس کے ہیرو قرار پائے۔ آغازِ جنگ میں ولید آپ کے مقابل آیا اور مقتول ہُوا پھر شیبہ پر آپ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قہر الٰہی بن کو ٹوٹے اور اسے جہنم رسید کر دیا۔

غزوہ اُحد میں کفار کے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ پر ایسا کاری وار کیا کہ اس کے سر کے دو ٹکڑے ہو گئے رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو فرطِ مسرت سے آپ ﷺ نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور پھر مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے

غزوہ خندق کے اہم واقعات میں سرِ فہرست ہے۔

غزوہ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد گرامی "کل علم ایسے شخص کو دیا جائے گا جس سے اللہ اور اُس کے نبی ﷺ محبت کرتے ہیں" کے تحت آپ کا انتخاب اور پھر خیبر کے رئیس مرحب کو قتل کر کے خیبر پر اسلامی فتح کا جھنڈا لہرا دینا آپ کی شجاعت و بسالت کا نا قابلِ فراموش باب ہے۔

غزوہ ہوازن میں بھی آپ ہر موقع پر ممتاز ہے رسول اللہ ﷺ نے جن اکابر صحابہ کو جھنڈے عنایت فرمائے تھے آپ ان میں شامل تھے اور پھر جب آغازِ جنگ میں کفار نے اچانک مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر دی جس کے باعث مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تو آپ ان ممتاز صحابہ میں تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے غرض عہد نبوت ﷺ کے بعد خود آپ کے زمانہ میں بھی جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی آپ کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

دشمن کے ساتھ حُسنِ سلوک:

حدیث میں آیا ہے بہادر وہ نہیں جو دُشمن کے کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میدان میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گزرا لیکن اس کے باوجود آپ نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

ایک دفعہ ایک لڑائی میں آپ کا حریف گر کر برہنہ ہوگیا تو آپ اس کو چھوڑ کر الگ ہوگئے تا کہ وہ شرمندہ نہ ہو جنگ جمل میں جب ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اُونٹ کو زخمی کر کے اسے گرا دیا تو آپ نے آگے بڑھ کر اُم المومنین کی خیریت دریافت کی اور پھر بحفاظت انہیں بصرہ کے ایک

رئیس کے گھر میں اُتارا۔

جنگ جمل کا فیصلہ جب آپ کے حق میں ہوگیا تو آپ نے منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے اور زخمیوں کے اُوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو اس جنگ میں آپ کے حریف کی حیثیت سے مقابلہ پر آئے تھے جب ابن جرمونہ کے ہاتھ سے قتل ہوگئے تو آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دی اور ان کا کٹا ہُوا سر اور تلوار دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔

آپ کا سب سے بڑا دشمن آپ کا قاتل ابنِ ملجم ہوسکتا تھا مگر آپ نے اس کے متعلق جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا اور اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا اور جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو مورخین کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اسے اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر دو، بلاشُبہ اپنے قاتل سے ایسے حُسنِ سلوک کی مثال دُنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اصابت رائے:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ صاحب رائے بھی تھے اصابت رائے پر عہد نبوت ﷺ ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ تمام مہمات اُمور میں شریکِ مشورہ کئے جاتے تھے، غزوہ طائف میں رسول اللہ ﷺ نے آپ سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں مہاجرین و انصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے رُکن تھے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی آپ کو مشیر کی حیثیت حاصل تھی حضرت عمر فارُوق رضی اللہ عنہ کو آپ کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کبھی

مشکل معاملہ پیش آ جاتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا "اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا"۔ (سیر الصحابہ خلفائے راشدین)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اہم مقامات معاملات میں آپ سے مشورے لئے اور اگر آپ کے مشوروں کے مطابق عمل کیا جاتا تو عہد عثمانی رضی اللہ عنہ نہ صرف ہر قسم کے فتنہ وفساد سے محفوظ رہتا بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی پیدا نہ ہوتی۔

تواضع وانکساری:

سادگی اور تواضع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دستارِ فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہیں آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی جاہ وحشم کا کیا ذکر تکلف کا معمولی شائبہ تک نہ تھا، اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے حتیٰ کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے تھے مزاج میں بے تکلفی اس قدر تھی کہ فرشِ خاک پر بے تکلف سو جاتے۔

ایک دفعہ انہیں ڈھونڈتے ہوئے رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ نہایت بے تکلفانہ انداز میں زمین پر سوئے ہوئے ہیں چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسمِ انور گرد وغبار کے اندر کندن کی طرح دمک رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو آپ کی یہ سادگی نہایت پسند آئی خود دستِ مبارک سے آپ کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجے میں فرمایا۔ "اجلس یا ابا تراب" یعنی مٹی والے اب اُٹھ بیٹھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زبان نبوت ﷺ کی عطا کردہ یہ کنیت اس درجہ محبوب تھی کہ آپ کو جب کوئی اس کنیت سے مخاطب کرتا تو خوشی سے آپ کے ہونٹوں پر تبسم پھیل جاتا۔

زمانہ خلافت میں آپ اکیلے بازاروں میں گھومتے پھرتے، بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے اور کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کرتے۔

غذا اور لباس:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غیر معمولی زُہد و ورع نے ان کی معاشرت کو نہایت، سادہ بنا دیا تھا۔ آپ کی غذا معمولی اور لباس نہایت سادہ ہوتا تھا عمامہ بہت پسند فرماتے تھے اکثر کہا کرتے کہ عمامے عربوں کے تاج ہیں کبھی کبھی سفید ٹوپی بھی پہنتے تھے کُرتے کی آستین اتنی چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے تہبند بھی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی غرض آپ کو ظاہری نمائش و طمطراق کا قطعی شوق نہ تھا۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے اور اگر کوئی اس کے متعلق عرض کرتا تو فرماتے کہ اس سے دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے آپ پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کی وہ دُعا تھی جو حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے غزوہ خیبر کے موقع پر فرمائی تھی کہ "اے اللہ اس سے گرمی اور سردی دُور کردے" اور یہ اسی دُعا کا اثر تھا کہ آپ سردیوں میں گرمیوں کا لباس پہنتے اور گرمیوں میں سردیوں کا لباس زیب تن فرماتے مگر آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوتی۔

یہی حال کھانے کا تھا۔ آپ نفیس غذاؤں سے احتراز فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے فالودہ کا پیالہ پیش کیا تو فرماتے کتنا خوشرنگ اور خوش ذائقہ ہے لیکن میں نفس کو ایسی غداؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا جس کا وہ عادی نہیں ہے

سیرۃ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ایک جامع تبصرہ:

حضرت حضرت امیر معاویہ نے حضرت علی کے ایک حاشیہ نشین حضرت ضرار صدائی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے سے حضرت علی کرا اللہ وجہہ، کے اوصاف بیان

کرو، اُنہوں نے فرمایا:۔

''وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ ان کے ہر سمت سے علم کا سرچشمہ پھوٹتا تھا اور تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی دُنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے، اور رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے اُنس رکھتے تھے عبرت پذیر اور بہت زیادہ غور فکر کرنے والے تھے چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے باوجودیکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ غریبوں کو مقرب بناتے وتھے قوی کو اس کے باطل میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ کہ میں انؓ کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر رہی ہے، ستارے جھلملا رہے ہیں اور وہ اپنی داڑھی مٹھی میں ذبائے مار گزیدہ کی طرح بیقرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں اے دُنیا! کسی اور کو فریب دے تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے، میری مشتاق ہے، افسوس افسوس میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں جس سے رجعت نہیں ہوسکتی تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے آہ! سفر طویل، راستہ وحشتناک، اور زادِ سفر تھوڑا ہے''۔

(سیر الصحابہ خلفائے راشدین، تاریخ اسلام ندوی)

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

پیدائش:

ابن سعد کے بیان کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے عُمر میں چار سال بڑے تھے، اس لحاظ سے۔ آپ اندازاً ۵٦٧ء میں پیدا ہوئے۔ (واللہ اعلم)

قبول اسلام:

نبوت کے چھٹے سال۔

شہادت:

غزوہ اُحد بروز ہفتہ ۷ شوال ۳ھ مطابق، ۲۳ مارچ ٦۲۵ء بعمر تقریباً اُنسٹھ سال۔

فرمان رسول اللہ ﷺ:

غزوہ اُحد کے دن (یعنی شہادت کے بعد) رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی لاش پر تشریف لائے اور فرمایا ''آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، آپ ایسے تھے کہ معلوم نہیں ایسا صلہ رحم کرنے والا، خیرات دینے والا،

کوئی اور ہو" (طبقات ابن سعد ج ۳)

نام ونسب:

حضرت حمزہ، ابو یعلی اور ابو عمارہ کنیت، اسد اللہ اور اسد رسول لقب، سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے حقیقی چچا تھے، آپ کی والدہ ہالہ بنت اُہیب سرور عالم ﷺ کی والدہ سیدہ آمنہ بنت وہب کی چچا زاد بہن تھیں، اس نسبی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثوبیہ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ عمر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور پرنور ﷺ سے تقریباً چار سال بڑے تھے۔

(طبقات ابن سعد ج ۳)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شمشیرزنی، تیراندازی اور پہلوانی کا شوق بچپن ہی سے تھا، نیز سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی غرض زندگی کا بڑا حصہ انہی مشغلوں میں بسرا ہوا۔

قبول اسلام:

دعوت توحید کی صدا اگرچہ ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی تاہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے سپاہی منش اور سیر و شکار کے دلدادہ کو صحرانوردی سے فرصت ہی کب تھی کہ شرک وتوحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب طریقہ سے ان کی رہنمائی فرمائی اور ان کے دل میں وہ شمع روشن کردی جس نے ان کی زندگی کی تاریکیوں کو آن واحد میں ختم کردیا، اس انقلاب کا

تفصیل یہ ہے کہ ایک روز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حسب معمول شکار سے واپس آتے ہوئے جب کوہ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا۔

'ابو عمارہ کاش تھوڑی دیر پہلے اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کا حال دیکھتے وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کر رہے تھے کہ ابوجہل نے سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا لیکن محمد ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے۔

یہ سُنتے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تڑپ اُٹھے، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے اور وہاں پہنچ کر سیدھے ابوجہل کے پاس گئے اور اُس کے سر پر زور سے کمان کھینچ ماری جس سے وہ زخمی ہوگیا یہ منظر دیکھ کر بنی مخزوم کے کچھ آدمی ابوجہل کی مدد کو دوڑے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا شاید تم بھی بد دین ہو گئے ہو۔

آپ نے فرمایا:۔

"جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہوگئی تو کون سی چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟ ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم! اب میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو۔ (سیر الصحابہ)

ابوجہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم مَیں نے ابھی اس کے بھتیجے حضرت محمد (ﷺ) کو سخت گالیاں دی ہیں۔

یہ واقعہ اسلام کے اس زمانے کا ہے جب حضور نبی کریم ﷺ دار ارقم میں پناہ گزین تھے اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتواں، ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اضافے سے حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سدِ باب ہوگیا کیونکہ ان کی شجاعت و جانبازی

کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بعد ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ نبوی پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے اس لئے صحابہ کرام کو تشویش ہوئی مگر اس شیرِ خدا نے کہا۔ "کچھ مضائقہ نہیں آنے دو، اگر وہ مخلصانہ آئے ہیں تو خیر، بصورت دیگر انہی کی تلوار سے ان کا سَر قلم کردوں گا۔ غرض دروازہ کھولا گیا، وہ اندر داخل ہوئے، معلوم ہوا کہ ان کا سَر اسلام کی دہلیز پر جھک چکا ہے اور زبان سے کلمہ توحید جاری ہے چنانچہ حاضرین یہ دیکھ کر جوش مسرّت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کرنے لگے۔

مواخات:

مکہ کی مواخات میں نبی کریم ﷺ کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھائی قرار پائے تھے، آپ اس رشتہ اُخوت کا یہاں تک احترام کرتے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس قدر عزیز جانتے کہ جب غزوات پر تشریف لے جاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیّت کر جاتے تھے۔

ہجرت:

محمد بن صالح اور عاصم بن عمرو بن قتادہ کی روایت کے مطابق بعثت کے تیرہویں سال جب ہجرت مدینہ کا حکم ہُوا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے پاس قیام کیا۔ (ابن سعد)

مدینہ کی پُر کیف فضاؤں میں چونکہ مسلمانوں کو ہر قسم کی آزادی حاصل

تھی اس لئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے اور زورِ بازو آزمانے کا نہایت اچھا موقعہ ہاتھ آیا، چنانچہ رمضان المبارک ۱ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے پہلا علم (جھنڈا) آپ کو عطا فرمایا اور تیس ۳۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش کی اس جماعت کے مقابلہ پر بھیجا جو ابوجہل کی ماتحتی میں تین سو کفار پر مشتمل شام سے آرہی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سیف البحر کے قریب پہنچے تو کفار سے آمنا سامنا ہوگیا طرفین نے جنگ کے لئے صف بندی کی لیکن ایک شخص مجدی بن عمرا لجہنی نے فریقین کو سمجھا بجھا کر لڑائی سے روک دیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بغیر کشت وخون مدینہ آپس آگئے۔

غزوہ ودآن:

صفر ۲ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش مکہ کی نقل وحرکت میں سدِ راہ ہونے کے لئے ابواء پر فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علم بردار تھے اور فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی لیکن چونکہ قریش کی جماعت آگے بڑھ چکی تھی اس لئے لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

غزوہ ذوالعشیرہ:

جمادی آلآخر ۲ھ میں جب حضور نبی کریم ﷺ ایک سو پچاس (۱۵۰) مجاہدین کے ساتھ پھر قریش کی ایک جماعت کی مزاحمت کے لئے نکلے تو علمبرداری کا طرہ افتخار حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی دستارِ فضل وکمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ نہ ہوئی اور اس مہم میں صرف بنو مدلج سے امدادِ باہمی کا ایک عہدنامہ طے پایا۔

غزوہ بدر:

اسی سال وسط رمضان المبارک میں بدر کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا صف آرائی کے بعد کفار کی طرف سے عتبہ اور ولید میدان میں نکلے اور ان کے مقابلہ پر مسلمانوں کی طرف سے چند انصاری نوجوان آگے بڑھے۔ لیکن عتبہ نے پکار کر کہا ''محمد (ﷺ) ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے ہمارے ہم پلہ لوگوں کو بھیجو''۔ حضور نبی کریم ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نیزے ہلاتے ہوئے نبرد آزمائی کے لئے اپنے حریفوں کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے حریف پر غالب آئے البتہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور شیبہ میں دیر تک مقابلہ جاری رہا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حملہ کر کے شیبہ کو تیغ کر دیا۔ مشرکین نے طیش میں آکر عام ہلہ بول دیا، دوسری طرف سے مجاہدین اسلام بھی شیروں کی طرح کفار پر ٹوٹ پڑے، گھمسان کا رن پڑا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سر پر شتر مرغ کی کلغی تھی اس لئے جس طرف گھس جاتے صاف نظر آتے تھے، آپ کے دونوں ہاتھوں میں تلوار تھی اور مردانہ وار دوستی حملوں سے صفوں کو صاف کر رہے تھے۔ غرض تھوڑی دیر میں جب کفار بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر گئے تو بعض قیدیوں نے پوچھا یہ کلغی لگائے کون ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔ مشرکین نے کہا آج سب سے زیادہ نقصان ہم کو اسی نے پہنچایا۔

غزوہ بنو قینقاع:

حضور نبی کریم ﷺ غزوہ بدر میں مصروف پیکار تھے اُدھر مدینہ کے

یہودیوں نے حضور ﷺ کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مدینہ کے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا جب حضور نبی کریم ﷺ بدر سے واپس لوٹے تو یہودیوں کے قبیلہ بنو قینقاع کی دست درازیوں کا حال معلوم ہوا، چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے وسط شوال ۲ھ میں بنو قینقاع کا محاصرہ فرمالیا، محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا، یہودیوں نے بالآخر محاصرہ کی شدت سے مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی عہد شکنی کے باعث جلا وطن کر دیئے گئے، اس فوج کشی میں بھی علمبرداری کا منصب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا تھا۔

غزوہ اُحد:

بدر کی شکست فاش نے قریش مکہ کی آتش انتقام کو اور بھڑ کا دیا تھا چنانچہ شوال ۳ھ میں وہ غیض وغضب کا بادل بن کر مدینہ کی طرف بڑھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں سات سو جانثاروں کے ساتھ کوہِ اُحد کے دامن میں روکا، ۷ شوال ۳ھ بروز ہفتہ لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنی شمشیر خارا شگاف لہراتے ہوئے میدان میں آئے اور ایک ہی وار میں سباع کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے دوباہ صفت کفار کے ٹڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ آپ جس طرف بھی نکل گئے صفوں کی صفیں اُلٹ دیں غرض اس مردانگی اور جوش سے لڑے کہ تنہا بہت سے کفار کو واصل جہنم کر دیا۔

شہادت:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ جنگ بدر میں قریش کے نامی گرامی سرداروں کو تہہ تیغ کیا تھا اس لئے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ انہی کے

خون کے پیاسے تھے چنانچہ جبیر بن مطعم کا ایک غلام، جس کا نام وحشی تھا، صلہ آزادی کے لالچ میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنے لگا۔ اتفاقاً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے قریب سے گزرے تو اس نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کہ آپ شدید زخمی ہو کر گر پڑے، چونکہ سب کفار اسی شیرِ خدا کے حملوں سے سہمے ہوئے تھے اس لئے ان کی شہادت سے کفار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے کان، ناک کاٹ کر مثلہ کر دیا، نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا، حضور نبی کریم ﷺ نے سنا تو پوچھا 'کیا اس نے کچھ کھایا ہے'؟ لوگوں نے عرض کی "نہیں" فرمایا "خدا، حمزہ رضی اللہ عنہ کے کسی عضو کو جہنم میں داخل ہونے نہ دیتا"۔

تجہیز و تکفین:

جنگ ختم ہونے کے بعد شہدائے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی، حضور نبی کریم ﷺ اپنے محترم چچا کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہند نے کان کاٹ کر نہایت دردناک صورت بنادی تھی اس لئے یہ المناک منظر دیکھ حضور نبی کریم ﷺ کا دل بے اختیار بھر آیا اور مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، تم ایسے تھے کہ معلوم نہیں ایسا صلہ رحم کرنے والا، خیرات دینے والا کوئی اور ہو، اگر حضرت صفیہ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن) اپنے دل میں رنج نہ کرتیں تو میں انہیں چھوڑ دیتا کہ چوپائے خوراک کھا لیتے اور وہ پرندوں اور درندوں کے پیٹوں سے اُٹھائے جاتے، بیشک مجھ پر لازم ہے کہ تمہارے بدلے ان میں سے ستر آدمیوں

کا ضرور مثلہ کروں"۔ (طبقات ابن سعد)

حضور نبی کریم ﷺ ابھی کھڑے تھے کہ حضرت جرائیل علیہ السلام سورہ نحل کی یہ آیتیں لے کر اُترے:۔

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○ (سورہ نحل)

چونکہ وحی الٰہی نے انتقام کی ممانعت کردی تھی اس لئے حضور نبی کریم ﷺ نے قسم کا کفارہ دے کر اس واقعہ دلگداز پر صبر فرمایا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں، بھائی کی شہادت کا حال سُنا تو روتے روتے جنازہ کے پاس تشریف لائیں مگر حضور نبی کریم ﷺ نے دیکھنے نہ دیا اور تسلی و تشفی دے کر واپس فرمایا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے کفن کے لئے دو چادریں دے گئی تھیں مگر پہلو میں ایک انصاری کی لاش بے کفن پڑی تھی اس لئے دونوں شہیدانِ اسلام میں ایک ایک چادر تقسیم کردی لیکن جسم ڈھانپنے کے لئے ایک چادر ناکافی تھی۔ اگر سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا، چنانچہ اس صُورت حال کے پیش نظر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سر کو چادر سے چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو، غرض اسی عبرت انگیز طریقہ سے سیّد الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، حضور سرور کائنات ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور پھر ایک ایک کر کے تمام شہدائے اُحد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور حضور نبی کریم ﷺ نے علٰیحدہ علٰیحدہ ہر ایک کی نماز پڑھائی، اس

طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت کو بصد اندوہ والم اسی میدان میں سپرد خاک کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

سرورِ دو عالم ﷺ کا حزن وملال:

حضور نبی کریم ﷺ کو اس سانحہ کا بے حد و حساب غم تھا، آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبد الاشہل کی خواتین کو اپنے اپنے عزیز و اقارب پر روتے سُنا تو فرمایا افسوس، حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے رونے والیاں بھی نہیں، جب انصارِ مدینہ نے سُنا تو اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیج دیا جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر گریہ وزاری شروع کی، اسی اثنا میں حضور نبی کریم ﷺ کی آنکھ لگ گئی کچھ وقفہ کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک نالہ وشیون کر رہی تھیں، فرمایا کیا خوب یہ اب تک یہاں بیٹھی رو رہی ہیں ان کو حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہی دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے غم میں آنسو بہا لیتی تھیں۔

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو وحشی بن حرب نے شہید کیا تھا چنانچہ جب وہ سلام قبول کر کے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔ "کیا تم ہی وحشی ہو" عرض کی ہاں"۔ فرمایا تم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا" عرض کی ہاں۔ "حضور ﷺ کو جو کچھ معلوم ہے صحیح ہے" فرمایا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟" حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اسی وقت اُٹھ کر باہر آ گئے اور پھر جب تک حضور نبی کریم ﷺ اس دنیا میں رہے آپ کے سامنے نہ جا سکے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ

کذاب کو اسی حربہ سے قتل کیا۔ جس سے انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے جاہلیت میں خیر الناس کو قتل کیا اور اسلام میں شر الناس کو۔

فائدہ:

مسیلمہ کو قتل کرنے والے دو شخص تھے ایک حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت خبیب بن زید رضی اللہ عنہ۔ خود حضرت وحشی کا بیان ہے کہ میں مسیلمہ کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو ایک انصاری بھی بڑھے میں مسیلمہ پر حربہ پھینکا اور وہ اس کو لگ گیا انصاری نے بھی نہایت تیزی سے تلوار کا وار کیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم دونوں میں سے کس کے وار سے مسیلمہ کا خاتمہ ہوا۔

(سیرت ابن شہام)

اخلاق:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں۔ شجاعت بہادری اور جانبازی ان کے مخصوص اوصاف تھے ان کے محاسن کی تعریف میں حضور نبی کریم ﷺ کے یہ ارشادات ہی کافی ہیں۔ ان کی لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تم ایسے تھے کہ معلوم نہیں ایسا صلہ رحم کرنے والا، خیرات دینے والا کوئی اور ہو"۔

ازواج و اولاد:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں اور ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی۔ ایک بیوی کا نام بنت الملہ بن مالک بن عبادہ تھا جو قبیلہ سے تھیں۔ ان

کے بطن سے یعلیٰ اور عامر دو لڑکے تھے یعلیٰ کی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یعلیٰ تھی عامر لاولد مر گئے یعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں جو بچپن میں ہی انتقال کر گئیں، دوسری بیوی کا نام خولہ بنت قیس تھا جن کے بطن سے عمارہ پیدا ہوئے جن کی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمارہ تھی تیسری بیوی کا نام سلمیٰ بنت عمیس تھا جن کے بطن سے امامہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئیں، یہ وہی حضرت امامہ ہیں جن کی پرورش کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھگڑا کیا تھا۔ ان میں ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ اس کے پاس رہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کا فیصلہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا کیونکہ ان کی خالہ حضرت اسماء بنت عمیس حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نکاح میں تھیں۔

(طبقات ابن سعد ج ۳)

حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ

پیدائش:

مورخین کے مطابق آپ نے تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر پائی اس لحاظ سے آپ رسول اللہ ﷺ سے عمر میں تقریباً آٹھ سال بڑے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ۵۷۱ء میں ہوئی۔ اس بنا پر آپ اندازاً ۵۶۳ء میں پیدا ہوئے۔

قبول اسلام:

آپ اس وقت اسلام لائے جس وقت حضور نبی کریم ﷺ ابھی دارِ ارقم میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔ آپ کا شمار سابقین اوّلین میں ہوتا ہے۔

شہادت:

غزوہ بدر ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ بعمر تقریباً تریسٹھ ۶۳ سال آپ شہادت کے مرتبہ پر فیضیاب ہوئے۔

قبر سے خوشبو:

حضور نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ مقام صفراء میں خیمہ افگن تھے، صحابہ کرام

نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہاں مشک کی خوشبو آ رہی ہے آپ نے فرمایا یہاں ابو معاویہ (یعنی حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ) کی قبر موجود ہے تمہیں اس پر تعجب کیوں ہے؟

نام وکنیت:

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نام ابو الحارث یا ابو معاویہ کنیت۔ والدہ کا نام سخیلہ بنت خزاعی بن حویرث بن حبیب تھا۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے حضرت عبیدہ بن الحارث بن المطلب بن عبد مناف بن قصیٰ القرشی۔

قبولِ اسلام:

مورخین کے مطابق حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو سلمہ بن اسد، حضرت عبداللہ بن ارقم اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس وقت تک دارِ ارقم میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔ مکہ میں حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے مؤذن خاص آپ کے بھائی قرار پائے۔

ہجرت:

جب ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بھائی حضرت طفیل رضی اللہ عنہ اور حضرت حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت مسطع بن اثاثہ رضی اللہ عنہ نے ایک ساتھ روانہ ہونے کے لئے بطن ناجح میں ملنے کا وعدہ کیا۔ اتفاق سے حضرت مسطع رضی اللہ عنہ کو بچھو یا سانپ نے ڈنگ مارا جس کی وجہ سے وہ پیچھے رہ گئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائیوں کو خبر ہوئی تو یہ بزرگ ان کے پاس گئے۔ وہ چونکہ نقل وحرکت سے مجبور تھے اس لئے انہیں اٹھا کر مدینہ لائے اور حضرت

عبدالرحمن بن سلمہ العجلانی رضی اللہ عنہ کے پاس اترے۔ حضور نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت عبیدہ اور حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین جو بقیع زبیر اور بنی مازن کے درمیان تھا بطور جاگیر عطا فرمایا جس میں ان کا خاندان آباد ہوا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳)

غزوات:

ہجرت کے چند ماہ بعد شوال ۱ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے تاریخ اسلام کا دوسرا لوائے امارت حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو عطا فرما کر انہیں ساٹھ اونٹ سواروں کے ساتھ وادی رابغ کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ جب بطن رابغ میں پہنچے تو ابو سفیان کی زیر امارت دو سو مشرکین کی ایک جماعت سے آمنا سامنا ہوا۔ لیکن جنگ وقتال کی نوبت نہ آئی۔ صرف معمولی طور پر چند تیروں کا تبادلہ ہوا اس روز جس نے سب سے پہلے تیر پھینکا وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ مورخین کے نزدیک یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہ خدا میں پھینکا گیا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱)

غزوہ بدر:

اس کے بعد آپ حق و باطل کی پہلی جنگ یعنی غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ صف آرائی کے بعد کفار کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں آئے اور مبازرطلبی کی۔ مجاہدین اسلام میں سے چند انصاری نوجوان آگے بڑھے۔ مگر کفار نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ حکم نبوت کی دیر

تھی کہ تینوں بزرگ نبرد آزمائی کے لئے میدان میں اُتر آئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اوران کے حریف میں دیر تک مقابلہ جاری رہا یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے۔ اس اثناء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو اپنے حریفوں کے قتل سے فارغ ہو چکے تھے، جلدی سے ولید پر ٹوٹ پڑے اور اسے واصل جہنم کرکے زخمی حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ سے اٹھا لائے۔

زخمی حالت میں بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض:

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک پاؤں شہید ہو گیا تھا اور تمام بدن زخموں سے چور تھا۔ اسی حالت میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے گئے تو انہوں نے عرض کیا:۔

یا رسول اللہ ﷺ اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ میں ان سے زیادہ ان کے اس قول کا مستحق ہوں۔

ہم محمد ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ یہاں تک کہ ان کے ارد گرد مارے جائیں گے۔ اور اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسا کاری تھا کہ جانبر نہ ہو سکے۔ تریسٹھ سال کی عمر میں جنت کے حقدار بن گئے اور مقام صفر کی خاک پاک نے انہیں اپنے دامن میں چھپا لیا۔

اولاد:

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی متعدد بیویوں سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ معاویہ، عون، منقذ، الحارث، محمد، ابراہیم، ریطہ، خدیجہ، سخیلہ، صفیہ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

پیدائش:

راہ خداوندی میں پہلا تیر چلانے والے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ قبول اسلام کے وقت وہ سترہ سال کے تھے۔ اس لحاظ سے آپ اندازاً آخر ۵۹۳ء میں پیدا ہوئے۔

قبول اسلام:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے ابتداء میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خود اپنے آپ کو تیسرا مسلمان بتاتے تھے۔

وفات:

سترہ (۷۰) سال سے زیادہ عمر کے تھے ۵۰ھ میں انتقال کیا۔ بعض کے نزدیک آپ ۵۵ھ میں فوت ہوئے۔ واللہ علم۔

فرمان رسول ﷺ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوائے

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کسی کے لئے نہیں سنا کہ آپ نے اس پر اپنے والدین کو فدا ہونے کو کہا ہو۔ میں نے آپ کو غزوہ احد میں یہ کہتے سنا کہ اے سعد تیر اندازی کرو، میرے ماں باپ تم فدا ہوں۔ (طبقات ابن سعد ج ۳)

نام ونسبت:

نام سعد، کنیت ابو اسحٰق تھی والدہ کا نام مالک اور کنیت ابووقاص تھی والدہ کا نام حمنہ بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیٰ تھا، سلسلہ نسب اس طرح ہے حضرت سعد بن مالک (ابو وقاص) بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن مرّہ بن کعب تھا چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ننھیال زہری خاندان میں تھی اس لئے حضرت سعد رشتہ میں حضور ﷺ کے ماموں تھے، حضور نبی کریم ﷺ نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس حالت میں آئے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا، یہ میرے ماموں ہیں، آدمی کا مربّی اس کے ماموں کو ہونا چاہیے۔

قبول اسلام:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سترہ یا انیس سال کے تھے کہ دعوت اسلامی کی صدائے دلنواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اگرچہ اپنے آپ کو تیسرا مسلمان کہا ہے تاہم محدّثین عظام کی تحقیق کے مطابق چھ یا سات حضرات ان سے پہلے اسلام لاچکے تھے گو انہوں نے کفار کے خوف سے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

مکہ کی زندگی:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قبول اسلام سے لے کر ہجرت نبوی تک مکہ میں ہی مقیم رہے اس عرصہ میں اگرچہ مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں کی گئی تھیں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے تاہم آپ کی جبین استقلال پر شکن نہ پڑی اور آپ خندہ پیشانی سے ہر قسم کے مصائب و شدائد برداشت کرتے رہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران وسنسان گھاٹیوں میں چلے جاتے اور خدائے واحد عزوجل کی پرستش وعبادات میں مصروف رہتے۔ ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مصروف عبادت تھے کہ اتفاقاً کفار کی ایک جماعت ادھر آنکلی اور اسلام کا مذاق اڑانے لگی ،حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دینی غیرت یہ مذاق برداشت نہ کرسکی اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ مورخین کے نزدیک اسلام کی جماعت میں یہ پہلی خونریزی تھی ،جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

ہجرت:

مکہ میں کفار ظلم وستم جب حد سے بڑھ گئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا ،حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی حکم عام کی بنا پر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص ؓ کے مکان میں اترے جنہوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خون سے مستقلاً مدینہ میں ہی قیام پذیر ہو گئے تھے ۔یہاں پہنچ کر اگرچہ مسلمانوں کو آزادی وسکون

نصیب ہوا تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ ہر وقت موجود تھا۔

مختلف مہمات میں شرکت:

حضور نبی کریم ﷺ نے ان خطرات کے پیش نظر حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ سواروں کے ساتھ دشمن کی نقل وحرکت دریافت کرنے کے لئے بھیجا جن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، غرض مجاہدین دورہ کرتے ہوئے جب رابغ کے قریب پہنچے تو ان کا آمنا سامنا قریش کی ایک جمعیت سے ہوا جو ابوسفیان کی زیر امارت وہاں موجود تھی چونکہ مسلمانوں کا مقصد محض تجسس تھا اس لئے کوئی جنگ نہ ہوئی تاہم حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک تیر چلا ہی دیا، مورخین اسلام کے نزدیک یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہ خدا میں چلایا گیا۔

اس کے بعد ذیقعدہ ۱ھ میں خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت تجسس کے لئے روانہ ہوئی حضرت سعد رضی اللہ عنہ خرار تک گئے مگر قریش سے کوئی ٹکراؤ نہ ہوا، چنانچہ جحفہ تک گشت لگا کر واپس چلے آئے۔

رجب ۲ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو چند مہاجرین کے ساتھ دشمن کی خبر گیری کے لئے بھیجا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس جماعت میں شامل تھے دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے چلتے وقت حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک سر بمہر خط دیا اور فرمایا کہ دو روز کی مسافت طے کرنے بعد اسے کھول کر پڑھیں اور حسب ہدایت عمل کریں، انہوں نے ارشاد نبوی کے مطابق یہ خط دو روز بعد کھول کر پڑھا تو اس میں حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و

حرکت کا پتہ چلائیں، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو خط کے متعلق جو اس میں احکام تھے اس بارے میں آگاہ کیا اور ساتھیوں کو واپس لوٹ جانے یا ساتھ چلنے کا اختیار دیا مگر سب نے اس مہم میں شرکت پر رضامندی ظاہر کی۔

اتفاق سے جس اونٹ پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سوار تھے گم ہو گیا اور جب ملا تو خود راستہ بھول گئے مگر باقی مجاہدین معہ اپنے قائد کے نخلہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے یہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مال غنیمت اور چند قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے چونکہ اس مہینہ میں جنگ ممنوع تھی اس لئے حضور نبی کریم ﷺ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ تم لوگوں کو اجازت نہ تھی پھر کیوں لڑے؟ مسلمانوں نے بھی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحی الٰہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کیا:۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔

(سورۃ البقرہ)

اس مٹھ بھیڑ میں چونکہ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان قیدی بنائے گئے تھے، اس لئے قریش نے ان دونوں کی رہائی کے لئے فدیہ بھیجا لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کی واپسی تک ان کو رہا

کرنے سے انکار فرمایا، غرض جب یہ دونوں جانثار بسلامت مدینہ پہنچ گئے تو مشرکین چھوڑ دیے گئے

غزوہ بدر:

غزوہ بدر میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے غیر معمولی شجاعت وجانبازی کے جو ہر دکھائے اور کفار کے سرخیل سعید بن العاص کو واصل جہنم کیا۔ مال غنیمت میں سے آپ کو ذوالکتیفہ نامی تلوار پسند آگئی جسے اٹھائے ہوئے بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک تقسیم غنائم کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دو۔ اسی غزوہ میں آپ کے برادر عزیز حضرت عمیر رضی اللہ عنہ جو شرکائے معرکہ میں سب سے کم سن تھے شہید ہوئے تھے اس لئے کچھ تو اس صدمہ سے نڈھال تھے اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس تھا، غرض نہایت غمگین ملول واپس آئے لیکن تھوڑی دیر بعد سورہ انفال نازل ہوئی اور حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت فرمائی۔

غزوہ اُحد:

شوال ۳ھ میں غزوہ احد پیش آیا۔ اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے بدگئی اور کفار کے اچانک حملہ سے اکثر صحابہ کرام کے پاؤں اکھڑ گئے مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان صحابہ کی صف میں تھے جو آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت بڑے تیر انداز تھے اس لئے جب کفار کا نرغہ ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے ''اے سعد (رضی اللہ عنہ) تیر چلا، میرے ماں باپ تجھ پر قربان

ہوں"۔ اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے تُند و تیز حملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا۔ مگر اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تعمیل حکم کے لئے ایک تیر، جو بغیر پھل کے تھا، اُٹھا کر اس مہارت سے کافر کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا، حضور نبی کریم ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بہترین تیراندازی اور مشرک کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک نظر آنے لگے اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ اُسکی زبان کُتے کی طرح باہر نکل پڑی اور تڑپ تڑپ کر جہنم واصل ہُوا۔

مختلف غزوات میں شرکت:

غزوہ اُحد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہایت بہادری جانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں اسی جانثاری اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جس کا اظہار وہ غزوہ اُحد میں کر چکے تھے۔ غزوہ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک ہوئے۔ پھر جب ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی ہمرکاب تھے لیکن مکہ پہنچ کر سخت علیل ہو گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! میں مالدار آدمی ہوں لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے، اس لئے اگر آپ کی اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کارِ خیر میں حرف کر دوں؟ ارشاد ہوا، نہیں پھر عرض کی "دو ثلث نہیں، تو نصف سہی"، حکم ہوا "نہیں صرف ایک ثلث بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدار و تونگر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دست

سوال نہ پھیلاتے پھریں، تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لئے صرف کرو گے اس کا اُجر ملے گا یہاں تک کہ اپنی بیوی کے مُنہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے"۔

مدینہ میں مرنے کی تمنا اور ایک مبارک پیشین گوئی:

حضرت سعد بن رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول پکڑتی جاتی تھی آپ کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی حضور نبی کریم ﷺ نے اشکبار دیکھ کر پوچھا "روتے کیوں ہو"۔ عرض کی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی سر زمین کی خاک نصیب ہوگی جس کو خدا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ترک کر چکا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کو تسلی دی اور انکے دل پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دُعا فرمائی۔ اے اللہ حضرت سعد کو صحت عطا فرما! حضرت سعد کو صحت عطا فرما"۔ حضور نبی کریم ﷺ کی دُعا نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ایک نئی زندگی عطا کر دی چنانچہ آپ صحیح وتندرست ہو گئے ساتھ ہی حضور نبی کریم ﷺ نے بشارت سنائی۔ اے سعد تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دُوسری کو نفع نہ پہنچ جائے' یہ پیشگوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی جن میں عجم قوم کو آپ کے ہاتھوں نقصان پہنچا اور عرب قوم نے فائدہ اُٹھایا۔

بیعت صدیقی:

حضور نبی کویم ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کثرت رائے سے خلیفہ بنے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور بلا توقف خلیفہ اول کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعیٔ حق کو لبیک کہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام اور عراق پر فوج کشی کی ابتداء ہو چکی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارِ خلافت سنبھالتے ہی تمام عرب میں جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی اور عراق کی مہم پر سب سے پہلے توجہ صرف کی، چونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے آئندہ کارناموں کا تعلق زیادہ تر اسی سرزمین سے ہے اس لئے اس ملک کی لشکرکشی کے ابتدائی حالات مندرجہ ذیل مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

عراق پر فوج کشی:

اہل عرب اور ایرانیوں میں قدیم زمانہ سے دشمنی چلی رہی تھی، ایرانیوں نے اگرچہ عربوں کی کمزوری اور اختلاف سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے نہ صرف ان کو تباہ حال کر دیا تھا بلکہ عراقِ عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ بھی جمالیا تھا، تاہم عرب اپنی آزاد فطرت کے باعث جب موقعہ پاتے بغاوت کر دیتے تھے، چنانچہ پوران دخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے سبب ایرانی حکومت کا نظام اَبتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی جمعیت فراہم کر کے عراق کی سرحد حیرہ اور اُبلّہ کی طرف غارت گری شروع کر دی یہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا کہ حضرت مثنیٰ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور عراق پر باقاعدہ حملہ کی اجازت طلب کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اجازت عطا فرمائی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کی مدد کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے حملہ کر کے بہت سرحدی مقامات فتح کر لئے، لیکن چونکہ دُوسری طرف سے شام کی مہم بھی

درپیش تھی اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت مثنیٰ کو اپنا جانشین مقرر کر کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا یہاں سے جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعتہً سرد پڑ گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی عراق کی مہم پر توجہ فرمائی اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انہوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا اور فرات کے مشرقی کنارے کے مقام مروحہ پر دشمن کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرا ہوئے۔ دونوں فوجوں کے درمیان دریا حائل تھا۔ ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا یا تم اس پار اُتر آؤ یا ہم آئیں، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے، فوجی افسروں کی مخالفت کے باوجود شجاعت کے نشے میں خود دریا پار اُتر کر مقابلہ کیا۔ اس غلطی کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی اس معرکہ میں نہ صرف حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے بھائی حکم اور ان کے خاندان کے سات آدمی شہید ہوئے بلکہ میدان جنگ میں کام آنے والے مسلمانوں کے علاوہ کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمک بھیج کر از سر نو فوج کو مستحکم کیا اور حضرت مثنیٰ کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کی، انہوں نے معرکہ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو مسلسل شکستیں دے کر عراق کے وسیع علاقہ پر قبضہ کر لیا، لیکن یہ حالت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی ایرانیوں نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو ختم کرنے کے لئے پوران دخت کو معزول کر کے یزدگرد تخت نشین کیا اور تمام ممالک میں اتحاد و اتفاق اور جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مفتوحہ علاقوں میں بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑک اُٹھی اور حضرت مثنیٰ کو مجبوراً عرب کی سرحد میں

واپس آنا پڑا۔

قبائل عرب کو جنگ کے لیے بذریعہ تقریر آمادہ کرنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے تمام عرب میں پُر جوش و جادو بیان خطیب پھیلا دیئے کہ وہ اپنی پُر اثر تقاریر سے قبائل عرب کو جنگ میں شرکت پر آمادہ کریں۔ اس تدبیر کا اثر یہ ہوا کہ مدینہ کی طرف جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان اُمنڈ آیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے، انہوں نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ہر ایک تلوار و تیر چلانے اور جنگی داؤ پیچ کا ماہر تھا، غرض فوج اُمید سے بڑھ کر فراہم ہوگئی لیکن اب ایسے سپہ سالار کی ضرورت تھی جو اس عظیم لشکر کی سربراہی کر سکے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام تجویز ہوا مگر آپ نے یہ ذمہ داری اُٹھانے سے انکار کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تیار ہوئے لیکن اہل الرائے مانع ہوئے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں لوگ ابھی اسی سوچ و بچار میں تھے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام لیا تو حاضرین اس انتخاب پر خوش ہوئے اور سب نے بالاتفاق اس کی تائید کی۔

سپہ سالاری حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا انتخاب:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے، اس کے ساتھ شجاعت و بہادری میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ تمام فوج نے ان کی امارات پر نہایت پسندیدگی ظاہر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اگرچہ بحیثیت سپہ سالار آپ کی جرأت و بہادری کا تجربہ نہ تھا تاہم تائید عامہ کے پیش نظر انہیں ہر قسم کی ضروری ہدایات دے کر میدان جنگ کی طرف کوچ کرنے

کی اجازت دے دی غرض اس طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ زندگی کی اُس درخشاں و تاباں منزل کی طرف بڑھے جس نے ان کا نام خوش تدبیری الوالعزمی اور حوصلہ مندی کی تاریخ میں ممتاز کردیا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے مدینہ سے ثعلبہ پہنچے جہاں وہ تین ماہ تک مقیم رہے پھر وہاں سے چل کر شراف میں خیمہ زن ہوئے۔ حضرت مثنیٰ آٹھ ہزار مجاہدین کے ساتھ مقامِ ذی قار میں ان کی آمد کے منتظر تھے لیکن داعی اَجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کو سپہ سالار اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے راہی ملک عدم ہوئے ان کے بھائی مثنیٰ حسب ہدایت شراف میں آ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ملے اور حضرت مثنیٰ کے ضروری مشورے ان کے گوش گزار کئے۔

دربار خلافت سے مشاورت اور قادسیہ میں قیام:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے شراف میں اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا جو کم وبیش تیس ہزار تھی، پھر میمنہ ومیسرۃ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کے نقشہ اور دیگر کوائف سے دربار خلافت کو مطلع کیا وہاں سے حکم آیا کہ آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے بنائے جائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک۔ چنانچہ آپ کے حکم سے روانہ ہوئے اور عزیب میں ایران کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور مناسب جگہوں پر مورچے بنا لئے۔

سفیرانِ اسلام کے ذریعہ اسلام کی دعوت:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے لڑائی شروع ہونے سے قبل سرداران قبائل میں

سے چودہ اشخاص منتخب کر کے انہیں بطور سفیر مدائن روانہ کیا تا کہ شاہِ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دیں، اسلامی سفیروں نے وہاں پہنچ کر پہلے اسلام پیش کیا اور پھر طرفین میں بڑی دیر تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ آخر میں مسلمانوں نے کہا کہ اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو ہم تمہیں اپنے نبی حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہیں کہ ایک دن تمہاری زمین ہمارے تصرف میں آئے گی، رستم کو مسلمانوں کی جرات پر بڑا غصہ آیا اور اُس نے ان کی تحقیر کے لئے تھوڑی سی خاک منگا کردی کہ لو ہماری زمین میں تمہارا یہ حصہ ہے" حضرت عمرو بن معد یکرب رضی اللہ عنہ یہ خاک دامن میں لے کر لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے یہ ایک نیک فال ہے، غرض سفیر واپس آگئے اور جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں، عجمی سپہ سالار رُستم نے بھی جو ساباط میں مقیم تھا، اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادسیہ ڈیرے ڈالے۔

نقل وحرکت کی خبر گیری:

رستم کی فوجیں قادسیہ پہنچیں تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دئے کہ دشمن کی نقل وحرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہیں، نیز دشمن کی فوج کا رنگ ڈھنگ لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ کی حالت دریافت کرنے کے لئے فوجی افسر متعین کردئے اس تجسس میں کبھی کبھار دشمن سے آمنا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک رات دُشمن کے کیمپ میں گشت کر رہے تھے کہ ایک جگہ ایک بیش قیمت گھوڑا بندھا دیکھا چنانچہ تلوار سے اسی باگ ڈور کاٹ کر اپنی باگ ڈور سے اٹکالی دشمن کو خبر ہوگئی، انہوں نے تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے آرام سے نکل آئے۔ قیدی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے اسلام قبول کیا اور

عجمی فوج کے بہت سے راز بیان کیے۔

رُستم کو چونکہ مسلمانوں کا پورا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے جنگ سے بچنے کے حیلے بہانے ڈھونڈتا تھا اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی، چنانچہ اس کی خواہش پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے متعدد سفارتیں روانہ کیں آخر میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ رُستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضبناک ہو کر کہا ''آفتاب و ماہتاب کی قسم کل طلوعِ صبح سے پہلے تم کو خاک میں ملا دوں گا''۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ ''لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ'' کہتے ہوئے لوٹ آئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تمام حالات سُن کر نہایت خوش و خروش کے ساتھ تیاری کا حکم دے دیا۔

قادسیہ کی خون ریزی جنگ:

رستم اس قدر غضبناک ہو گیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کر کے میدان جنگ میں صف آرا ہوا۔ دوسری طرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی تیار تھا، قاریوں کی خوش الحانیوں، خطیبوں کی پُر اثر تقریروں اور جہاد کی آیتوں نے عاشقانِ رسول ﷺ کو بے تاب کر رکھا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کے موافق ''اللّٰہ اکبر'' کے تین نعرے بلند کئے اور چوتھے پر جنگ شروع ہو گئی حضرت سعد رضی اللہ عنہ خود اگرچہ عرق النساء کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث شریک جنگ نہ ہو سکے اور خالد بن عرطفہ کو قائم مقام کر کے میدان کارزار کے قریب ہی ایک محل کے بالا خانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کی راہنمائی کرتے تھے اور مناسب حکم دیتے رہتے تھے۔

ہاتھیوں کے ریلے پر تیروں سے حملہ:

ایک دفعہ ایرانی ہاتھیوں کے ریلے سے جب بجیلہ سواروں کے پاؤں اُکھڑنے لگے تو آپ نے قبیلہ اسد کے تیراندازوں کو کہلا بھیجا کہ تمہارا کمال تیراندازی ہاتھیوں کے مقابلہ میں کیا ہوا؟ یہ سُن کر انہوں نے اس طرح ٹھیک نشانوں پر تیر برسائے کہ دفعتہً جنگ کا نقشہ تبدیل ہوگیا غرض اس روز گھمسان کا رَن پڑا، شام ہوگئی تو فریقین اپنے پڑاؤ میں واپس آئے یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جس کو عربی میں یوم الامارث کہتے ہیں۔

دوسرے دن دس ہزار ایرانی مارے گئے:

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی اور پہلے دن سے بھی زیادہ شدت کا رَن پڑا عین لڑائی کے وقت شام کی امدادی فوجیں بھی پہنچ گئیں، اس غیبی امداد سے مسلمانوں کا جوش دوبالا ہوگیا اور حصول فتح کے لئے انہوں نے جانیں لڑادیں، صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ جاری رہی یہاں تک کہ رات کی تاریکی نے فریقین کو الگ کیا اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی واصل جہنم، ان کے بڑے بڑے ممتاز اور نامور افسر مارے گئے، مسلمان شہداء کی تعداد صرف دو ہزار تھی اور جنگ دُوسرے دن کے لئے ملتوی ہوگئی اس جنگ کا نام یوم الاغواث ہے۔

فتح:

تیسرے روز حسب معمول وہ معرکہ جو یوم العماس کے نام سے موسوم ہے شروع ہوا، اس روز کی لڑائی گزشتہ دنوں سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو کوہ پیکر ہاتھیوں سے پہنچ رہا تھا وہ جس طرف جھک جاتے تھے صفیں کی صفیں درہم برہم

کر دیتے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور دُوسرے جانبازوں کو بُلا کر کہا کہ تم ہاتھیوں کو مارلو تو آج کا میدان تمہارے ہاتھ میں ہے۔

مجاہدین نے اس حکم کی تعمیل کی اُور ہاتھیوں کو نرغہ میں لے کر تاک تاک کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ اُس کی سُونڈ مستک سے الگ ہوگئی، وہ جُھر جھری لے کر بھاگا اور اسے دیکھ کر پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے ہاتھیوں سے میدان کا صاف ہونا تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر حملہ کا حکم دیا مسلمانوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا اور اس زور سے لڑائی شروع ہوگئی کہ تلواروں کی جھنکارا اور نعروں کی گونج کے علاوہ کچھ سُنائی نہ دیتا تھا۔ دن بھر ہنگامہ کارہ راز گرم رہا اور رات کو بھی پوری شدت کے ساتھ جنگ جاری رہی ایرانیوں نے شدید مزاحمت کی تاہم مسلمانوں کے ثبات و استقلال نے اُن کے پاؤں اُکھاڑ دیئے رُستم نہایت بہادری سے مقابلہ کرتا رہا تھا لیکن آخر اسے بھی زخموں سے چور ہو کر بھاگنا پڑا۔ وہ ایک ندی پار کر رہا تھا کہ ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں فتح کی خوشخبری بھیج کر مقتولین کی تجہیز و تکفین اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا اہتمام کیا وہ خود چونکہ لڑائی میں شریک نہ تھے۔ اس لئے بعض سپاہیوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے تمام فوج جمع کیا اور ایک مفصل تقریر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی۔

مدائن پر قبضہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فتح کے بعد تمام عراق عرب کو زیر نگیں

کرنے کا ارادہ کرلیا، ایرانی بابل میں پناہ گزین تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ قادسیہ میں دو ماہ قیام کرنے کے بعد بابل روانہ ہوئے، راستے کے بڑے بڑے سرداروں نے مسلمانوں کی قوت سے مرعوب ہوکر پیشوائی کر کے صُلح کرلی اور بابل تک پہنچے کے لئے موقع بموقع پُل تیار کروائے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بابل پہنچ کر اسے ایک ہی حملہ میں فتح کرلیا اور خود یہاں قیام کر کے کچھ فوجیں زہرہ کی ماتحتی میں آگے روانہ کردیں۔ انہوں نے کوثی پہنچ کر وہاں کے رئیس شہریار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کرلیا۔ کوثی ایک تاریخی جگہ تھی، مورخین کے مطابق نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہیں قید کیا تھا، قید خانہ کی جگہ اب تک محفوظ تھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ زیارت کو گئے۔ اور درود شریف پڑھ کر یہ آیت پڑھی۔ تلك الايام ندا ولها بين الناس.

کوثی سے آگے بڑھ کر مدائن کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا یہاں کسریٰ کا خاص شکاری شیر رہتا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر کو مقابلہ کے لئے چھوڑا گیا جسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بہرہ شیر کا دو ماہ تک محاصرہ کئے رکھا اس دوران میں اکثر ہولناک جنگیں ہوئیں مگر کچھ فیصلہ نہ ہوسکا ایک روز تنگ آکر ایرانی فوجیں نہایت جوش وخروش کے ساتھ قلعہ سے نکلیں اور بڑی دیر تک دادِ شجاعت دیتی رہیں اسی حالت میں ان کا سپہ سالار ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کا مقتول ہونا تھا کہ ایرانی بھاگ کھڑے ہوئے اور اہل شہر نے صلح کا جھنڈا بلند کردیا۔

دریا میں گھوڑے ڈال دیئے:

بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا، ایرانیوں نے

مدائن پر مسلمانوں کے متوقع حملے کے خوف سے تمام پُل توڑ ڈالے، مگر ایرانیوں کی یہ تدبیر بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی کے سامنے کوئی رُکاوٹ نہ پیدا کرسکی آپ نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر گھوڑا دریائے دجلہ میں ڈال دیا، فوج نے آپ کی تقلید کی اور نہایت اطمینان کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی دُوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔

اہل ایران مسلمانوں کے اس جوش و خروش کو دیکھ کر سخت متحیر ہوئے اور دیو آمدند دیو آمدند" کہتے ہوئے بھاگ نکلے۔ ایک افسر حرزاد نے تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ مزاحمت کی لیکن مسلمانوں نے اسے مغلوب کرلیا، یزدگرد پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدائن پہنچ کر شاہی محلات پر قبضہ کرلیا اور تمام اسباب و سامان جو صدیوں سے محلات کی زینت بنا ہوا تھا جمع کر کے بجنسہ مدینہ منورہ روانہ کردیا۔

مدائن میں داخلے پر عجیب منظر:

مورخین کے مطابق مدائن میں داخلے کا منظر بڑا عبرت انگیز تھا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدائن پہنچے تو شہر پر مکمل سکوت طاری تھا وہ گلیاں جو شاہی خاندان اور اُن کے محافظوں کی آمدورفت سے ہمیشہ بھری رہتی تھیں گہرے سکوت میں ڈوبی ہوئی تھیں محلات شاہی کا سناٹا مسلمانوں کے نعرہ ہائے تکبیر و رسالت کا منتظر تھا اور صدیوں سے ظلم و ستم سے بوجھل فضائیں توحید الٰہی کے ترانوں کے لئے بیتاب تھیں، جمعہ کا وقت قریب تھا، چنانچہ مسلمانوں نے ایوان کسرا میں تخت کی جگہ منبر نصب کر کے نماز جُمعہ ادا کی، یہ پہلا جمعہ تھا، جو سرزمین عراق میں پڑھا گیا۔

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراق عرب پر تسلط قائم ہوگیا، بڑے

بڑے روسا اور جاگیرداروں نے اطاعت قبول کرلی اور تمام ملک میں امن وامان کی منادی ہوگئی جو لوگ گھربار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے پھر واپس آ گئے اور حاکم و محکوم اس قدر شیر و شکر ہوگئے کہ باہم ازدواج و مناکحت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

جلولا کی فتح:

مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیوں نے جلولا کو مرکز بنایا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج دے کر جلولا روانہ کیا، اُنہوں نے اس کا محاصرہ کرلیا۔ جو کئی مہینوں تک جاری رہا آخر معدد خونریز لڑائیوں کے بعد حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کی شجاعت سے فتح ہوگیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا اس کے بعد تکریت پر فوج کشی ہوئی اور بتائید ایزدی عزوجل اس پر بھی نہایت کامیابی و فیروز مندی کے ساتھ اسلامی جھنڈا نصب کردیا گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو چونکہ ایران پر فوج کشی کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیالات معلوم تھے اس لئے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حالات سے مطلع کر کے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی، دربار خلافت سے جو اب آیا کہ ''دولت و حکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خُون زیادہ محبوب ہے، کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سدِ سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے، غرض سرِ دست اسی پر اکتفا کر کے ممالک مفتوحہ کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لو''۔

امارت:

دربارِ خلافت کے اس فرمان کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سپہ

سالاری کا زمانہ ختم ہوگیا اور وہ والئ ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم ونسق میں مصروف ہو گئے بلاشبہ کسی ملک کو فتح کرنا بے حد مشکل ہے تاہم کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اُصولوں پر مرتب کرنا بھی کچھ کم مشکل نہیں، لیکن یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی فطری صلاحیتوں کی وجہ سے تھا کہ آپ ہر دو مشکلات پر غالب آئے آپ نے جس عمدگی اور خُوبی سے اس عہدہ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے اس سے زیادہ اس دور میں ممکن نہ تھا۔ آپ نے دربارِ خلافت کے ایماء سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، مفتوحہ ملک کی اراضی کو اصل باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا البتہ لاوارث زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا۔ مزید لگان اور جزیہ کے اُصول بنائے اور رعایا کے امن و آسائش کا انتظام کیا آپ اہل ایران سے اس قدر اخلاق و محبت و شفقت سے پیش آئے کہ وہ نہ صرف آپ کے گرویدہ ہوگئے بلکہ بڑے بڑے اُمراء و روساء اس سے متاثر ہو کر خود بخود مسلمان بھی ہوگئے، اسی طرح دیلم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کہلاتی تھی حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

شہر کوفہ کی بنیاد:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک مدائن میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران میں آپ نے محسوس کیا کہ یہاں کی آب و ہوا نے اہل عرب کے رنگ و رُوپ کو کافی حد تک بدل دیا ہے آپ نے اس صورت حال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا، حکم ملا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزوں جگہ کا انتخاب کر کے کُوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی شہر کو جُدا

جُدا محلوں میں تقسیم کر کے ان میں عرب کے قبائل کو علیحدہ علیحدہ آباد کیا شہر کے وسط میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی جس میں تقریباً چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش تھی۔ مسجد کے قریب ہی بیت المال اور ایک محل تعمیر کرایا جو قصرِ سعد رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور تھا کچھ دنوں کے بعد جب بیت المال میں چوری ہوگئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے حکم سے بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا جس سے خزانہ محفوظ ہوگیا، یہ خدمت ایک مشہور پارسی معمار روز بہ نامی نے اس خُوبی سے انجام دی تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عزت افزائی کے طور پر اسے دارالخلافت میں بھیج دیا جہاں ہمیشہ کے لئے اس کا وظیفہ مقرر ہوگیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قصر چونکہ بازار کے درمیان تھا اس لئے شور وغل کے باعث باہمی گفتگو کرنا بھی دُشوار تھی انہوں نے اس زحمت بچنے کے لئے قصر کے سامنے ڈیوڑھی بنوا کر اس میں پھاٹک لگوا دیا۔ امیر المومنین کو جب اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اہل حاجت کی تکلیف کے پیش نظر حضرت محمد مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم کہ کوفہ جا کر اس میں آگ لگا دیں، اس حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اطاعت شعاری کے ساتھ سرِ تسلیم خم کر دیا۔

متفرق انتظامات

کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی جہاں تقریباً ایک لاکھ جنگ آزما سپاہی بسائے گئے تھے جن کو حسب مراتب تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیوں پر ایک ایک افسر مقرر تھا جو امراء لاعشار کہلاتا تھا، تنخواہیں ان افسران کو دی جاتیں اور یہ اپنے ماتحتوں میں تقسیم کر دیتے۔ ایک دفعہ ان لوگوں نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی جس سے فوج میں برہمی کے

آثار نمایاں ہوئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور فرمانِ خلافت کے مطابق دس کی بجائے سات سات سپاہیوں پر ایک ایک افسر مقرر کر کے نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور وظائف مقرر کیئے۔

جنگ کے لیے ایرانیوں کی دوبارہ کوشش:

۲۱ھ میں ایرانیوں نے مسلمانوں کی ان کے مفتوحہ علاقوں سے نکالنے کے لئے عراق عجم میں نہایت عظیم الشان جنگی تیاریاں کیں جب ان کی اطلاع دارالخلافت میں پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام فوجی مراکز میں اسلامی فوج کو بھی تیار کرنے کے احکام صادر کیئے کوفہ سب سے بڑا فوجی مرکز تھا یہاں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نہایت اہتمام سے ان تیاریوں میں حصہ لیا اور امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایماء سے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو اس فوج کا امیرِ عسکر مقرر کیا لیکن یہاں ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی تھی جو قصداً جنگ سے جی چُراتی تھی اور کہتی تھی کہ بصرہ والوں نے فارس پر حملہ کر کے خواہ مخواہ یہ لڑائی مول لی ہے۔

دربارِ خلافت میں شکایت:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں ان لوگوں کی شکایت کی جس پر حضرت جراح بن سنان رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے دشمن بن گئے، چنانچہ وہ مدینہ پہنچے اور امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے یہ شکایت اگرچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی نسبت نہایت ہی گھٹیا تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم اتمامِ حُجت کے لئے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو

تحقیقات کے لئے روانہ فرمایا انہوں نے کوفہ کی ہر مسجد میں گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی ہر جگہ لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور اسے لغو قرار دیا، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تحقیقات سے فارغ ہونے کے بعد دونوں فریق کو ساتھ لئے مدینہ پہنچے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہیں فوراً پوچھا تم کیسی نماز پڑھاتے ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں"۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور آخری دونوں میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرتا ہوں" امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بے شک تمہاری نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے"۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی معزولی:

الزام اگرچہ بے بنیاد ثابت ہوا تھا تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کی مخالفت کے پیش نظر انہیں اس عہدے سے سبکدوش کرنا ہی مناسب خیال کیا۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں ہی روک کر ان کے قائم کردہ جانشین کو اس منصب پر مستقل کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے گو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو تسلیم کر کے اطاعت شعاری کا ثبوت دیا تھا تاہم آپ کو اپنے اُوپر ایسے لغو الزام کے قائم ہونے کا افسوس ضرور تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ اب ہمیں لوگ دین سکھاتے ہیں:

آپ فرمایا کرتے تھے، میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہُوں جس نے راہِ خُدا میں تیراندازی کی ہے، ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت کے سُوکھے پتے کھا کھا کر لڑتے تھے لیکن خدا کی شان کہ آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہیں جو خود مجھے دین سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا۔

خلافت کے لئے نامزدگی:

۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شدید زخمی ہوئے اور جب آپ کی زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تو لوگوں نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف آپ کی توجہ دلائی، آپ نے اس منصب کے لئے چھ نام پیش کئے جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ خلیفہ منتخب نہ ہوسکیں تو جو منتخب ہو وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خدمات سے فائدہ اُٹھائے کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔

دوبارہ تقرری:

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس شوریٰ نے خلافت کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس تقرری پر ابھی تین سال ہی گزرے تھے کہ ان میں اور بیت المال کے مہتمم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں اختلاف پیدا ہوگئے جس کے باعث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ۲۶ھ میں پھر معزول کردیا گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی گوشہ نشینی:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس معزولی کے بعد مدینہ میں گوشہ نشینی اختیار کرلی یہاں تک کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آخری عہد خلافت میں جب فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی آپ کی عزلت نشینی میں

خلل نہ ڈال سکا۔ آخر جب مُفسدین نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا تو آپ اپنی کنجِ تنہائی سے نکلے اور ان کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب کچھ کامیابی نہ ہوئی تو پھر خاموشی اختیار کرلی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے، آپ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی مگر ملکی معاملات سے بے تعلقی کی روش پرحسبِ سابق قائم رہے یہاں تک کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگوں نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی مگر آپ نے معذرت کی اور فرمایا "مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم و کافر میں امتیاز کر سکے"۔

وصال:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقامِ عقیق میں اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا جس میں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی آخری عُمر میں جسم میں کمزوری زیادہ ہوگئی تھی اور آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی اسی حالت میں آپ نے ۵۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

وصیت:

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے اُسی اُونی کپڑے کا کفن پہنایا جائے جو جنگ بدر میں میرے جسم پر تھا، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور میت مدینہ لائی گئی، بعض اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن اُس وقت تک زندہ تھیں نمازِ جنازہ مسجد میں ان کے حجروں کے سامنے ادا کی گئی، اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی نماز میں شریک تھیں۔ غرض اس عزت و احترام کے ساتھ اسلام کے پرستار، حضور نبی کریم ﷺ کے

عاشق صادق اور جانثار اور ایران کے فاتح اعظم کو سپرد خاک کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

علم فضل

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا علمی پایہ نہایت بلند تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث روایت کریں تو اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

اخلاق و عادات

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مصحفِ اخلاق میں خشیتِ الٰہی، حُبِ رسول ﷺ تقویٰ و زُہد، بے نیازی اور خاکساری سب سے روشن باب ہے خوفِ خدا اور عبادت گزاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے آخر حصہ میں مسجد نبوی ﷺ میں اگر نمازیں پڑھا کرتے تھے بیعت کا میلان گوشہ نشینی پر تھا آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم ﷺ نے رہبانیت اور تبتل سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں ضرور اسے اختیار کر لیتا۔

محبت رسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت و جانثاری کا اندازہ اسی بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ تمام غزوات میں آپ حضور نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ غزوہ اُحد میں جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اچانک حملہ سے گھبرا کر منتشر ہو گئے تو تھوڑی دیر تک تنہا حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا سفر میں عموماً آپ خود شوق سے سرورِ کائنات ﷺ کے خیمہ اقدس کا پہرا دیتے تھے۔

مورخین کے مطابق ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ سے تشریف لا

رہے تھے کہ رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہاں دُشمنوں کا سخت خطرہ تھا، حضور نبی کریم ﷺ رات کو دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کاش میرے اصحاب رضی اللہ عنہ میں سے کوئی مردِ صالح آج پہرہ دیتا" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابھی ارشادِ مُبارک ختم نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سُننے میں آئی، سرورِ کونین ﷺ نے پوچھا "کون ہے"؟ عرض کی "سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ" فرمایا "تم کیسے آئے ہو"؟ عرض کی "رسول اللہ ﷺ خود بخود خیال آیا کہ آج رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنا چاہیے چنانچہ اس فرض کو انجام دینے کے لیے چلا آیا" حضور نبی کریم ﷺ اس جانثاری سے بہت خوش ہوئے اور دُعا دی۔

زُہد وتقویٰ:

زُہد وتقویٰ کا یہ حال تھا کہ جس وقت دُنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی آپ اس وقت مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دُعائیں مانگ رہے تھے، اور جو کوئی اس جھگڑوں کے متعلق پوُچھتا فرماتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ میرے بعد عنقریب ایک فتنہ بپا ہوگا جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا"۔

ذریعہ معاش وجاگیر:

ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے درخت کے پتے کھا کھا کر حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوات میں ہمرکابی کا شرف حاصل کیا تھا، لیکن اسلام نے بہت جلد اپنے فدائیوں کی عُسرت وتنگ حالی کو دولت وثروت میں تبدیل کر دیا، چنانچہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خیبر کی مفتوحہ اراضی میں جاگیر اور

ایران کے مالِ غنیمت میں حصہ ملا تو آپ نے دورِ فتنہ وفساد میں ایک غیر آباد قطعہ زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا اور آخر میں بہت بڑے دولت مند بن گئے کوفہ اور مدینہ منورہ میں دس میل کے فاصلہ پر مقامِ عقیق میں عالیشان محلات تعمیر کرائے مگر اس کے باوجود غذا اور لباس کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

حُلیہ مبارک:

آپ کے حُلیہ کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کا م قد بلند و بالا، جسم فربہ، ناک چپٹی، سر بڑا اور ہاتھ کی اُنگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط تھیں

اَزواج و اولاد:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں بیویوں کے نام یہ ہیں بنت الشہاب، بنت قیس بن معدی کرب، اُمّ عامر بنت عمرو، زبد، اُم بلال بنت ربیع، اُم حکم بنت قارظ، سلمٰی بنت حفص، ظبیہ بنتِ عامر، اُم حجر۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی چونتیس اولادیں ہوئیں ان میں سترہ لڑکے تھے اور اسی قدر لڑکیاں تھیں سب کے نام درج ذیل ہیں:۔

لڑکے:۔ اسحاق اکبر، عمر، محمد، عامر، اسحاق اصغر، اسماعیل، ابراہیم، موسیٰ، عبداللہ اصغر، عبدالرحمٰن، عمیر اکبر، عمیر اصغر، عمرو، عمران، صالح اور عثمان۔

لڑکیاں:۔ اُمّ الحکیم کبریٰ، حفصہ، اُمّ القسم، کلثوم، اُمّ عمران، اُمّ الحکیم صغریٰ، اُمّ عمرو، ہند، اُمّ الزبیر، اُمّ موسیٰ، حمنہ، اُمّ عمر، اُمّ ایوب، اُمّ اسحاق، ملہ، عمرہ، عائشہ۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

پیدائش:

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بعثت نبوی ﷺ کے وقت تقریباً چوبیس سال کے تھے اس بنا پر اندازاً ۵۸۶ء میں پیدا ہوئے (واللہ اعلم)

قبول اسلام:

ابتدائے عہد اسلام میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

شہادت:

غزوہ اُحد میں بروز ہفتہ ۷ شوال ۳ھ مطابق ۲۳ مارچ ۶۲۵ء بعمر چالیس سال سے کچھ زائد مرتبہ شہادت پر فیضیاب ہوئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دُعا:

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد سے ایک روز قبل بارگاہ خداوندی میں دُعا کی:

''مولیٰ کریم مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو، میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے ناک،

کان کاٹ ڈالے، جب میں تجھ سے ملوں گا اور تو فرمائے گا: اے عبداللہ، تیرے کان ناک کیوں کاٹے گئے؟ تو عرض کروں گا، تیرے لیے اور تیرے رسول ﷺ کے لیے"۔

نام ونسب:

نام عبداللہ رضی اللہ عنہ کنیت ابومحمد اور والد کا نام جحش تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے: حضرت عبداللہ بن جحش بن رباب بن یعمیر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم، آپ کی والدہ کا نام امیمہ بنت حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھا جو حضور نبی کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

قبول اسلام:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت اسلام قبول کیا۔ جس وقت ابھی خانہ ارقم میں دعوت اسلام کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

ہجرت:

مشرکین قریش نے جب اہل ایمان پر دست ظلم وستم کو دراز کیا تو آپ کا خاندان بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔ چنانچہ آپ نے دو دفع سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، آخری سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابو احمد، عبید اللہ اور تین بہنیں زینب، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش نیز عبیداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان ساتھ تھیں۔

حبشہ میں آپ کے بھائی عبیداللہ نے نصرانیت (عیسائی مذہب) اختیار کرلیا اور وہیں پیوند خاک ہوا۔ چنانچہ آپ اپنے بقیہ خاندان کو مکہ واپس لائے

اور یہاں سے اپنے قبیلہ کے تمام افراد کو، جو سب کے سب داخل اسلام ہو چکے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے۔ آپ نے اپنے رشتہ داروں سے مکہ اس طرح خالی کر دیا تھا کہ محلہ کا محلہ بے رونق ہو گیا اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے۔ مدینہ میں آپ معہ دیگر افراد کنبہ کے حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح الانصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے اور پھر حضور نبی کریم ﷺ نے دونوں میں بھائی چارہ قائم کرا دیا۔

سریہ نخلہ:

رجب ۲ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے ماہ رجب ۲ھ میں آپ کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی اور چلتے وقت ایک فرمان دے کر فرمایا کہ دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اسے کھول کر پڑھیں اور مندرجہ ہدایتوں پر عمل کریں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دو منازل طے کرنے کے بعد حسب ارشاد نبوی ﷺ خط کھول کر پڑھا، اس میں حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت اور ضروری حالات کا پتہ چلائیں۔ آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق اپنے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور چونکہ یہ ایک خطرناک مہم تھی اس لیے انہیں ساتھ چلنے یا لوٹ جانے کا اختیار دیا۔ سب نے ساتھ چلنے پر رضامندی ظاہر کی اور نخلستان پہنچ کر قریش کے تجسس میں مصروف ہوئے۔ شام کے وقت قریش کا ایک تجارتی قافلہ آیا جو عمرو بن الحضرمی، عبداللہ بن مغیرہ کے دو لڑکوں (عثمان اور نوفل) اور بنی مغیرہ کے مولیٰ حکم بن کیسان پر مشتمل تھا۔ اونٹوں پر کھجور اور دوسرا سامان تجارت تھا۔

اس دن ماہ رجب کی آخری تاریخ تھی لیکن مجاہدین نے ماہ شعبان کے شبہ میں قافلہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قافلہ کے سردار عمرو

بن الحضرمی کو ایک تیر مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ نوفل بھاگ گیا، عثمان اور حکم گرفتار ہوئے اور بہت سا مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے خمس نکال کر باقی یہ حصہ مساوی مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔ اس وقت تک اگرچہ تقسیم غنائم کا کوئی قانون وضع نہیں ہوا تھا تاہم جب خمس کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ واپس مدینہ پہنچ کر بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے اور مال غنیمت کا خمس پیش کیا لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے اس کو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا "جب تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا تو پھر تم نے قتال کیوں کیا؟" مسلمانوں نے بھی اس جسارت پر ملامت کی۔ قریش نے بھی اس واقعہ کو بہت شہرت دی اور کہنے لگے کہ مسلمانوں نے شہر حرام کی حرمت بھی توڑ دی لیکن اللہ تعالیٰ نے ذیل حکم کا فرما کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی ملامت و ندامت سے بری فرما دیا:

ارشاد خداوندی ہے:

يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير
وصد عن سبيل الله و كفربه والمسجد الحرام و اخراج
اهله منه اكبر عند الله والفتنة اكبر من القتل ولايزالون
يقا تلو نكم حتى يردو كم عن دينكم إن استطاعو
ومن يرتد دمنكم عن دينه فيمت وهو كافر فاولئك
حبطت اعمالهم في الدنيا و الاخرة واولئك اصحب النار
هم فيها خلدون ○ (سورة البقرہ)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک تھے، غزوہ احد میں شرکت سے ایک روز قبل آپ نے دعا فرمائی:

''مولیٰ کریم مجھے اپنا مقابل عطا فرما جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو، میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے ناک کان کاٹ ڈالے، جب میں تجھ سے ملوں گا اور تو فرمائے گا اے عبداللہ 'تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ تو عرض کروں گا تیرے لئے اور تیرے رسول ﷺ کے لیے''۔

شہادت:

غرض ۷ شوال ۳ھ بروز ہفتہ اُحد پہاڑ کے دامن میں معرکہ کار، زار گرم ہوا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس بے جگری سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی جس نے آپ کے ہاتھوں میں تلوار کا کام دیا، دیر تک لڑتے رہے کہ آخر اسی حالت میں ابوالحکم بن اخنس الثقفی کے وار سے شہادت کی آرزو پوری ہوئی۔ مشرکین نے مثلہ کیا اور ناک کان کاٹ کاٹ کر دھاگے میں پروئے۔ شہادت کے وقت آپ چالیس سال سے کچھ زیادہ عمر کے تھے۔ آپ کے اپنے ماموں سید شہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

اخلاق:

مذہبی جوش اور شہادت کی تمنا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس دعا سے ہی ظاہر ہے۔ جو انہوں نے معرکہ احد سے ایک روز قبل فرمائی تھی۔ مزید برآں جفاکشی ان کی فطرت میں داخل تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب انہیں نخلستان

کی مہم پر نامور فرمایا تو ان کے ساتھیوں سے کہا تھا۔' گو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تم لوگوں میں سے بہترین نہیں ہے تاہم بھوک پیاس کی سختیوں کو زیادہ برداشت کر سکتا ہے''۔

حُلیہ مبارک:

آپ کا قد میانہ اور سر کے بال نہایت گھنے تھے۔

اولاد:

ابن سعد رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق ''رسول اللہ ﷺ ان کے ترکے کے ولی بنے اور آپ ﷺ نے ان کے بیٹے کے لیے خیبر میں مال خرید دیا'' سے پتہ چلتا ہے کہ غالباً حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک ہی لڑکا تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ

پیدائش:

حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ بعثت نبوی ﷺ سے بائیس سال قبل اندازاً ۵۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ بعث نبوی ﷺ سے بائیس سال قبل پیدائش اور وفات ۴۶ھ کے سن کو صحیح تسلیم کیا جائے تو عمر اکیاسی (۸۱) سال بنتی ہے جبکہ مورخین نے ۷۷ سال عمر لکھی ہے۔ (واللہ اعلم)

قبول اسلام:

حضور نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے بیشتر مدینہ منورہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

فرمان رسول ﷺ:

حضرت بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک تلوار عنایت کی اور فرمایا:

"اے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس تلوار سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا یہاں تک کہ تم مسلمانوں کے دو گروہوں کو آپس میں قتل کرتے دیکھو (تو) اس وقت تم

اس تلوار کو پتھر پر اتنا پٹکنا کہ ٹوٹ جائے، پھر تم اپنے ہاتھ اور زبان کو روک لینا۔ یہاں تک کہ تمہارے پاس فیصلہ کرنے والی موت آجائے یا خطا کار ہاتھ"۔

(طبقات ابن سعد ج چہارم)

نام ونسب:

نام، محمد کنیت ابو عبدالرحمٰن اور نسبی تعلق انصار مدینہ کے قبیلہ اوس سے تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث، آپ کی والدہ کا نام خلیدہ (ام سہیم) بنت ابی عبید بن وہب تھا جو خزرج سے تھیں۔

قبول اسلام:

آپ قبیلہ عبدالاشہل کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ حضور نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرمایا۔

غزوات میں شرکت:

غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور غزوہ قینقاع شوال ۲ھ میں یہود کا مال آپ نے ہی وصول کیا تھا۔ کعب بن اشرف یہودی مدینہ میں ایک شاعر تھا جس کا کام حضور نبی کریم ﷺ کی ہجو کرنا اور مسلمانوں کے خلاف آتش غیظ وغضب مشتعل کرنا تھا۔ اس نے جب بدر میں مسلمانوں کی فتح اور قریش کی ہزیمت کے متعلق سنا تو کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار اور اشراف

مارے گئے ہیں تو زمین کی پشت سے زمین کا بطن بہتر ہے چنانچہ وہ اسی جوش میں مکہ پہنچا اور جگہ جگہ مقتولین بدر کے مرثیے پڑھ کر قریش مکہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ مدینہ واپس آیا تو حضور نبی کریم ﷺ کو اس کو فکر ہوئی۔

کعب بن شرف یہودی کا قتل:

آپ ﷺ نے مسلمانوں کے بھرے مجمع میں فرمایا "کعب کے لیے کون ہے؟ اس نے خدا اور رسول ﷺ کو بہت اذیت پہنچائی ہے"۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا "یارسول (ﷺ) کیا آپ کی مرضی ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے"؟ فرمایا "ہاں" عرض کی" تو میں اس کام کے لیے جاتا ہوں"۔ پھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ معہ حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ عنہ حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیس بن جبر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو نائلہ بن سلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ کے اس کے قتل پر آمادہ ہوئے اور حضور نبی کریم ﷺ سے اجازت چاہی، حضور نبی کریم ﷺ نے اجازت فرمائی اور ان کو رخصت کرنے کے لیے بقیع الغرقد تک بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔

ان صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے حضرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف یہودی کے رضاعی بھائی تھے، چنانچہ پہلے حضرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہ اس کے دروازے پر پہنچے اور آواز دے کر کعب کو بلایا۔ جب وہ بالا خانہ پر آیا تو انہوں نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ (ﷺ) سے منحرف ہو گئے ہیں اور تمہارے پاس غلہ قرض لینے آئے ہیں۔ یہ سن کر یہودی بہت خوش ہوا مگر غلہ کے عوض کئی چیزیں رہن رکھنے کو کہا، آخر کافی بحث تمحیص کے بعد وہ ہتھیار رکھنے پر راضی ہو گیا اور انہیں قلعہ کے اندر بلا لیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ میں اس

پر قابو پانے کی کوشش کروں گا اور تم میرا اشارہ پاتے ہی اسے فوراً قتل کر دینا، بہرکیف جب وہ بالا خانہ سے اتر کر ان کے قریب آیا تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے قبضہ میں کر لیا اور ساتھیوں سے کہا "لو اس کو قتل کرو" اتنی دیر میں تلواریں برس پڑیں مگر جان پھر بھی باقی رہ گئی، دشمن خدا اس زور سے چلایا کہ تمام یہودیوں نے آواز سن لی اور قلعہ پر روشنی ہو گئی، اس اثنا میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خنجر یا تلوار پیٹ میں جھونک دی جو ناف کے نیچے اتر گئی اور کافر گستاخ رسول وہیں واصل جہنم ہو گیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا سر کاٹ کر ساتھ لیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ کر حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ آخر شب تھی اور حضور نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے یہودی کا سر دیکھا تو نہایت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

غزوہ اُحد میں خدمات:

غزوہ احد میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کی حفاظت پر متعین تھے چنانچہ آپ تمام رات پچاس آدمیوں کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔

غزوہ بنو نضیر میں خدمات:

غزوہ بنو نضیر ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا تھا۔ اس میں یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر نے حضور نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی شازش کی تھی۔ چنانچہ جب حضور ﷺ کو بذریعہ وحی یہودیوں کی غداری کا علم ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا "ہمارے شہر سے نکل کر کسی اور جگہ چلے جاؤ، تمہیں نقل مکانی کے لیے صرف دس دن کی مہلت ہے

اس کے بعد اگر یہاں دیکھے گئے تو قتل کر دیے جاؤ گے لیکن بنو نضیر نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی امداد کی یقین دہانی پر اس حکم کی پروانہ کی اور مقابلہ پر تیار ہو گے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مجبور ہو کر بنو نضیر کا محاصرہ فرمالیا جو پندرہ دن تک جاری رہا جب عبداللہ بن ابی کا وعدہ امداد جھوٹا ثابت ہوا تو یہودی خوفزدہ ہو گئے اور نہایت ذلیل ہو کر امن کے خواستگار ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بنو نضیر کی جلا وطنی کا حکم دیا اور یہ معاملہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا جسے انہوں نے نہایت حسن و خوبی سے انجام دیا۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی:

غزوہ خندق کے بعد ذی الحجہ ۵ھ میں واقعہ بنی قریظہ پیش آیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بنی قریظہ کی عہد شکنی کے باعث ان کا محاصرہ فرمایا جو تقریباً پچیس دنوں تک جاری رہا۔ آخری بنی قریظہ نے مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور ان کے مستقبل کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ بنی قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنا لیے جائیں اور مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جب اس فیصلہ پر عمل کرنے کا وقت آیا تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عورتوں اور بچوں کو جدا کر کے باغیوں کے ہاتھ میں باندھ دیئے اور ایک طرف لا کر کھڑا کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد دو شنبہ۔ دس محرم ۶ھ کو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کا امیر بنا کر قرطا کی طرف روانہ فرمایا جو مدینہ سے سات دن کی مسافت پر واقع تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ رات کو

چلتے اور دن کو کہیں چھپے رہتے گاؤں پہنچ کر آپ نے اچانک اہل قرطہ پر چھاپہ مارا ،دس آدمی قتل کیے باقی بھاگ گئے، اس سریہ میں ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں جنہیں لے کر آپ تقریباً انیس دن کے بعد مدینہ واپس آئے۔

بنو ثعلبہ کی سرکوبی:

حضور نبی کریم ﷺ نے ماہ ربیع الثانی ۲ھ میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دس مجاہدین کے ساتھ بنی ثعلبہ اور بنی غوال کے مقابلہ کے لیے ذی القصہ روانہ فرمایا، رات کو وہاں پہنچے لیکن قبیلہ والے ان کی آمد سے مطلع ہوتے ہی پہاڑوں میں چھپ گئے، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ معہ اپنے ساتھیوں کے رات کو بے خبر سو رہے تھے کہ غنیم نے شب خون مارا اور ان کے علاوہ سب زخمی ہو گئے تھے۔ اتفاق سے ایک مسلمان ادھر سے گزرا جو آپ کو اٹھا کر مدینہ لایا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہی دنوں اس کے انتقام کے لیے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا جنہوں نے چالیس آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچ کر بنی ثعلبہ پر حملہ کیا اور کامیاب لوٹے۔

عمرۃ القضاء میں خدمات:

جب حضور نبی کریم ﷺ جب ماہ ذیقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضا کو روانہ ہوئے تو ذوالحلیفہ پہنچ کر گھوڑے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے اور فرمایا کہ تم آگے بڑھو۔ یہ مرالظہران پہنچے تو قریش سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ کہا کہ سرور کونین ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور انشاء اللہ کل یہاں پہنچ جائیں گے۔

رجب ۹ھ میں حضور نبی کریم ﷺ جب تبوک روانہ ہوئے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں کاروبار خلافت سپرد کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خدمات:

خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ قبیلہ جہینہ کے صدقات وصول کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گورنروں اور عاملوں کو نگرانی کا ایک منصب عطا فرمایا کہ دربار خلافت میں عمال کی جو شکائتیں وقتاً فوقتاً موصول ہوتیں ان کی تفتیش و تحقیق کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو انتخاب کیا۔

۲۱ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو کوفہ کے گورنر اور عشرہ مبشرہ میں تھے) کے متعلق لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ وہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لیے کوفہ روانہ کیا، انہوں نے شہر کی مسجدوں میں گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی، ہر جگہ لوگوں نے اس شکایت کو لغو قرار دیا، چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تحقیقات سے فارغ ہو کر معہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مدینہ پہنچے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے شکایت کی حقیقت دریافت کی، جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وضاحت کی تو فرمایا بیشک تمہاری نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں محل تعمیر کیا اور اس کے سامنے ڈیوڑھی بنا کر پھاٹک لگوا دیا ہے۔ آپ نے اس خیال سے کہ اب کسی مظلوم اور فریادی کی آواز ان تک نہیں پہنچے گی حضرت محمد بن

مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر حکم کی تعمیل کی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ باہر نکلے مگر حقیقت حال سے واقف ہو کر خاموش ہو گئے۔

تم جنگل جاؤ اور بکریاں چراؤ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک شخص نے آواز دی عمر رضی اللہ عنہ! کیا چند شرطیں تم کو خدا سے نجات دلا دیں گی؟ تمہارا عامل عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ جو مصر کا گورنر ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور دروازے پر اس نے دربان مقرر کر رکھا ہے چراؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر مصر بھیجا اور فرمایا وہ جس حال میں ہوں انہیں ساتھ لے آؤ۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور دیکھا کہ واقعی دروازے پر دربان بیٹھا ہے، اندر گئے تو عیاض رضی اللہ عنہ باریک کرتہ پہنے تھے، فرمایا، آپ کو امیر المومنین نے طلب کیا ہے۔ انہوں نے قبا پہننے کی اجازت چاہی مگر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، غرض اسی حالت میں انہیں مدینہ لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باریک کرتہ اتروا کر بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا گلہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لے جا کر چراؤ۔

اسی طرح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سا مال جمع ہو گیا ہے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے نام ایک فرمان دے کر مصر بھیجا، فرمان کا مضمون یہ تھا کہ سارا مال ان کے سامنے رکھ دیا جائے جو مناسب ہو گا لے لیں گے، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جب مصر پہنچے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کو ہدیہ بھیجا لیکن انہوں نے واپس کر

دیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس کا بڑا افسوس ہوا اور کہا کہ آپ نے میرا ہدیہ واپس کر دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ہدیہ اور اس میں فرق ہے۔ باتوں باتوں میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے باپ خطاب کے مقابلہ پر اپنے باپ عاص بن وائل کی بڑائی جتائی اور اپنے متعلق امیر المومنین کے رویے پر تنقید کی۔ اس پر دونوں میں کچھ سخت کلامی ہوئی تاہم کل اثاثہ لا کر سامنے رکھ دیا، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کسی قدر لے کر باقی واپس کر دیا اور مدینہ چلے آئے۔

عزلت نشینی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک مدینہ میں رہے پھر ربذہ میں مقیم ہو گئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے افسوسناک واقعہ میں بالکل الگ تھے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کو فتنہ نے کچھ ضرور نہ پہنچایا اور وہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

چند آدمی ربذہ میں آئے تو دیکھا کہ ایک خیمہ نصب ہے، اندر گئے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اس عزلت نشینی کا سبب پوچھا تو فرمایا "جب تک معاملہ صاف نہ ہو جائے ہم کو دخل نہیں دینا چاہیے" حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہیں طلب فرمایا اور پوچھا کہ میرے ساتھ کیوں شریک نہ ہوئے عرض کی حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے تلوار دی تھی اور فرمایا تھا کہ مشرکین سے لڑنا اور جب مسلمان برسر پیکار ہوں تو اسے احد پر مار کر پاش پاش کر دینا اور گھر میں بیٹھ رہنا، چنانچہ میں نے ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق عمل کیا۔

جنگ جمل اور صفین میں کسی فریق کا ساتھ نہ دیا، اس زمانہ میں لکڑی کی ایک تلوار بنائی تھی اور اسے میان میں رکھ دیا تھا جو گھر میں لٹکی ہوئی تھی۔ فرماتے تھے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہی حکم دیا ہے۔

شہادت:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت صفر ۴۲ھ میں وفات پائی۔ آپ مکان کے اندر تھے کہ شامی بلا اجازت اندر چلا آیا اور آتے ہی آپ کا کام تمام کر دیا، قصور صرف یہ تھا کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں تلوار کیوں نہ اٹھائی، انا للہ وانا الیہ راجعون.

اہل وعیال:

اس زمانہ میں مروان حاکم مدینہ تھا، جنازہ اس نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ نے متعدد شادیاں کیں جن سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

حُلیہ مبارک:

آپ کا قد دراز، بدن دہرا اور رنگ گندم گوں تھا، سر کے بال آگے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

پیدائش:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بعثت نبوی ﷺ سے تقریباً چونتیس سال قبل اندازاً ۵۷۷ء میں پیدا ہوئے۔

قبول اسلام:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بعثت نبوی ﷺ کے ابتدائی ایام میں آپ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

شہادت:

سریہ موتہ جمادی الاول ۸ھ بعمر تقریباً چون پچپن سال مرتبہ شہادت پر فیضیاب ہوئے۔

فرمان رسول ﷺ:

رسول ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حجر اسود کے پاس لے گئے اور فرمایا" اے حاضرین گواہ رہو کہ حضرت زید (رضی اللہ عنہ) میرے بیٹے ہیں، میں ان کا وارث ہوں وہ میرے وارث ہیں"۔ (طبقات ابن سعد ج ۳)

نام ونسب:

آپ کا نام حضرت زید رضی اللہ عنہ کنیت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ اور لقب محبوب رسول (ﷺ) تھا۔ والد کا نام حارثہ تھا جو یمن کے ایک نہایت معزز قبیلہ بنو قضاعہ سے تھے۔ والدہ کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ بن عبد عامر تھا جو قبیلہ طے کی ایک شاخ بنی معن سے تھیں، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بن شرجیل بن کعب بن عبدالعزیٰ۔

ابتدائی حالات:

حضرت زید رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے کہ اپنی والدہ سعدیٰ کے ساتھ ننہال گئے، انہی دنوں بنی القین کے کے لوگ جو غارتگری سے واپس آ رہے تھے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چار سو درھم میں فروخت کر دیا، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کیا جن کی وساطت سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سرورِ کونین ﷺ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا۔ جس پر ہزاروں آزادیاں اور دنیا بھر کی شاہنشائیاں قربان ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی گمشدگی کا شدید غم:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد حارثہ بن شرجیل کو اپنے بیٹے کی گمشدگی کا شدید غم ہوا، آنکھوں نے سیل اشک بہائے اور غمزدہ دل نے جدائی کے رنج والم کو اس طرح اشعار کے قالب میں ڈھالا۔

ترجمہ: میں زید پر رویا اور مجھے نہیں معلوم کہ اس کا کیا ہوا، آیا زندہ ہے جس کی امید کی جائے یا اسے موت آ گئی مگر واللہ مجھے معلوم نہیں اگرچہ میں تلاش میں ہوں، کہ آیا تجھے سطح زمین کھا گئی یا پہاڑ کھا گیا، اس کے متعلق میں قیس اور عمرو کو نصیحت کرتا ہوں، اور یزید کو بھی وصیت کرتا ہوں اور ان کے بعد جبل کو"۔

آخری شعر میں جس جبل کا ذکر آیا ہے ان سے مراد جبلہ بن حارثہ جو حضرت زید ؓ کے بھائی تھے اور یزید سے مراد یزید بن کعب شرجیل ہے جو حضرت زید ؓ کے اخیافی بھائی تھے۔

قبیلہ کے لوگوں کو جواب:

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے لیے مکہ آئے، انہوں نے اس یوسف گم شدہ کو دیکھ کر پہچان لیا اور حارثہ کے غم کی داستان ان کو سنائی حضرت زید ؓ کا دل بھی اپنے باپ کی حالت زار سن کر بھر آیا اور اپنے دلی جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

ترجمہ: میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں، گو ان سے دور ہوں، میں بیت اللہ میں مشعر حرام کے پاس مقیم ہوں اس لیے اس غم سے باز آجاؤ جس نے تم کو پریشان کر دیا، اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو کیونکہ الحمدللہ میں بنی معد کے شریف خاندان میں ہوں۔ ایسا شریف خاندان جو پشت ہائے پشت سے معزز و مکرم ہے"۔

بنی کلب کے زائرین جب واپس وطن پہنچے تو انہوں نے حارثہ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے متعلق اطلاع دی۔ حارثہ اپنے بیٹے کے متعلق سن کر نہایت خوش ہوئے اور انہیں ایسا محسوس ہوا کہ جدائی کی گھڑیاں اب ختم ہونے والی ہیں مگر پھر اس خیال سے کہ زائرین بنی کلب نے کہیں پہچاننے میں غلطی نہ کی ہو کہنے لگے، "ربّ کعبہ کی قسم کیا (واقعی وہ) میرا ہی نور نظر تھا"۔ ان لوگوں نے جب تفصیل کے ساتھ حلیہ جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کیئے تو حارثہ کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل پڑے یہاں پہنچ کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بصد منت وسماجت عرض کی:۔

والد کی بارگاہ نبوی ﷺ میں درخواست:

"اے ابن عبداللہ، اے ابن عبدالمطلب، اے اپنی قوم کے معزز ومکرم، تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدوں کی دستگیری کرتے ہو اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہو، ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہمیں رہین منت بناؤ، زرفدیہ جس قدر چاہو لو ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں"۔

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "وہ کون ہے"؟ حارثہ نے عرض کیا "زید بن حارثہ" حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام سنا تو قدرے توقف کے بعد فرمایا کیا اس کے سوا تمہاری کوئی حاجت نہیں" عرض کیا "نہیں"۔ ارشاد ہوا:۔ "بہتر زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو وہ تمہارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے کسی کو ترجیح دوں"۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اختیار:

حارثہ اور کعب اس شرط پر نہایت شکر گزاری کے ساتھ راضی ہو گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا "تم ان دونوں کو پہچانتے ہو" انہوں نے عرض کیا "ہاں یہ میرے والد اور چچا ہیں" حضور ﷺ نے قرعہ انتخاب حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا:۔

"میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہم نشینی کا حال بھی معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے خواہ مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو"۔

غلامی رسول ﷺ پر ہزاروں آزادیاں نثار:

حضرت زید کو شہنشاہ سرورِ کونین ﷺ کی غلامی میں جو زندگی کا لطف آیا تھا اس پر ہزاروں آزادیاں نثار تھیں، عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا نہیں ہوں جو آپ ﷺ پر کسی کو ترجیح دوں، آپ ہی میرے باپ ماں ہیں"۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر حارثہ اور کلب حیران رہ گئے بولے زید! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو"۔ انہوں نے کہا "ہاں مجھے اس ذات پاک میں ایسے ہی محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا"۔

یہ میرا بیٹا ہے فرمان رسول اللہ ﷺ:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس غیر متزلزل وفا شعاری نے آقائے شفیق کے قلب رؤف و رحیم میں دبی ہوئی محبت کی چنگاری کو مشتعل کر دیا محسن انسانیت انہیں حجر اسود کے پاس لے گئے اور فرمایا:۔

"اے حاضرین گواہ رہو کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ میرا بیٹا ہے، میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہے"۔

اس اعلان سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا کے افسردہ دل گل شگفتہ کی طرح کھل اٹھے اور اپنے لخت جگر کو اپنے سے ہزاروں درجہ زیادہ شفیق و معزز باپ کی آغوش عاطف میں دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور نہایت خوشی و مسرت کے ساتھ وطن لوٹ گئے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے اس اعلان کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ، زید بن محمد کے نام سے زبان زد خاص و عام ہوئے یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن حکیم نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ اپنے باپ حارثہ کی نسبت سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مشہور ہوئے۔

قبولِ اسلام:

اللہ تعالیٰ نے جب حضور نبی کریم ﷺ کو خلعت نبوت و رسالت سے نوازا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ابتداہی میں شرف بیعت حاصل کیا۔ مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ غلاموں میں سب سے پہلے مسلمان نبوت کے دوسرے سال میں جب حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو سرور کائنات ﷺ نے ان سے بھائی چارہ کروا دیا۔ ان دونوں حضرات میں اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب غزوات پر تشریف لے جاتے تھے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔

شادی:

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو حضور نبی کریم ﷺ کی دائی کھلائی تھیں۔

حضور ﷺ ان کو نہایت محبوب رکھتے اور اماں کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اسے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہیے۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اس وقت اگرچہ عمر میں حضرت زید رضی اللہ عنہ سے دو چند سال بڑی، بیوہ اور حبشی الاصل تھیں تا ہم حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خوشنودی کی خاطر ان سے نکاح کر لیا چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، جو اپنے والد کے بعد محبوب رسول اللہ ﷺ کے لقب سے مشہور ہوئے انہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے۔

ہجرت مدینہ:

جب ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور حضور نبی کریم ﷺ کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے۔ مواخات میں حضور نبی کریم ﷺ نے قبیلہ عبدالاشہل کے معزز و رئیس حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرما دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اب تک خاندان نبوت ﷺ کے ایک فرد کی طرح پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ مگر یہاں پہنچ کر حضور ﷺ نے ان کی رہائش کے لیے علیحدہ مکان مخصوص فرما دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا۔

بیوی کو طلاق:

اس طرح درحقیقت یہ دوسرا افتخار تھا جو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دستار فضیلت پر نصب ہوا لیکن یہ رشتہ ازدواج دیر پا ثابت نہ ہوا، خاندانی اور نسبی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ

نے دربار رسالت میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے روّیے کی شکایت کی حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں "وامسك عليك زوجك" کی نصیحت فرمائی۔ اور "واتق الله" کہہ کر انہیں زیادہ برداشت کے لیے آمادہ کیا۔ لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ روزمرہ کی بڑھتی ہوئی ناگواریوں کے پیش نظر بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضائے عدت کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کے لیے خود نکاح کرنا چاہا مگر چونکہ زمانہ جاہلیت کی رسومات کا اثر باقی تھا جن کے ماتحت متبنّی بیٹے کو درجہ حاصل تھا اس لیے منافقین کے اعتراض کا خیال وجہ مائل ہوا، قرآن حکیم میں بہت پہلے یہ ارشاد ہو چکا تھا:۔

ما كان محمد ابآ احد من رجالكم (سورۃ الاحزاب)

ترجمہ: محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔

اور مسلمانوں کو حکم ہوا:۔

ادعوهم لا بآئهم هوا اقسط عند الله (سورۃ الاحزاب)

ترجمہ: مومنو لے پالکوں کو ان کے (اصل) باپوں کے نام سے پکارا کرو خدا کے نزدیک یہی بات درست ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب حضور نبی کریم ﷺ کے دل سے یہ خطرہ نکال دیا تو آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی معرفت نکاح کا پیغام بھیجا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پیغام سن کر کہا "جب تک خدا کا حکم نہ ہو میں کچھ نہیں کہہ سکتی" یہ کہہ کر آپ مسجد میں تشریف لے گئیں اس کے بعد ہی اس آیت نے آپ کو امہات المومنین میں داخل کر دیا:۔

فلماقضى زيد منها وطرًا ازوجنكها (سورۃ الاحزاب)

ترجمہ: پھر جب زید اس (عورت) سے بے تعلقی کر چکا، (یعنی طلاق دیدی اور عدت بھی پوری ہو گئی) تو ہم نے تمہارے ساتھ اس (عورت) کا نکاح کر دیا۔

اس نزول کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ مشہور ہوئے۔

غزوات میں شرکت:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تیر اندازی میں حد درجہ کمال حاصل تھا۔ آپؓ کا شمار ان مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہ میں تھا جو اس فن میں یکتائے روزگار تھے۔ غزوہ بدر سے سریہ موتہ تک جس قدر اہم ترین معرکے پیش آئے سب میں حضرت زید رضی اللہ عنہ نہایت بہادری و شجاعت سے شریک کارزار ہوئے۔ اس عرصہ میں آپ صرف غزوہ مریسیع شامل نہ تھے کیونکہ اس دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا تھا۔

مختلف مہمات میں جرأت و بہادری:

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مشہور معرکوں میں شمولیت کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہموں میں سپہ سالاری کے فرائض انجام بھی دیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں حضرت زید رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تھے اس میں امارات کا منصب ان ہی کو عطا ہوتا تھا۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ متعدد بار سپہ سالار بنائے گئے ان مہمات میں پہلی مہم سریہ قردہ تھی جمادی الاخر ۳ھ میں آپ سو ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش کے ایک قافلہ تجارت پر حملہ کرنے کے لیے قردہ روانہ کیے گئے اس مہم میں آپ نے دشمن کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست

دی اور بیش قیمت مال تجارت پر قبضہ کرنے کے ساتھ قافلہ کے رہنما فرات بن حیان عجلی کو بھی گرفتار کر لائے۔

بنی سلیم کی سرکوبی:

حضور نبی کریم ﷺ نے ماہ ربیع الآخر ۶ھ کو بنی سلیم کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا بنی سلیم مدینہ سے چار کوس کے فاصلے پر بطن نخلہ کے پاس مقام جموم میں مقیم تھے۔ اس مہم میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور آپ مال غنیمت کے طور پر بہت سے اونٹ بکریاں اور قیدی پکڑ لائے۔

مشرکین کاروان تجارت پر حملہ:

اسی سال جمادی الاوّل کے مہینہ میں آپ کو قریش کے ایک کاروان تجارت کو جو شام سے واپس آ رہا تھا روکنے کا حکم ہوا۔ آپ نے ستر سواروں کے ساتھ مقام عیص میں اس قافلہ پر کامیاب چھاپہ مارا اور تمام اہل قافلہ کہ معہ سامان کے گرفتار کر لیا۔ مال غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ آپ کے ہاتھ لگا جو صفوان بن اُمیہ کے لیے شام سے آ رہا تھا۔ قیدیوں میں حضور نبی کریم ﷺ کے داماد ابو العاص بھی تھے جنہوں نے اپنی اہلیہ یعنی حضور نبی کریم ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ حاصل کر کے قید سے رہائی حاصل کی۔

بنی ثعلبہ کی سرکوبی:

اسی سال جمادی الآخر میں آپ پندرہ مجاہدین کے ساتھ بنی ثعلبہ کی سرکوبی کے لیے مقام طرف کی جانب روانہ ہو گئے غنیم آپ کی خبر ملتے ہی بھاگ گیا، چنانچہ آپ مال غنیمت میں کچھ اونٹ اور بکریاں لیکر مدینہ

واپس آئے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو ماہ رجب ۲ھ میں بارہ مجاہدین کا قائد بنا کر بنی فزارہ کی سرکوبی کے لیے وادی القریٰ کی جانب روانہ فرمایا، کفار نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے نو کو شہید اور ایک زخمی کر دیا تاہم آپ بسلامت مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

قبیلہ فزادہ کے رہزنوں کی سرکوبی:

ماہ رمضان المبارک ۶ھ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک اسلامی کاروان تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ سامان تجارت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہت سا مال بھی آپ کے ساتھ تھا لوٹتے وقت وادی القریٰ میں قبیلہ فزادہ کی رہزن و غارت پیشہ جماعت بنی بدر نے تمام قافلہ لوٹ لیا اور مسلمانوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں حضرت زید رضی اللہ عنہ بمشکل اپنی جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربار نبوت ﷺ میں اس واقعہ کی اطلاع دی۔ چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آ چکے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہی کو ایک جمعیت کے ساتھ قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بڑی احتیاط سے دن کو چھپتے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے اچانک ان رہزنوں پر جا ٹوٹے اور انہیں قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے، آپ نے آستانۂ نبوت ﷺ پر پہنچ کر دستک دی تو حضور نبی کریم ﷺ جس حالت میں تھے اسی حالت میں باہر تشریف لائے اور آپ کی کامیابی کا سن کر نہایت خوش ہوئے اور جوش مسرت سے گلے لگا کر آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو ماہ جمادی الآخر ۷ھ کو پانچ سو مجاہدین

کے ساتھ مقام حِسمی کی طرف روانہ فرمایا۔ اسی فوج کشی کی وجہ یہ تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ کے قاصد حضرت دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ جب قسطنطنیہ کی کے سفارت سے واپس آ رہے تھے تو حِسمی کی کے مقام پر نہید بن عارض اور اس کے ساتھیوں نے راستہ روک کر انہیں لوٹ لیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس زیادتی کا انتقام لینے پر مامور فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نہایت خاموشی کے ساتھ دن کو پہاڑوں میں چھپتے اور رات کو قطع منازل کرتے ہوئے اچانک غنیم پر جا پہنچے اور نہید کو معہ اس کے بیٹوں اور گروہ کے اکثر افراد کو تہ وتیغ کر دیا مال غنیمت میں ایک ہزار اونٹ پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے مدینہ لائے۔

سریہ موتہ اور شہادت:

موتہ شام کے علاقہ میں ارض بلقاء کی ابتدا میں واقع ہے اس جنگ کی وجہ یہ ہوئی کہ حضور نبی کریم ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو جو شاہ بصریٰ کے دربار سے سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے اسی مقام پر شرجیل بن عمرو الغسانی نے شہید کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے نزدیک چونکہ قاصد کا قتل ایک نا قابل معافی جرم تھا اس لیے شرجیل کی یہ قبیح حرکت حضور ﷺ کو بہت شاق گذری، یہ مقام اگرچہ مدینہ سے کافی دور تھا اور فوج کشی آسان نہ تھی تاہم حضور ﷺ نے اس کے انتقام کے لیے تین ہزار کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو علم قیادت عطا کیا اور فرمایا ''اگر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی جام شہادت نوش کریں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ

رضی اللہ عنہ فوج کی قیادت کریں گے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر سمجھتے تھے کہ قیادت کا شرف انہی کو حاصل ہو گا اس لیے انہوں نے کھڑے ہو کر یہ عرض کی "یارسول اللہ ﷺ" میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مجھ پر میرا بنائیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، "اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتر کیا ہے"!

جمادی الاوّل ۸ھ میں یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ دشمن کو اس لشکر کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی، اس لیے ایک لاکھ کا ٹڈی دَل امڈ آیا تھا۔ جب مسلمان مقام معان میں پہنچے تو انہیں اس لشکر جرار کا علم ہوا لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کثرت قطعی کوئی پروانہ کی اور پیادہ پا دشمن پر بجلی بن کر گرے' دوسرے فوجی سرداروں نے بھی آپ کی تقلید کی اور دیر تک گھمسان کی جنگ رہی، حضرت زید رضی اللہ عنہ جوش جہاد اور شوق شہادت میں لڑتے لڑتے اتنے آگے نکل گئے کہ دشمنان اسلام کے نرغے میں پھنس گئے اسی حالت میں نیزے کے ایک وار نے سرور دو عالم ﷺ کے وفا شعار غلام کی تمنا شہادت پوری کر دی۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور شدید کشت وخون کے بعد واصل بحق ہوئے ان تینوں صحابہ کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قیادت سنبھالی اور غازیانِ دین کو جمع کر کے ایک ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

شہادت پر رسول اللہ ﷺ کا رونا:

حضور نبی کریم ﷺ نے میدان جنگ سے کسی قاصد کے پہنچنے سے پہلے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کو امرائے لشکر کی خبر شہادت سنا دی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خبر

شہادت سنانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم لیا اور شہید ہوئے۔'' پھر فرمایا'' ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم لیا اور شہید ہوئے'' یہ فرماتے وقت حضور ﷺ فورِ غم سے آبدیدہ ہو گئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی نے جب باپ کی شہادت کے متعلق سنا تو زار و قطار رونے لگیں، اس کی آہ و زاری سن کر حضور ﷺ ضبط نہ فرما سکے اور اس قدر روئے کہ گلوگرفتہ ہو گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے''؟ فرمایا جذبہ محبت ہے''۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی:

حضور نبی کریم ﷺ کو اپنے محبوب غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے تقریباً دو ماہ بعد اس کا انتقام لینے کے لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ وہ چونکہ ابھی نہایت کم سن تھے اس لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ان کی سیادت پر منافقین کو شرارت کا موقعہ ملا، انہوں نے مسلمانوں میں یہ بات پھیلانی شروع کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کی یہ منصب کیوں عطا ہوا؟ حضور نبی کریم ﷺ ان دنوں صاحب فراش تھے تاہم آپ ﷺ کو جب لوگوں کے اس اعتراض کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حیات اقدس کے آخری خطبہ میں جو آپ ﷺ نے رحلت سے ایک دو دن قبل نماز ظہر کے بعد ارشاد فرمایا تھا، اس مسئلہ کی نسبت فرمایا:۔

''اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ (حضرت زید رضی اللہ عنہ) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے، خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا

اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے“۔

اور جب اس ارشاد کے ایک دو دن بعد جبکہ یہ مہم ابھی روانہ نہیں ہوئی تھی آفتاب رسالت و نبوت غروب ہو گیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت اور ہجوم مصائب کے باوجود حضور نبی کریم ﷺ کی آخری فرستادہ فوج کو کوچ کا حکم دیا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے شفیق باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے بعد غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔

اخلاق و عادات:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق میں وفا شعاری کا باب سب سے نمایاں ہے آپ کی زندگی کا مقصد آقا نامدار ﷺ کی رضا مندی و خوشنودی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ آپ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جیسی معمر اور بیوہ عورت سے محض اس لیے نکاح کیا کہ انہیں حضور نبی کریم ﷺ بہت محبوب رکھتے تھے۔

اگرچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اخلاقی کارناموں کی تفصیل نہیں ملتی تاہم ان کے اوصاف حسنہ اور محاسن جمیلہ کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ خود حضور نبی کریم ﷺ ان کو اور ان کی اولاد کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو حضور ﷺ ان کو اپنا جانشین بناتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پوتے

حضرت محمد بن اسامہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی مسجد میں دیکھا تو یہاں تک تعظیم سے گردن جھکا لی اور فرمایا:۔

''اگر رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے''۔

اسلام سے محبت:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اسلام سے اس قدر محبت تھی کہ عین اس وقت جبکہ آپ یقینی موت کے منہ میں تھے آپ نے ارکان دین کی ادائیگی کے لیے بے انتہا خواہش کا اظہار فرمایا جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ظالم کے پنجے سے چھٹکارا دلایا۔

الاستیعاب کے بیان کے مطابق ایک دفعہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مکہ سے طائف تک کے لیے خچر کرایہ پر لیا، خچر والا ڈکیتی پیشہ سے وابستہ تھا، وہ آپ کو ایک سنسان جنگل میں لے گیا جہاں لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں، وہ جب آپ کو قتل کرنے لگا تو آپ نے اس سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی، اس نے اجازت دی دے، مگر ساتھ ہی کہا کہ جن لاشوں کو تو دیکھ رہا ہے یہ بھی نمازیں پڑھنے والے تھے لیکن میرے ہاتھ سے تو کوئی بھی نہ بچا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور تین بار یا ارحم الراحمین کہا حضرت جرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے ڈاکو کو قتل کر دیا۔ (الاستیعاب)

حلیہ اور عمر:

آپ کا قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی تھا۔ آپ نے پچپن برس کی عمر میں سریہ موتہ میں جام شہادت نوش کیا۔

اَزواج واولاد:

آپ نے متعدد شادیاں کیں جن سے دولڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی ان سے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کی وفات کے وقت موجود تھے باقی دوکم سنی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔

حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ آپ اس وقت اسلام لائے جس وقت حضور نبی کریم ﷺ بھی دارارقم میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی دُعا:

رسول اللہ ﷺ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی رحلت کے وقت ان کے پاس موجود تھے آپ ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر فرمایا:۔

"اے اللہ، قبر، ان کے لیے کشادہ کر دے، اس میں ان کے لئے روشنی کر دے، ان کے نور کو بڑھا دے، اور ان کے گناہ معاف کر دے، اے اللہ" ان کا درجہ ہدایت یافتہ لوگوں میں بلند کر، ان کے پسماندہ لوگوں میں تو ان کے قائم مقام ہو جا، اور ان یارب العالمین ان کی مغفرت فرما"۔

(طبقات ابن سعد ج ۳)

نام ونسب:

آپ کا نام عبداللہ اور کنیت ابو سلمہ تھی ، والد کا نام عبدلاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے ۔ عبداللہ بن عبدلاسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومی آپ کی والدہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی

تھیں اس لحاظ سے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

قبول اسلام:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے جس وقت رسول اللہ ﷺ! ابھی دارارقم میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے، آپ کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس سعادت اُخروی میں آپ کا ساتھ دیا، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ، حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی دولت ایمان سے بہرہ یاب ہونے میں آپ کے ساتھ تھے۔

ہجرت حبش:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، آپ کی شریک حیات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کی رفیق سفر تھیں، حبش سے واپس آئے تو مدینہ روانہ ہو گئے اور محرم کی دسویں تاریخ کو وہاں پہنچ کر خاندان عمرو بن عوف کے مہمان بنے جہاں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری تک قیام پذیر رہے۔

مواخات:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرا دیا اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین عنایت فرمایا۔

غزوات سریہ قطن:

غزوہ بدر و احد میں شریک ہوئے آخری معرکہ میں ابواسامہ الجشمی کے تیر سے بازو زخمی ہو گیا جو ایک ماہ کے علاج کے بعد بظاہر مندمل ہو گیا مگر فی الحقیقت اندر

ہی اندر زہر پھیلاتا رہا اسی دوران میں یکم محرم ۴ھ کو ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ کو خبر دی کہ خویلد کے بیٹے طلحہ اور سلمہ اپنی قوم کے علاوہ بنی اسد بن خزیمہ کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کر رہے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ اس اطلاع کے ملتے ہی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو (۱۵۰) مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیادت مرحمت فرما کر اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور فرمایا، لشکر اسلام کی روانگی کے وقت حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو علم دیا اور فرمایا "روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ بنو اسد کی سرزمین میں پہنچ کر ان کی جمعیت کے فراہم ہونے سے پہلے ان کا شیرازہ منتشر کر دو" حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ غیر معروف راستے سے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے اچانک بنو اسد کے قریب جا پہنچے اور اس ناگہانی حملہ سے اس قدر بدحواس ہو گئے کہ انہیں مقابلہ کی ہمت ہی نہ رہی اور جدھر راستہ نظر آیا ادھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ امیر عسکر نے لشکر اسلام کو تین حصوں میں تقسیم کر کے انہیں دشمن کے تعاقب پر مامور فرمایا، چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھگا کر بہت سے اونٹ اور بکریاں چھین لائے، جنہیں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچ کر مال غنیمت کے طور پر دربار نبوت ﷺ میں پیش کیا۔

وفات:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سریہ قطن سے واپس آئے تو زخم پھر تازہ ہو گیا اور آخر جان لے کر ہی رہا جس روز آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اس روز اتفاق سے عین نزاع کے وقت رسول اللہ ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے تھے، ادھر عاشق رسول ﷺ نے جمال مصطفیٰ ﷺ سے آنکھوں کی تشنگی بجھائی اور ادھر

روح پرواز کر گئی اور حضور نبی کریم ﷺ نے ان کی آنکھیں بند کر کے فرمایا ''انسان کی روح جس وقت رحلت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس کو دیکھنے کیلئے کھلی رہ جاتی ہیں''۔

گھر کے اندر ایک طرف پردہ کے پیچھے عورتیں بیٹھی تھیں انہوں نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی رحلت کے متعلق سنا تو رونے لگیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں رونے سے روک دیا کہ یہ دُعائے خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکہ جو میّت کے پاس موجود ہوتے ہیں وہ دُعا کرنے والوں کی دُعا پر آمین کہتے ہیں، لہٰذا اپنے لیے سوائے خیر کے اور کوئی دُعا نہ کرو، پھر دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر فرمایا'' اے اللہ، قبر، ان کے لے کشادہ کر کے اس میں ان کے لیے روشنی کر دے، ان کے نور کو بڑھا دے اور ان کے گناہ معاف کر دے، اے اللہ ان کا درجہ ہدایت یافتہ لوگوں میں بلند کر، ان کے پسماندہ لوگوں میں تو ان کا قائم مقام ہو جا اور یا ربّ العٰلمین ان کی مغفرت کر فرما''۔ (طبقات ابن سعد ج ۳)

تجہیز و تکفین:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ قباء سے منتقل ہو کر مدینہ کے قریب مقام عالیہ میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ آپ کا انتقال ۳ جمادی الآخر ۴ھ کو اسی مقام پر ہوا۔ آپ کو الیسیر ہ کے پانی سے غسل دیا گیا جو عالیہ کے مقام پر بنی امیہ بن زید کا کنواں تھا، میت اٹھا کر مدینہ لائی گئی اور اسی کی خاک پاک کے سپرد کر دی گئی۔

فضائل و محاسن:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی پایہ فضل و کمال کی بلندی اسی سے ظاہر ہے کہ وہ بیمار ہوئے تو حضور نبی کریم ﷺ اکثر عیادت کے لیے تشریف لایا کرتے

تھے۔ان کی نماز جنازہ میں حضور ﷺ نے نو تکبیر کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا ''یا رسول اللہ ﷺ، آپ کو سہو تو نہیں ہوا'' آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے''۔

اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ دربار نبوت ﷺ سے گھر واپس آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہے، وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے اور اس کے بعد یہ دُعا مانگے:۔

''اے اللہ، میں تجھ سے اپنی مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں، اے اللہ، تو مجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرما''۔تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔آپ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد مجھے یہ حدیث یاد آئی مگر جب دعا پڑھنے کا ارادہ کیا تو خیال آیا کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر مجھے کون ملے گا؟ تاہم یہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد تھا اس لیے پڑھ لیا چنانچہ اس کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ عدت گزرنے کے بعد خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیغام دیا جن سے دنیا میں کوئی بہتر نہیں۔

اولاد:

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے دو لڑکے اور دو لڑکیاں یادگار چھوڑیں ان کی تمام اولاد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھی جو ان کے انتقال کے بعد امہات المومنین میں داخل کی گئیں، لڑکوں کے نام سلمہ اور عمر تھا اور لڑکیوں کے نام زینب اور دُرّہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ عقبہ ثانیہ سے پہلے اسلام لائے۔
کسی تذکرہ میں آپ کی پیدائش یا وفات سے متعلق کوئی حتمی سنہ مذکور نہیں بعض کے نزدیک آپ کی وفات ۵۴ھ میں ہوئی اور بعض نے ۸۰ھ کو سال وفات قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

عصا نبوی ﷺ انعام میں:

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ جب سفیان بن خالد ہذلی (اور بعض تذکروں میں اس مشرک کا نام خالد بن سفیان بھی آیا ہے) کا سر کاٹ کر مدینہ پہنچے اور اسے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ڈال دیا تو حضور ﷺ بہت مسرور ہوئے اور ایک عصا انعام میں دے کر فرمایا: ''اس عصا کو پکڑ کر جنت میں چلنا، جنت میں عصا لے کر چلنے والا کوئی شاذ و نادر ہی ہوگا''۔ اور فرمایا: ''قیامت کے دن یہ میرے اور تیرے درمیان نشانی ہے''۔

نام ونسب:

نام عبداللہ اور کنیت ابو یحییٰ تھی۔ آپ کا تعلق قبیلہ قضاعہ سے تھا لیکن چونکہ آپ کے جد امجد برک بن دبرہ کی اولاد قبیلہ جہینہ میں مل گئی تھی اس لیے جہنی کے

نام سے مشہور ہیں سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن انیس بن اسعد بن حرام بن خبیب بن مالک بن غنم بن کعب بن تیم بن نفاشہ بن ایاس بن یربوع بن برک بن دبرہ۔

قبول اسلام اور ہجرت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ عقبہ ثانیہ سے قبل اسلام لائے، پھر مکہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور وہیں مقیم ہو گئے۔ ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو مہاجرین کے ساتھ مدینہ آئے جس کی وجہ سے آپ مہاجر اور انصاری کہلاتے ہیں، جوش ایمانی ابتدا ہی سے تھا، مدینہ میں بنوسلمہ کے بت توڑنے میں آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے حضور ﷺ کے ساتھ بیت المقدس اور پھر خانہ کعبہ کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھی۔

غزوات میں شرکت:

غزوہ بدر و احد میں حاضر تھے، محرم ۴ھ میں حضور نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنولحیان کا مفسد اور شرانگیز رئیس سفیان بن خالد الہذلی، جو کہ مکہ کے قریب عُرنہ میں رہتا ہے اور قریش کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھتا ہے، مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس فتنہ کو کسی نہ کسی طرح ختم کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ۵ محرم ۴ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور بطن عرنہ میں پہنچ کر سفیان بن خالد سے ملے، اس نے آنے کا سبب پوچھا تو

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں قبیلہ خزاعہ سے ہوں اور سنا ہے کہ تم محمد (ﷺ) کے خلاف لشکر جمع کر رہے ہو، چنانچہ سوچا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہو جاؤں، اس پر سفیان نے اپنے ناپاک منصوبے کی تفصیلات حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بتائیں، جب انہیں یقین ہو گیا تو موقعہ تلاش میں اس کے ساتھ ادھر اُدھر پھرتے پھراتے اس کے خیمہ تک آ گئے، پھر جونہی موقعہ ملا اسے قتل کیا اور سر لے کر ایک غار میں جا چھپے، بعد ازاں اس غار سے نکلے، رات کو چلتے ہوئے اور دن کو چھپ جاتے، یہاں تک کہ ۲۳ محرم کو مدینہ پہنچے اور مشرک کا سر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔

عصا میرے کفن میں رکھ دینا:

حضور نبی کریم ﷺ بہت مسرور ہوئے اور ایک عصا انعام دے کر ارشاد فرمایا:

''اس عصا کو پکڑ کر جنت میں چلنا جنت میں عصا لے کر چلنے والا کوئی شاذ و نادر ہی ہو گا''۔ اور فرمایا۔ قیامت کے دن یہ میرے اور تیرے درمیان ایک نشانی ہے''۔ یہ عصا حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور ساری عمر اس کی حفاظت فرماتے رہے، مرتے وقت یہ وصیت کی کہ عصا کفن میں رکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ جلد دوم)

حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اس واقعہ سے پیشتر اور بعد کے تمام غزوات میں حضور نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب رہے سرور کونین ﷺ کے بعد شام کے ایک ساحلی شہر غزہ میں سکونت اختیار کی اور مرتے دم تک اسی شہر میں مقیم رہے۔

وفات:

سن وفات میں اختلاف ہے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے ۵۴ھ میں بعد خلافتِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتقال فرمایا اور بعض کے نزدیک آپ نے ۸۰ھ میں رحلت فرمائی۔ (واللہ اعلم)

اولاد:

آپ نے حسب ذیل اولاد یادگار چھوڑی:۔ عطیہ، عمرو، حمزہ، عبداللہ اور خلدۃ۔

فضل وکمال:

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے، آپ نے اگرچہ صرف چوبیس حدیثیں روایت کی ہیں تاہم اس سے آپ کے دامنِ فضل پر کوئی حرف نہیں آتا، اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہوسکتا ہے کہ خود حاشیہ نشینانِ نبوت ﷺ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی صرف ایک حدیث کے لیے ایک ماہ کا سفر طے کرکے آپ کے پاس پہنچے تھے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے، آپ کے راویوں میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعین شامل ہیں۔

اخلاق وعادات:

آپ نہایت عبادت گزار تھے، مکان مسجد نبوی ﷺ سے دُور ہونے کے باعث روزانہ آنے سے معذور تھے، ایک مرتبہ لیلۃ القدر میں جاگنا چاہتے تھے لیکن اس کے لئے چونکہ کوئی تاریخ مقرر نہیں تھی اس لئے حضور نبی کریم ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک تاریخ متعین فرما دیجئے کہ اس روز مسجد نبوی ﷺ میں، میں شب بیداری کر سکوں حضور ﷺ نے تیئیسویں شب مقرر فرما دی، چونکہ اس شب کا تعین حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ہوا تھا اس لئے اہل مدینہ نے ان کی نسبت سے اس کا نام لیلۃ الجہنی رکھ دیا تھا۔

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ

پیدائش:

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بعثت نبوی ﷺ سے تقریباً بیس سال قبل اندازاً ۵۹۰ء میں پیدا ہوئے۔

قبول اسلام:

مکہ میں ہجرت سے قبل حلقہ بگوش اسلام لائے۔

شہادت:

۱۲ھ میں کاذب مدعی نبوت طلیحہ پر لشکر کشی کے دوران بعمر تقریباً پینتالیس سال شہید ہوئے۔

لکڑی تلوار بن گئی:

غزوہ بدر میں لڑتے لڑتے جب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تیغ دودم ریزے ریزے ہو کر اڑ گئی تو حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی جس نے خنجر خار اشگاف بن کر دشمن کا صفایا کر دیا، آپ آخر دم تک لڑتے رہے، یہاں تک کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا۔

نام ونسب:

نام عکاشہ اور کنیت ابو محصن تھی، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم، آپ کا قبیلہ اسد ایام جاہلیت میں بنی عبدالشمس کا حلیف تھا۔

قبول اسلام اور ہجرت:

مکہ میں ہجرت مدینہ سے قبل حلقہ بگوش اسلام ہوئے، حضور نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ کا رُخ کیا تو آپ بھی دیگر بادۂ توحید کے متوالوں کے ساتھ مدینہ پہنچے۔

غزوات میں شرکت:

غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور اس قدر جانبازی اور شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار ہوئے کہ تلوار ریزے ریزے ہو کر اڑ گئی، رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی جس سے خنجر خار اشگاف بن کر دشمن کا صفایا کر دیا، آپ آخر دم تک لڑتے رہے یہاں تک کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا۔ (سیر الصحابہ ج ۱)

بن اسد کی سرکوبی:

اس کے علاوہ احد، خندق اور دیگر تمام مشہور معرکوں میں نہایت جوش و خروش اور بہادری سے حصہ لیا، ربیع الاوّل ۲ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو چالیس آدمیوں کے ہمراہ بنی اسد کو سرکوبی کے لیے غمر کی جانب روانہ فرمایا غمر مکہ کے راستے میں فید نامی قلعہ سے دو دن کے

فاصلہ پر واقع بنی اسد کا کنواں تھا، اس مہم میں حضرت ثابت بن اقرم اور حضرت سباع بن وہب رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہمراہ تھے، جب مسلمان غمر کے قریب پہنچے تو بنی اسد مکانوں کو خالی چھوڑ کر پہاڑوں میں چھپ گئے، جب کوئی آدمی نہ ملا تو امیر العسکر ان لوگوں کی تلاش میں روانہ ہوئے بالآخر ایک شخص ہاتھ لگا جس نے امان کے بدلے میں اپنے قبیلہ کے اونٹوں کا پتہ دیا وہاں پہنچ کر مسلمانوں نے چھاپہ مارا، دوسو اونٹ مال غنیمت میں ملے جنہیں ہانک کر مدینہ لے آئے۔

شہادت:

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ ۱۲ھ میں کاذب مدعی نبوت طلیحہ کی بیخ کنی کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا، حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے رازم اور حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے المجر پر سوار ہو کر اسلامی لشکر سے آگے آگے طلایہ کی خدمت انجام دے رہے تھے کہ اتفاقاً طلیحہ اور اس کے بھائی سلمہ سے آمنا سامنا ہوا، طلیحہ نے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اور سلمہ بن خویلد نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن اقرم رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا، حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے مگر طلیحہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ پر غالب نہ آسکا چنانچہ اس نے اپنے بھائی سلمہ کو مدد کے لیے پکارا کہ یہ شخص مجھے قتل کیے ڈالتا ہے، سلمہ چونکہ فارغ ہو چکا تھا اس لیے یکدم حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑا اور دونوں نے ان کو نرغہ میں لے کر شہید کر دیا۔

تجہیز و تکفین:

اسلامی لشکر جب ان دونوں شہیدان ملت کے قریب پہنچا تو سب کو ایسے جانبازوں کے حسرتناک انجام کا سخت افسوس ہوا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر

نہایت خطرناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا، امیر العسکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لاشوں کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو روک کر دونوں شہیدوں کو انہی خون آلود کپڑوں کے ساتھ زیر زمین دفن کر دیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

بغیر حساب وکتاب کے بخشش:

فضائل کے لحاظ سے آپ کا شمار اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”ستر ہزار آدمی بغیر حساب وکتاب کے بخش دیے جائیں گے“ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی معصومانہ سادگی سے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! ”میں“ ارشاد ہوا ”تم بھی ان میں سے ہو“ اس پر ایک اور شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عکاشہ رضی اللہ عنہ تم پر سبقت لے گیا، اس واقعہ کے بعد یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے ”فلاں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی طرح سبقت لے گیا۔“

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

پیدائش:

حضرت ابو عبیدہ بن حراح رضی اللہ عنہ بعثت نبوی ﷺ سے تقریباً ستائیس سال قبل اندازاً ۵۸۳ء میں پیدا ہوئے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے دار ارقم میں پناہ گزین ہونے سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

وفات:

۱۸ھ کی طاعون عمواس میں بعمر اٹھاون سال انتقال فرمایا۔

فرمان رسول اللہ ﷺ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''کہ جب اہل یمن رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کے ہمراہ کسی کو بھیجیں جو سنت اور اسلام کی تعلیم دے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ''یہ اس اُمت کے امین ہیں ان کہ تمہارے ساتھ کرتا ہوں''۔ (طبقات ابن سعد ج ۳)

نام ونسب:

نام عامر کنیت ابوعبیدہ اور لقب امین الامت تھا، والد کا نام عبداللہ تھا مگر آپ دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں فہر پر رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ امیمہ بنت غنم بن جابر بھی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحاب سیر کے مطابق مسلمان ہوئیں پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر القرشی الفہری۔

قبول اسلام:

جب آفتاب رسالت ﷺ طلوع ہوا اس وقت آپ تقریباً ستائیس سال کے تھے۔ ابن سعد کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پیشتر آپ کو معہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام فرمایا، آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد)

ہجرت:

قبول اسلام کے بعد قریش مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے آخری دفعہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت فرما ہوئے اور حضرت کلثومؓ بن الہدم کے پاس اترے، مواخات میں حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرا دیا۔

غزوات میں شرکت:

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مشرکین قریش نے مسلمانوں کو سکون سے بیٹھنے نہ دیا اور چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رکھا، جس کا نتیجہ نکلا کہ رمضان المبارک ۲ھ میں مسلمان مجبور ہو کر بدر میں کفار کے مقابل صف آرا ہوئے ، یہ حق باطل کا اولین عظیم الشان معرکہ تھا جس میں تین سو تیرہ مسلمانوں نے حصہ لیا۔

غزوہ بدر میں شرک والا کو قتل کر دیا:

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اس معرکہ میں نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔ آپ کے والد عبداللہ جو کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے قبول اسلام کی وجہ سے آپ کے سخت دشمن بن گئے تھے انہوں نے آپ کو تاک کر نشانہ بنایا مگر آپ نے ہر بار ان سے درگذر فرمایا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آ رہے تو بالآخر اسلامی غیرت نسبی تعلق پر غالب آئی اور ایک ہی وار سے ان کا کام تمام کر دیا، حقیقت میں یہ اسلامی جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں باپ بہن بھائی غرض تمام رشتہ دار ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں قرآن نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا آبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ. (سورۃ المجادلہ)

غزوہ اُحد میں خدمت رسول ﷺ:

غزوہ اُحد میں جب مشرکین قریش کے اچانک حملے سے مسلمان افرا تفری کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگے تو آپ حضور نبی کریم ﷺ کا چہرہ اقدس زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں جس سے حضور ﷺ کو سخت تکلیف تھی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کڑیوں کو دانتوں سے پکڑ کر کھینچا جس سے ان کے اپنے دو دانت شہید ہو گئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزاری میں دو دانت کیا اگر جان بھی قربان ہو جاتی تو پروانہ تھی۔

بنو ثعلبہ کی سرکوبی:

غزوہ خندق اور بنو قریظہ میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ پھر ربیع الاوّل ۲ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بنو ثعلبہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا آپ چالیس آدمیوں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے رات کے اندھیرے میں بنو ثعلبہ کے مرکزی مقام ذی القصہ پہنچے اور صبح کے وقت ان پر چھاپہ مارا وہ لوگ حملہ کی تاب نہ لا کر پہاڑوں میں چھپ گئے صرف ایک آدمی ملا جس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مال غنیمت میں بنو ثعلبہ کے مویشی ہانک مدینہ لے آئے۔

بیعت رضوان میں بطور گواہ:

اسی سال ماہ ذیقعدہ میں بیعت رضوان میں شریک ہوئے اور جو معاہدہ مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان طے پایا تھا اس پر بطور گواہ دستخط کیے پھر ۷ھ میں خیبر کی فوج کشی میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب ہوئے اور اس کی فتح

میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا۔

غزوہ ذات السلاسل:

جمادی الآخر ۸ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تین سو مجاہدین کے ساتھ ذات السلاسل کی جانب روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے تو انہوں نے دربار رسالت مآب ﷺ میں کمک بھیجنے کی درخواست کی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو علیحدہ علم مرحمت فرما کر دو سو مجاہدین کے ساتھ بھیجا اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی فوج سے ملی تو قدرتی طور پر امامت اور سپہ سالاری کی بحث پیدا ہو گئی، ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس شرف گرامی استحقاق نہ تھا تاہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی ضد اور اصرار کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور جس مقصد کے لیے گئے تھے اسے بحسن و خوبی انجام دینے کے بعد مدینہ واپس آئے۔

سیف البحر:

ماہ رجب ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو تین سو مجاہدین کا سردار بنا کر قریشی قافلوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے نیز قبیلہ جہینہ پر حملہ کرنے کے لیے سیف البحر کی طرف روانہ فرمایا اس لشکر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ شامل تھے، چلتے وقت حضور نبی کریم ﷺ نے زادِ راہ کے طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھجوروں کا ایک تھیلہ عطا فرمایا جب یہ کھجوریں ختم ہو

گئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہر روز دو تین اونٹ ذبح کر کے چند روز گزارے لیکن جب امیر العسکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ ذبح کرنے سے منع فرمادیا اور خوراک کے لیے کسی کے پاس بھی کچھ نہ رہا تو مجاہدین نے درختوں کے پتے توڑ کر کھانے شروع کیے اللہ تعالی نے بہت جلد یہ مصیبت دور کر دی اور سمندر سے ایک مچھلی کنارے آ لگی۔ مسلمانوں نے تقریباً اٹھارہ روز تک اسی پر گذر اوقات کی اور کامیابی کے ساتھ مدینہ لوٹے۔

اسی سال رمضان المبارک میں مکہ فتح ہوا پھر حنین اور طائف کے معرکے وقوع میں آئے جن میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نہایت جانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے۔

متفرق خدمات:

جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بعض دوسری اہم خدمات سپرد ہوئیں۔ مثلاً ۹ ھ میں جب اہل نجران کے ساتھ ایک عہد نامہ طے پایا اور وہ اسے لے کر واپس وطن جانے لگے تو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے ہمراہ کسی کو بھیجیں جو قرآن و سنت کی تعلیم دے، حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "یہ اس امت کے امین ہیں ان کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں"۔ (سیر الصحابہ ج ۱)

جزیہ کی رقم لانے پر مامور:

حضور نبی کریم ﷺ نے اہل بحرین سے مصالحت کر کے حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے، جب آپ رقم لے کر واپس مدینہ پہنچے

تو اس روز نماز صبح میں انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا، رسول اللہ ﷺ نے متبسم ہو کر فرمایا ''شاید تم لوگوں کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے'' لوگوں نے عرض کیا ''ہاں یا رسول اللہ ﷺ'' یہ سن کر سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ''بشارت ہو کہ آج تمہیں خوش کر دوں گا، لیکن خدا کی قسم میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا، بلکہ خوف ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمہارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائے گی۔ اور جس طرح ان کو مناقشتِ باہمی اور حسد و طمع نے ہلاک کر دیا ہے تمہیں بھی ہلاک کر دیگی''۔

خلافت کے سلسلہ میں اہم کردار:

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، اس سفر سے واپسی کے تقریباً تین ماہ بعد حضور ﷺ کا وصال ہوا اور سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا لیکن صلحائے امت کی کوششوں سے یہ بہت جلد ختم ہو گیا، اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی کوششیں بھی کسی سے کم نہ تھیں، آپ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

''اے گروہ انصار تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اس لیے تم ہی سب سے پہلے افتراق واختلاف کے بانی نہ ہو جاؤ''۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس مجمع میں موجود تھے، آپ نے خود ان کے نام پیش کر کے فرمایا دیکھو یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے دین کو معزز کیا ہے اور یہ دیکھو، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ موجود ہیں جن کو بارگاہ نبوت

ﷺ سے ''امین الامت'' کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو، لیکن ان دونوں بزرگوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے نہ صرف انکار کیا بلکہ آگے بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کر لی، اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور اس طرح اُفقِ اسلام فتنہ کے تاریک بادلوں سے صاف ہو گیا۔

سپہ سالار اعظم:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد ۱۲ھ میں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے شام پر کئی اطراف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو حمص پر، حضرت یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اردن پر اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین پر مامور فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ان سب کے سپہ سالار اعظم ہوں گے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے تو انہیں قدم قدم پر رومی جتھوں کا سامنا ہوا، ان کی کثرت کا اندازہ کر کے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمام اسلامی فوج کو یکجا کر لیا اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی، اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عراقی مہم چھوڑ کر شام کی طرف جانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ حسب الحکم راستہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شامی چوج سے آ کر مل گئے اور پھر متحد فوج نے بصریٰ فحل اور اجنا دین کو فتح کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا جو کامل تین ماہ تک جاری رہا۔

فتح دمشق:

یہ محاصرہ ابھی جاری تھا کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا اور دمشق کی فتح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں عمل میں آئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ دمشق کے بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہوا تمام اہل شہر نے جشن میں خوب شرابیں نوش کیں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ رہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بیدار مغزی اور ہمت مردانہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتی تھی، چنانچہ آپ کو جب اہل شہر کی غفلت کا علم ہوا تو آپ معہ چند جانبازوں کے فصیل پھاند کر اندر داخل ہو گئے اور شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے مسلمان باہر منتظر تھے وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہو گئے اہل شہر اس ناگہانی مصیبت کو دیکھ کر گھبرا گئے ان کی سمجھ میں اس کے علاوہ کچھ نہ آیا کہ وہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی درخواست کریں، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شہر کی دوسری طرف متعین تھے اور چونکہ انہیں اس صورت حال کا علم نہ تھا اس لیے صلح قبول کر لی اب فتح دمشق کی ایک عجیب صورت پیدا ہو گئی تھی یعنی ایک طرف سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری جانب سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحانہ، مسلمانوں کے دونوں لشکر جب وسط بازار میں ملے تو اصل حقیقت کا انہیں علم ہوا۔ لیکن چونکہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحت کر چکے تھے اس لیے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اور مسلمانوں نے کسی سے کوئی تعرض نہ کیا۔

اردن کی فتح:

دمشق فتح کر کے اسلامی فوجیں آگے بڑھیں اور مقام فحل میں خیمہ افگن ہوئیں رومیوں کو دمشق کے نکل جانے کا بڑا افسوس تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں

کو روکنے کے لیے صوبہ اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں لیکن مسلمانوں کے عزم استقلال کو دیکھ کر پھر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس مصالحت کا پیغام بھیجا اور گفت وشنید کے لیے ایک سفیر بلایا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے سفارت کے فرائض سر انجام دیئے مگر مفاہمت نہ ہوسکی اب رومیوں نے براہ راست حضرت ابو عبیدہ سے گفتگو کے لیے قاصد بھیجا جس وقت وہ اسلامی لشکر میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہاں ہر ایک ادنیٰ واعلیٰ ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ افسری ماتحتی کی کوئی تمیز نہیں۔ آخر قاصد نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا، اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے قاصد نے یہ تصدیق کر کے آپ ہی مسلمانوں کے سردار ہیں یہ پیش کش کی کہ اگر آپ یہاں سے چلے جائیں تو اسلامی فوج کے ہر شخص کو دو دو اشرفیاں دیں گے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور قاصد کا رویہ دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا، غرض ذیقعدہ ۱۴ھ میں فریقین میں جنگ شروع ہوگئی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک ایک صف میں جا کر کہتے "خدا کے بندو" صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں"۔

بالآخر کئی خون ریز معرکوں کے بعد عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اور اردن کا پورا صوبہ مسلمانوں کے زیر نگین ہوگیا۔

حمص کی فتح:

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ پہلے حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرنے کے بعد حمص کا محاصرہ کرلیا، یہاں دفاع کے لیے کوئی فوجی

انتظام موجود نہ تھا تاہم اہل شہر کچھ عرصہ تک امداد کی امید پر مدافعت کرتے رہے لیکن جب کوئی امید بر نہ آئی تو ناچار خود بخود شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حمص کے محاصرہ کے دوران میں حماۃ، شیرز اور معرۃ النعمان وغیرہ فتح کر لیے تھے اس لیے حمص تسخیر کے بعد یہاں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر خود لاذقیہ روانہ ہو گئے۔

لاذقیہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کرنے کے لیے ایک نئی تدبیر اختیار کی، آپ نے میدان میں بہت سے پوشیدہ غار کھدائے اور بظاہر محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے، اہل شہر نے مسلمانوں کے اس طرح چلے جانے کو تائید غیبی خیال کیا اور بڑے اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہو گئے، لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جو اسی رات اپنی فوج کے ساتھ واپس آ کر ان غاروں میں چھپ رہے تھے صبح کے وقت نکل کر اچانک شہر میں داخل ہو گئے اور آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کر دیا۔

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ:

مسلمانوں کی پے در پے کامیابیوں نے رومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا انہوں نے ہرقل شہنشاہ روم کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام روند ڈالا ہے اور کوئی طاقت انہیں روکنے والی نہیں ، قیصر اگرچہ اہل اسلام کی روز افزوں فتوحات اور رومیوں کی درماندگی کے پیش نظر شام چھوڑ کر قسطنطنیہ جانے کا ارادہ کر چکا تھا تاہم بیکس رومیوں کی فریاد سن کر اسے غیرت آ گئی۔ چنانچہ اس نے پوری قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام ممالک محروسیہ میں فوجوں

کے اجتماع کے لیے فرمان جاری کر دیے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان امڈ آیا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو جب خود شامی امرا اور روسا کے ذریعے ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اچھی طرح دشمن کی تیاریوں کی تحقیق کر کے اپنے ماتحت افسروں کو جمع کیا اور اس مہیب طوفان کو روکنے کے متعلق ان سے مشورہ طلب کیا، حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حاضرین نے اپنی اپنی رائے پیش کی، بالآخر کثرت رائے سے یہ طے پایا کہ مفتوحہ ممالک چھوڑ کر تمام فوجوں کو دمشق میں جمع کیا جائے اس فیصلے سے ظاہر ہے کہ مسلمان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیون کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حق وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے جزیہ کی وصول شدہ رقم ایک، ایک کوڑی لوگوں کو واپس کر دی، مسلمانوں کے اس طرز عمل سے عیسائی اسی قدر متاثر ہوئے کہ وہ رو، رو کر ان کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے۔

دمشق میں فوجوں کے اجتماع کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تازہ صورت حال سے مطلع کیا، رومیوں کی تیاریوں کا حال سن کر مدینہ کا ہر شخص جوش سے لبریز ہو کر سر بلند میدان جہاد میں جانے کے لیے آمادہ ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت میں تھوڑی سی مزید کمک شام روانہ کر دی، اس دوران میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوجوں کے اجتماع کے ساتھ دمشق سے آگے بڑھ کر موک کے میدان میں مورچہ بندی کی، یہ جگہ نقطہ نظر سے نہایت مناسب اور باموقع تھی، اس کے قریب ہی مقام و پر الجیل میں رومیوں کا ٹڈی دل جو دو لاکھ سے زائد تھا آ کر

خیمہ زن ہوا۔ تعداد دیکھ چکے تھے وہ صلح کے متمنی تھے اور یہی خواہش ان کے سپہ سالار اعظم باہان کی تھی۔ غرض مصالحت کے لیے نامہ و پیغام شروع ہو گیا۔ اتفاق سے جارج نامی ایک رومی قاصد اسلامی لشکر میں عین اس وقت پہنچا جب کہ شام ہو چکی تھی، ذرا دیر بعد نماز مغرب شروع ہوئی اور جارج مسلمانوں کے موثر طریقہ عبادت خشوع و خضوع اور محویت و استغراق کو دیکھ کر حد درجہ متاثر ہوا، نماز کے خاتمہ کے بعد اس نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے چند سوالات پوچھے جن میں ایک یہ تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیات پڑھیں:۔

یَاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقِّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ○ (سورۃ النساء)

ترجمہ: ''اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادہ غلو نہ کرو اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط بات منسوب نہ کرو، حقیقت میں مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا مسیح اور ملائکہ مقربین کو خدا کی بندگی میں نہیں ہے۔''

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِلّٰہِ وَلَا الْمَلٰئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ○ (سورۃ النساء)

جارج نے جب ان آیات کو سنا تو بے اختیار پکار اٹھا کہ بیشک حضرت عیسیٰ کے اوصاف یہی ہیں اور بیشک تمہارا پیغمبر (ﷺ) سچا ہے۔ یہ کہہ کر اس

نے بہ خلوص نیت اسلام قبول کرلیا۔ وہ اگرچہ یہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا تاہم اس خیال سے کہ رومیوں کے بدعہدی کا گمان نہ ہو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے واپس جانے پر مجبور کیا اور کہا کہ کل جو سفیر آئے گا اس کے ساتھ چلے جانا۔

غرض رجب ۱۵ھ میں فریقین میں پہلا مقابلہ ہوا جس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہوگئی، اسی دوران میں رومیوں نے سفارت طلب کی، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا دونوں فریق اور زیادہ جوش وخروش کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، اس جنگ میں رومیوں کا جنگی اہتمام دیکھنے کے قابل تھا تیس ہزار فوجی پاؤں میں بیڑیاں پہن کر لڑائی میں شریک ہوئے اور عیسائی پادریوں نے یسوع مسیح کا نام لے کر اپنے لشکریوں کی آتش غضب بھڑکائی لیکن یہ سب کوششیں مسلمانوں کے غیر معمولی جوش کے سامنے بے اثر ثابت ہوئیں اور انجام کار میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اس جنگ کی شدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رومیوں کے تقریباً ستر ہزار سپاہی واصل جہنم ہوئے رہے۔ مسلمان بھی کم وبیش تین ہزار شہید ہوئے جن میں حضرت ضرار رضی اللہ عنہ، حضرت ہشام بن العاس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے۔

یرموک کی فتح کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے استقبال کے لیے چشم براہ تھا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حمص پہنچ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے، یہ دونوں مقام آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے اور چند دنوں بعد اہل انطاکیہ بھی مطیع ہو گئے، اب صرف بیت المقدس رہ گیا تھا جس کا محاصرہ ایک عرصہ سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کیا ہوا تھا۔ اس دوران میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے ہر چند مدافعت

کی کوشش کی مگر آخر صلح کے لیے تیار ہو گئے لیکن شرط یہ پیش کی خود امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آ کر معاہدہ صلح لکھیں، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس شرط سے مطلع کیا جسے امیر المومنین نے منظور فرما لیا اور مدینہ میں کاروبار خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے بیت المقدس روانہ ہوئے۔ آپ جب جابیہ کے مقام پہ پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے فوجی افسروں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا، بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آ گئے تھے، چنانچہ اسی مقام پر معاہدہ صلح طے پا جانے کے بعد شہر مسلمانوں کے حوالے ہو گیا:۔

رومیوں کی آخری کوشش:

جزیرہ جو عراق کا حصہ تھا اب تک فتح نہیں ہوا تھا۔ اس کی سرحد شام سے ملی ہوئی تھی۔ شام پر مسلمانوں کے مکمل قبضہ کے بعد اہل جزیرہ کو اپنے بارہ میں خطرہ پیدا ہوا، انہوں نے قیصر روم کو امداد کے لیے لکھا، رومیوں کو قسمت آزمائی کا ایک اور موقعہ ہاتھ آیا، چنانچہ وہ ایک عظیم الشان جمیعت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی ادھر اُدھر سے فوجیں جمع کیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے مطلع کیا۔ اس پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس عظیم الشان لشکر کے ساتھ رومیوں کو روکنے کے لیے آگے بڑھے اور میدان کارزار میں پہنچ کر ایک پرجوش تقریر سے مسلمانوں کی تمنائے شہادت کو ایک ایسی قوت بنا دیا جس کے سامنے رومی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور مرج الدیباج تک انہیں کوئی جائے

پناہ نہ ملی۔ یہ رومیوں کی آخری کوشش تھی جس میں ناکام ہونے کے بعد انہیں پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

امارت:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ۱۷ھ میں معزول کر کے یہ عہدہ بھی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو تفویض کر دیا۔ مورخین کے مطابق جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دمشق سے روانہ ہونے لگے تو آپ نے لوگوں سے کہا، ''تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ امین الامت تمہارا ولی ہے''۔ اس کے جواب میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے''۔ غرض اس لطف و محبت کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ امارت یا ولایت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد ملکی انتظامات میں مصروف ہوئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام میں جو مختلف اصلاحات جاری فرمائیں ان میں اکثر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو آپ نے اس میں سرگرم حصہ لیتے ہوئے شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھجوائے اشاعت اسلام میں بھی آپ نے نمایاں حصہ لیا، قبیلہ تنوخ، بنو سلیح اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو عیسائیت قبول کر کے مدت سے شام میں آباد ہو گئے تھے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے اسلام لائے۔ نیز بعض شامی اور رومی عیسائی بھی آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

طاعون عمواس:

۱۸ھ میں نہایت شدت سے طاعون کی وبا پھیلی، اس نے اگرچہ تمام مفتوحہ ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا تاہم شام اس کا خصوصی ہدف بنا، بڑے بڑے نامور بزرگ اور یادگار ہستیاں اس کی ہلاکت خیزیوں کا شکار ہو گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وبا کا علم ہوا تو سخت فکر مند ہو گئے اور دارالخلافہ چھوڑ کر اشم روانہ ہوئے مقام سرغ پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سرداروں نے استقبال کیا، اس دوران میں وبا کا زور بڑھتا جا رہا تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال کے پیش نظر پہلے مہاجرین اور پھر انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف آرا پیش کیں تاہم قریش کے بوڑھے اور تجربہ کار بزرگوں نے مشورہ دیا کہ سر دست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا ہی بہتر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرا دی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا سب ساتھ چلیں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے اس لیے یہ حکم انہیں ناگوار گزرا اور آزادی کے ساتھ کہا۔

"افرا رامن قدر اللّٰہ" یعنی اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا "ہاں تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں"۔

غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر بلایا کہ چند دنوں کے لیے چلے آیئے آپ سے کچھ کام ہے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین کا مقصد سمجھ گئے، آپ نے جواب میں لکھا کہ جو مقدر ہے وہ پورا ہوگا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہیں لیتے تو پھر تاکیداً لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو وبازدہ

مقامات سے ہٹا کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف لے جاؤ۔ اس حکم پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوجیں جابیہ میں منتقل کر دیں۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا۔ چنانچہ جابیہ پہنچ کر طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ جب مرض شدت اختیار کی تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت موثر تقریر کی، آخر میں فرمایا "صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبی ﷺ کی دعوت ہے۔ پہلے بہت سے صلحائے روزگار اس میں جاں بحق ہوئے ہیں۔ اور اب عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے خدا سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے"۔

نماز کا وقت آیا۔ تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، اُدھر نماز ختم ہوئی اور ادھر امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے داعی حق کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

اخلاق و عادات:

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق میں خدا ترسی اتباع سنت ﷺ تقوی زہد، تواضع مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہیں، خوف خدا آپ کی رگ رگ میں اس طرح سمایا ہوا تھا کہ محض معمولی واقعات آپ کے لیے سرمایہ بن جاتے تھے اور اکثر خدا کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا رونا:

ایک دفعہ ایک شخص آپ کے گھر آیا تو دیکھا کر زار و قطار رو رہے ہیں، اس نے متعجب ہو کر رونے کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے۔ ایک روز رسول اللہ

ﷺ نے مسلمانوں کے آئندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اگر اس وقت تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لیے تین خادم کافی ہوں گے ایک خاص تمہاری ذات کے لیے۔ ایک تمہارے اہل وعیال کے لیے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لیے، اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں۔ ایک تمہارے لیے۔ ایک غلام کے لیے اور ایک اسباب و سامان کے لیے لیکن اب دیکھتا ہوں کہ میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے، آہ! میں رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ بلند رتبہ کا ہوگا جو اسی حال میں ملے گا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل:

امین الامت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ ہادی برحق کی محبت اور دین برحق کی اطاعت میں سب سے پیش پیش رہے۔ غزوہ بدر میں باپ کو قتل کیا۔ غزوہ احد میں حضور نبی کریم ﷺ کی راحت رسانی کے لیے دو دانت شہید کیے۔ سریہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوا تو صرف اس خیال سے کہ رسول اللہ ﷺ نے اتفاق باہمی کی ہدایت فرمائی تھی طوق اطاعت گلے میں ڈال لیا، یہاں تک کہ زندگی کا آخری لمحہ بھی اطاعت رسول ﷺ میں گزرا، شام میں طاعون کی شدت ہوئی مگر آپ نے صرف اس بنا پر ٹلنے کا نام نہ لیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی۔

زہد اور زندگی میں سادگی:

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی زُہد و بے نیازی کی ایک ایسی

مثال ہے جس کی نظیر شاذ و نادر ہی ملے گی۔ ان کی نگاہ میں دنیا اور اس کی نعمتیں مکھی کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی تھیں، شام کی آب وہوا نے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرز معاشرت کو بدل دیا تھا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفر شام کے موقع پر جب فوجی افسروں کو پرتکلف قبائیں اور زرق برق لباس پہنے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ تم اس قدر جلد بدل گئے ہو اور تم نے اس سرعت سے عجمی عادات اختیار کر لی ہیں، لیکن زہد و بے نیازی کے اس بادشاہ کے جسم پر اس وقت بھی سادہ کپڑے تھے جن سے عرب کی سادگی نمایاں تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی دیکھنے میں آئی یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے علاوہ کوئی سامان راحت موجود نہ تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، کاش تم ضروری ضروری سامان فراہم کر لیتے، اس بے نیاز عالم نے جواب فرمایا ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہمارے لیے یہی کافی ہے''۔

دنیا سے بے نیازی:

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے، انہوں نے اسی وقت تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور ایک کوڑی بھی اپنے لیے نہ رکھی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا ''الحمدللہ، کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان:

ابن سعد کے بیان کے مطابق ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

اپنے ہم نشینوں سے کہا کہ کسی نے کچھ آرزو کی اور کسی نے کچھ، میری آرزو یہ ہے کہ ایک مکان ہوتا جو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں سے بھرا ہوتا۔ پاس بیٹھے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے اسلام میں کبھی کوتاہی نہیں کی، فرمایا یہی تو میری مراد ہے۔ ایک اور موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اگر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پاتا تو انہیں خلیفہ بناتا اور ان کے خلیفہ بنانے میں کسی سے مشورہ نہ کرتا، اگر ان کے متعلق مجھ سے باز پرس ہوتی تو کہتا کہ میں نے اللہ کے ''امین'' اور اس کے رسول ﷺ کے ''امین'' کو خلیفہ بنا دیا۔

(طبقات ابن سعد)

سالارِ اعظم خاک زمین پر:

گزشتہ سطور میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب رومی سفیر اسلامی لشکر گاہ میں پہنچا تو اسے سردار فوج کی شناخت میں دقت پیش آئے کیونکہ خاکساری تواضع کے اس پیکر نے سپہ سالارِ اعظم ہونے کے باوجود کبھی جاہ وحشم سے سروکار نہ رکھا، بہرکیف جب سفیر نے سب کو ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے پایا تو اس نے متحیر اور گھبراہٹ کے عالم میں لوگوں سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا، اس نے دیکھا کہ ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب افسر اور ماتحتی کی تمیز سے بے نیاز ہو کر خاک پر بیٹھا ہے تو اور، متحیر ہو گیا۔

ہر ایک کو یکساں دیکھتے:

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اسلامی مساوات کا حد درجہ خیال رکھتے تھے، آپ کی نظر میں فوج کے ایک معمولی سپاہی کو وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے

بڑے سردار کو ہو سکتی ہے۔ ایک دفعہ ایک مسلمان نے دشمن کے ایک سپاہی کو پناہ دی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم اسے پناہ دیتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے۔

راوا داری:

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا خلق و ترحم سب مخلوق کے لیے عام تھا، شام میں آپ کی شفقت و رعایا پروری نے عیسائیوں کو بھی مرہون منت بنا رکھا تھا، وہاں عیسائیوں کو اوقات نماز میں ناقوس بجانے اور گزرگاہوں سے صلیب نکالنے کی اجازت نہ تھی تاہم انہوں نے سال میں ایک بار عید کے موقع پر صلیب نکالنے کی اجازت کے لیے درخواست گزاری جسے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بخوشی منظور فرمالیا، اس رواداری کا اثر یہ ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہو گئے اور برضا و رغبت جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمات انجام دینے لگے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے خانگی حالات کی تفصیل تذکروں میں موجود نہیں تاہم اس قدر یقینی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نے دوسری کسی محبت کو غالب نہ ہونے دیا، غزوہ بدر میں جب آپ نے رشتہ اسلام کی مضبوطی کے لیے اپنے باپ کے قتل سے ہاتھ پیچھے نہ کھینچا تو پھر بیوی بچوں میں غیر معمولی شغف پیدا کرنا آپ کے جذبہ انقطاع الی اللہ کے منافی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی زندگی "الحب اللہ اور البغض فی للہ" کی صحیح عملی تصور تھی۔

حُلیہ مبارک:

آپ کا قد لمبا، جسم نحیف و لاغر چہرہ کم گوشت والا اور سامنے کے دو دانت خدمت رسول ﷺ میں قربان ہو گئے تھے۔ داڑھی گھنی تھی اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے۔

اولاد وازواج:

ابن سعد کے مطابق حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں دو لڑکے یزید اور عمیر تھے، ان دونوں کی والدہ ہند بنت جابر بن وہب تھیں لیکن بعض تذکروں میں عمیر کی والدہ کا نام ورجا بتایا گیا ہے، بہرکیف ان دونوں کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اور لا ولد فوت ہوئے۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

پیدائش:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عام الفیل کے دس سال بعد اندازاً ۵۸۱ء میں پیدا ہوئے، بعثت نبوی ﷺ کے وقت تقریباً تیس سال کے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے دارارقم میں داخل ہونے سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

وفات:

۳۲ھ میں بعمر پچھتر سال انتقال فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کی دُعا:

اُم المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:۔

''نبی ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے فرماتے تھے کہ جوکوئی شخص میرے بعد تمہاری خدمت کرے گا، وہ صادق اور سخی ہوگا، مولیٰ کریم عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) کو سلسبیل سے سیراب فرمانا''۔

نام ونسب:

نام عبدالرحمٰن اور کنیت ابومحمد تھی، والد کا نام عوف اور والدہ کا شفاء بنت

عوف بن عبد بن الحارث بن زُہرہ بن کلاب تھا، یہ دونوں زُہری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا نام عبد عمرو تھا، قبول اسلام کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔

قبول اسلام:

ابن سعد کے بیان کے مطابق آپ عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے، جب رسول اللہ ﷺ خلعت نبوت ورسالت سے سرفراز ہوئے تو آپ کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی، اپنی فطری عفت اور سلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و راہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہرہ عظیم بھی نظر آ گئی اور بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام کی چوکھٹ پر سر جھکا دیا، آپ اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے، جس وقت حضور نبی کریم ﷺ ابھی دار ارقم میں پناہ گزین نہ ہوئے تھے۔

(طبقات ابن سعد)

ہجرت:

قبول اسلام کے بعد آپ بھی قریش مکہ کی ان خصوصی سختیوں کا تختۂ مشق بنے جو وہ بلا کشان اسلام پر روا رکھے ہوئے تھے، چنانچہ رجب ۵ ھ بعثت میں جب ہجرت حبشہ کا حکم ہوا تو آپ اس قافلہ میں شریک ہو کر عازم حبشہ ہوئے جو گیارہ مردوں اور عورتوں پر مشتمل حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا تھا، اس کے بعد مکہ واپس آئے اور اس قافلہ میں شریک ہو کر پھر حبشہ روانہ ہوئے جو تراسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں پر مشتمل تھا۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ملک

حبشہ کی جانب دونوں ہجرتیں کیں۔ آپ دوسری بار جب واپس مکہ آئے تو ہجرت مدینہ کا حکم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ نے سب کے ہمراہ سرزمین مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور بنی الحارث بن خزرج میں حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے پاس اُترے۔ (طبقات ابن سعد)

مواخات اور کاروبار تجارت:

حضور ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد ان کا حضرت سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کر دیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ انصار میں سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے۔ انہوں نے اپنے مال سے نصف حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے لیے علیحدہ کرنے کے ساتھ یہ پیشکش بھی کی کہ میری دو بیویاں ہیں، ان کو دیکھ کر جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ تاکہ میں اُسے تمہارے لیے طلاق دے دوں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''خدا تمہارے مال و منال اور اہل و عیال میں برکت دے مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دو، لوگوں نے انہیں بنی قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا جہاں انہوں نے خرید و فروخت کی اور پنیر وغیرہ نفع میں بچا لائے، دوسرے روز باقاعدہ تجارت شروع کر دی یہاں تک کہ چند دنوں بعد بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے تو کپڑوں میں زعفران کا اثر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ''کیا خبر ہے؟'' عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک انصاریہ سے نکاح کر لیا ہے'' ارشاد ہوا ''اس کو مہر کیا دیا؟'' عرض کی، کھجور کی ایک گٹھلی بھر سونا۔ فرمایا ''ولیمہ کرو خواہ ایک ہی بکری ہو''۔

غزوات میں شرکت:

۲ھ میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اکثر معرکوں

نہایت پامردی سے شریک رہے، غزوہ بدر میں دو نوجوان انصاری یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہ ابنائے عفراء پہلو میں کھڑے تھے، ان کی نگاہیں کفر و شرک کی علامت ابوجہل کی تلاش میں تھیں، لیکن وہ چونکہ اس کی پہچانتے نہ تھے اس لیے انہوں نے آہستہ سے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''یا عم! ابوجہل کون ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدزبانی کرتا ہے؟'' اسی اثنا میں ابوجہل سامنے آگیا اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس کی نشاندہی کر دی، بس پھر کیا تھا دونوں بھائیوں نے باز کی طرح جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلا دی۔

غزوہ اُحد میں اس شجاعت و جانبازی سے لڑے کہ جس پر بیس سے زیادہ زخم آئے، ان زخموں میں پاؤں کا وہ کاری زخم بھی تھا جس کے مندمل ہونے کے باوجود آپ ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے۔

سریہ دومۃ الجندل:

دومۃ الجندل مدینہ سے پندرہ روز کی مسافت پر واقع شام کا مدینہ کی سمت سب سے قریبی شہر ہے جو تبوک کے قریب واقع ہے، حضور ﷺ نے ربیع الاول ۵ھ میں بہ نفس نفیس اس پر فوج کشی فرمائی، اس کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد حضور ﷺ نے اس مہم پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔

مورخین کے مطابق شعبان ۶ھ میں ایک دن حضور ﷺ نے ایسی پانچ خصلتوں کے متعلق، جو مسلمانوں کے لیے حد درجہ خطرناک ہیں، وعظ فرمایا اور پھر دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان سے پناہ دے اور ان کے دیکھنے سے محفوظ فرمائے اور وہ پانچ مصلحتیں یہ ہیں ﴿۱﴾ قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کا پھیل

جانا ﴿۲﴾ ناپ تول میں کمی کرنا ﴿۳﴾ زکوۃ ادا نہ کرنا ﴿۴﴾ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عہد توڑ دینا ﴿۵﴾ قرآن کے خلاف فیصلہ کرنا۔ ان ارشادات عالیہ کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں آج یا کل تم کو ایک مہم پر بھیجنے والا ہوں، تم تیار ہو جاؤ۔

دوسری صبح نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو جو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، اپنے سامنے بٹھایا اور ان کا عمامہ کھول کر اپنے دست مبارک سے باندھا اور ان کی پشت پر چار انگلی شملہ چھوڑ کر فرمایا:۔

عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ)! عمامہ اس طرح باندھا کرو کیونکہ یہ احسن اور عرف ہے"۔

پھر حضور سرور دو عالم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو علم لانے کا حکم دیا، وہ لائے تو حضور ﷺ نے اسے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی اور خود پر درود بھیج کر فرمایا:۔

"اے ابن عوف! اس جھنڈے کو لے کر تم سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا ہے ان سے جنگ کرو، کیونکہ اس میں غلو اور حد سے تجاوز نہ کرنا، عہد شکنی و خیانت نہ کرنا، نہ کسی کا مثلہ کرنا نہ کسی کمسن لڑکے کو قتل کرنا، خدا کی طرف سے تمہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے، نیز یہ تمہارے لیے خدا کے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ ہے"۔

مزید فرمایا (کہ)

"اگر انہوں نے تمہاری دعوت قبول کر لی اور اسلام لے آئے تو ان کے بادشاہ کی بیٹی سے عقد کر لینا"۔

غرض حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر

دومۃ الجندل پہنچے، آپ کے ہمراہ ساتھ ایک سو مجاہدین تھے، آپ مسلسل تین دن تک یہاں کے لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے، پہلے تو انہوں نے دعوت اسلام سے انکار کیا اور آمادہ پیکار رہے لیکن تیسرے دن دومۃ الجندل کے عیسائی رئیس الاصبغ بن عمرو الکلبی نے اسلام قبول کرلیا اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بھی بطیب خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ البتہ بعضوں نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ دینا قبول کرلیا، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اصبغ کی لڑکی تماضر سے نکاح کرلیا اور اسے مدینہ لے آئے۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جو کبار تابعین اور جلیل القدر حفاظ میں سے ہیں، انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔

فتح مکہ:

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ مکہ کی فوج کشی میں شریک تھے۔ اس کے فتح ہونے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شوال ۸ھ میں تین سو پچاس مجاہدین کے ساتھ دعوت اسلام کے لیے بنی جذیمہ کی طرف بھیجا ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقاتلہ کا حکم نہ تھا لیکن انہوں نے غلطی سے قتل اور خونریزی کا بازار گرم کردیا، رسول اللہ ﷺ کو جب حقیقت حال کا علم ہوا تو بےچین ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العالمین میں تین دفعہ اپنی برأت ظاہر کی:۔

"مولیٰ کریم! میں اس سے بری ہوں جو خالد (رضی اللہ عنہ) نے کیا"۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے خاندان اور قبیلہ بنی جذیمہ میں اگرچہ قدیم سے دشمنی چلی رہی تھی یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اس قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا تاہم اسلامی اخوت نے ان کے دل سے ان تمام کدورتوں کو مٹا دیا

تھا، چنانچہ جب آپ کو اس خونریزی کا علم ہوا تو آپ نے بیزار ہو کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا انہوں نے جواب دیا "میں تمہارے باپ کے قاتل کو تہہ و تیغ کیا"۔ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "بیشک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا لیکن حقیقت میں یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا جو تمہارا چچا تھا۔ اس کے بعد دونوں میں تکرار شروع ہو گئی، حضور نبی کریم ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا "بس خالد! میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو چھوڑ، اگر تو راہ خدا میں کوہ احد کے برابر بھی سونا صرف کرے تب بھی ان کے برابر نہ ہوگا"۔ (سیر الصحابہ)

فتح مکہ کے بعد حجتہ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگیں پیش آئیں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سب میں شریک رہے۔ آخری سفر حج سے واپس آنے کے بعد ربیع الاول ۱۱ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے رحلت فرمائی اور سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کا قصہ پیش آیا، حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے معاملہ کو سنبھالنے کے لئے نہایت پر خلوص مساعی فرمائیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا۔

عہد صدیقی رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ایک مخلص صائب الرائے مشیر کی حیثیت سے دربار خلافت کے تمام اہم مشوروں میں شریک رہے یہاں تک کہ تقریباً سوا دو سال کی خلافت کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مرض الموت، میں مبتلا ہوئے تو آپ کو ایک جانشین نامزد کرنے کی فکر و امنگیر ہوئی، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو بلا

کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اپنی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام تجویز فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس منصب جلیل کی اہمیت کے پیش نظر نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے لیکن وہ ذرا سخت طبیعت ہیں" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس رائے کے جواب میں فرمایا "ان کی سختی اس وجہ سے تھی کہ میں نرم تھا لیکن جب خلافت کا بارگراں ان پر پڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے"۔ غرض چند روز علالت کے بعد ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ کو خلیفہ اوّل نے داعی حق کو لبیک کہا اور خلافت کی ذمہ داری حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی نظام حکومت کو پہلے سے زیادہ منظم و مرتب کر دیا، آپ نے حکومت کے درپیش تمام اہم مسائل کے حل کے لیے ایک مستقل مجلس شوریٰ قائم کی جس میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، انہوں نے ہر زیر بحث معاملہ کے متعلق نہایت صائب مشورے دیے اور اکثر معاملات میں انہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا۔

عراق پر مستقل اور باقاعدہ لشکر کشی کے لیے جب دارالخلافہ کی طرف جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان امنڈ آیا اور توقع سے زیادہ فوج فراہم ہوگئی تو اس وقت سب سے بڑی مشکل جو قوم کو درپیش تھی وہ کسی ایسے موزوں شخص کا انتخاب تھا جو اس عظیم الشان لشکر کی قیادت کر سکے۔ اس بات کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عوام کے اصرار پر خود امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لینے پر تیار ہو گئے تھے، تو اس وقت صرف حضرت

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں خدانخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اس بات نے تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی آنکھیں کھول دیں اور سب نے اس کی پُر زور تائید کی لیکن اصل مشکل کا حل ابھی باقی تھا۔ غرض لوگ اسی تذبذب میں تھے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور دور اندیشی نے یہ مشکل بھی حل کر دی، چنانچہ آپ نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کون؟ کہنے لگے "حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ" یہ سننا تھا کہ تمام حاضرین اس انتخاب پر خوش ہوئے اور ہر طرف سے صدائے تحسین بلند ہوئی۔

معرکہ نہاوند:

اسی طرح معرکہ نہاوند میں جب ڈیڑھ لاکھ ایرانی فوج مسلمانوں کے مقابلہ پر جمع ہوئی اور کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اس ٹڈی دل کے اجتماع کی خبر بار خلافت میں پہنچائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود فوج کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی اور کہا کہ اگر آپ خود جائیں گے تو اندرون عرب بغاوت ہو جائے گی، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ موقع جنگ پر جانے سے رک گئے۔

لیکن کبھی کبھی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا جوش ان کی دور اندیشی پر غالب آجاتا چنانچہ مہم شام میں جب اسلامی فوجیں رومیوں کی عظیم الشان تیاریوں کی وجہ سے مقامات مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئیں اور اسلامی لشکر کے سپہ سالار اعظم

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے جوش و خروش اور ایک لشکر جرار کے اجتماع کی اطلاع دارالخلافہ میں بھیجی تو حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس قدر جوش آیا کہ بے تاب ہو کر بولے "امیر المومنین رضی اللہ عنہ تو خود سپہ سالار ہیں اور مجھے ساتھ لے کر چلنا خدانخواستہ اگر ہمارے بھائیوں کو ذرہ برابر بھی گزند پہنچی تو پھر جینا بے سود ہو جائے گا"۔ مگر اس موقع پر دوسرے دور اندیش صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔

خلیفہ کے انتخاب پر اہم کردار:

۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حسب معمول جب نماز فجر پڑھانے کھڑے ہوئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مجوسی غلام فیروز نے جس کی کنیت ابو لولو تھی دفعۃً آپ پر حملہ کر دیا اور دو دھاری خنجر سے چھ کاری وار کیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا تو انہیں امامت کے مصلے پر کھڑا کیا، حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جلدی جلدی نماز پوری کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں اٹھا کر ان کے گھر لائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ شدید زخمی ہوئے تھے۔ اور ایک زخم ناف کے نیچے کافی گہرا تھا اس لیے جب علاج معالجہ بے سود ثابت ہوا اور ان کے آفتاب حیات کا غروب یقینی ہو گیا تو لوگوں نے آپ سے منصب خلافت کے لیے کسی کو نامزد کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام تجویز کر کے فرمایا چونکہ رسول اللہ ﷺ ان سے آخر تک خوش رہے تھے اس لیے ان میں سے کسی ایک کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے، اس منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے، لیکن یہ مسئلہ تین دن کے اندر اندر طے پا جائے۔ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نامزد فرمایا تھا ان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام یہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر، رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یکم محرم ۲۴ھ کو داعی حق کو لبیک کہا۔ چنانچہ آپ کی تجہیز و تکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ مسئلہ چھ کی بجائے تین شخصوں میں محدود کرنا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے۔ اس کا نام لے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور اسی بنا پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی نسبت رائے دی۔ اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس حد تک تم لوگوں کا حرج تو نہیں کہ میں تمہارے لیے کسی کا انتخاب کروں اور خود اس سے آزاد ہو جاؤں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سن کر فرمایا "ہاں، سب سے پہلے میں راضی ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ اہل آسمان میں بھی "امین" ہیں اور اہل زمین بھی "امین" ہیں"۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے حق سے دستبردار ہو گئے اور انتخاب کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رہ گئے، پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب تم میں جو احکام الٰہی، سنت رسول ﷺ اور طریقہ شیخین رضی اللہ عنہما کی پابندی کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، مزید فرمایا کہ آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیں تو زیادہ مناسب ہے، دونوں راضی ہو گئے۔ چنانچہ ان سے اجازت

لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی ﷺ میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک موثر تقریر کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھایا اور پھر ساری خلقت بیعت ٹوٹ پڑی۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے متعلق ایسے روشن پہلو ابھرتے ہیں۔ جو ان کو فہم و فراست اور معاملہ فہمی ایسے اوصاف میں ممتاز کرتے ہیں اور جذبہ ایثار اور خدمت اسلام کے باعث ان کو ایک نمایاں حیثیت دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عین اس وقت جب کہ آپ بہت جلد اپنے خدا سے ملنے والے تھے اس بات کا اظہار فرمایا کہ ان سے رسول اللہ ﷺ آخر تک خوش رہے اور خلافت کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے یہ ان سے متصف ہیں، نیز یہ بھی فرمایا کہ ''حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نہایت صائب الرائے، ہوشمند اور سلیم الطبع ہیں ان کی رائے کو غور سے سننا اور اگر انتخاب میں مخالفت پیدا ہوئے جائے تو جس طرف حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہوں ان کا ساتھ دینا اور جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی نسبت رائے دی تو انہوں نے ایثار سے کام لیتے ہوئے خلافت کے انتخاب سے اپنی دستبرداری کا اعلان کر دیا، بعد ازاں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا مصنف چن لیا تو انہوں نے اپنی بے لاگ اور منصفانہ رائے سے ایسا فیصلہ صادر کیا جسے نہ صرف فریقین بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بغیر کسی پس و پیش کے صحیح تسلیم کیا اور اسی کے مطابق عمل کیا۔

وفات:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جیسا کہ تذکروں سے پتا چلتا ہے آپ نے مہمات

ملکی میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی یہاں تک کہ پیغام اجل آپہنچا اور آپ نے ۳۲ھ میں بعمر پچھتر سال اس دار فانی کو خیر باد کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جنازہ پر صحابہ کرام کے تاثرات:

حضرت علیؓ، حضرت سعد، حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم جنازہ میں موجود تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میت پر کھڑے ہو کر فرمایا، ابن عوف، جاتو نے دنیا کو صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک تھے اور کہتے جاتے تھے، آہ! یہ پہاڑ بھی چل بسا؛ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا؛ اے ابن عوف! تم سے جدا ہوتا ہوں، تم نے اپنی شکم سیری جو ناقص تھا اسے دور کر دیا، نماز جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

علم و فضل:

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ چونکہ سابقین الاولین میں سے تھے اس لئے آپ کو دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ کی طرح رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مستفید ہونے کا کافی موقع ملا، اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کا دامن فضل وکمال علمی موتیوں سے لبریز ہو گیا۔ آپ نے اگرچہ بہت کم حدیثیں روایت کی ہیں تاہم خلفائے راشدین کو نہایت اہم اور ضروری مواقع پر اپنی معلومات سے فائدہ پہنچایا، عہد صدیق رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا قضیہ پیش ہوا تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے بلند آہنگی کے ساتھ اس ارشاد نبوی ﷺ کی تصدیق کی کہ رسول اللہ ﷺ کے متروکہ میں وراثت نہیں ہے۔ (سیر الصحابہ)

اسی طرح عہد فاروقی میں جب ایران فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فکر

دامن گیر ہوئی کہ آتش پرستوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے، اس موقع پر حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کر کے اس گتھی کو سلجھایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انہیں ذمی قرار دیا تھا۔

۱۸ھ میں عمواس میں جب طاعون پھیلا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو بلا کر پوچھا کہ طاعون زدہ مقام سے ہٹنا جائز ہے یا نہیں؟ اتفاق سے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اس محفل میں موجود نہ تھے اور دوسرا کوئی اس کا جواب نہ دے سکا، جب آپ کو خبر ہوئی تو حاضر ہو کر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ اور اگر پہلے سے طاعون زدہ مقام میں ہوں تو وہاں سے نہ ہٹو۔

اخلاق وعبادات:

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا دامن فضل وکمال اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا۔ ان کے صحیفہ اخلاق میں خوف خدا حب رسول ﷺ صدق وعفات، رحم دلی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ سب سے روشن ابواب ہیں۔

خوفِ خدا:

خوفِ خدا طبیعت پر اس قدر غالب تھا کہ دنیا کا ہر واقعہ ان کیلئے عبرت کا مرقع بن جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال کو یاد کر کے رونے لگتے تھے۔ ایک دفعہ دن کو روزہ رکھا اور شام کو کھانا سامنے آیا تو مسلمانوں کا گزشتہ فقر و فاقہ یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے، فرمایا "حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر تھے وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی، جس سے اگر سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا، اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے،

حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے، لیکن اب دنیا ہمارے لئے کشادہ ہوگئی ہے اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں عطا کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شائد ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا میں ہی مل گیا ہے، اس کے بعد اتنی رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

محبت رسول ﷺ:

بارگاہ رسالتمآب ﷺ کے ایک مقرب صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کی حیثیت سے آپ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وحفاظت میں ہمیشہ پیش پیش رہے، معرکہ اُحد جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت وجانثاری کا نہایت کڑا امتحان تھا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اس میں بھی پورے اترے، جسم پر بیس سے زیادہ زخم کھائے، پاؤں میں کاری زخم کے باعث لنگ آ گیا، لیکن جذبہ جانثاری میں سرموں بھی فرق نہ آنے دیا۔

ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ:

حضور نبی کریم ﷺ جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے، ایک بار سرور دو عالم ﷺ باہر تشریف لے گئے تو آپ بھی حسب معمول پیچھے چلے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ایک نخلستان میں پہنچ کر بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہوگئے، حضور ﷺ نے اتنا طویل سجدہ فرمایا کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ گھبرا کر قریب آ گئے کہ شاید روح اطہر خدا سے جا ملی ہے، حضور نبی کریم ﷺ سر مبارک اٹھا کر فرمایا، عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) کیا ہوا؟ انہوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خدائے عزوجل نے فرمایا

ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا،، یعنی یہ طویل سجدہ، سجدۂ شکر تھا۔ (سیر الصحابہ)

کھانا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کو یاد کر کے رونا:

حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد بھی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا دل حضور ﷺ کی یاد سے ہمیشہ غمزدہ رہتا تھا ایک مرتبہ کھانے پر بیٹھے تو روٹی اور گوشت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے، حضرت نوفل بن ایاس رضی اللہ عنہ نے پاس بیٹھے تھے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل وعیال کو تمام زندگی پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نصیب نہ ہوئی یہاں تک کہ خدا کے رسول ﷺ نے وفات پائی اس بنا پر یہ خیال آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہنا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے۔

صدق و دیانت داری:

دیانت داری اور صدق عفاف حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی پاکیزگی کے نہایت تابدار موتی تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کی صداقت پر اس قدر یقین واعتماد تھا کہ آپ مدعی ہوں یا مدعا علیہ دونوں حیثیتوں میں وہ آپ کے بیان کو کافی سمجھتے تھے، عہد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں ایک دفعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ دائر کیا کہ میں نے آل عمر رضی اللہ عنہ سے ایک قطعہ زمین خریدا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دربار رسالت مآب ﷺ سے بطور جاگیر عطا تھا ہوا تھا لیکن حضرت عبدالرحمن ﷺ کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ’’حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں،،۔

اُمہات المومنین کی خدمت:

امّ المومنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد جو شخص تم لوگوں کا محافظ ہوگا وہ صادق اور نیکوکار ہوگا۔ چنانچہ یہ فرض خاص طور پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے متعلق تھا۔

مورخین کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنی زندگی کے آخری حج پر روانہ ہوئے تو اس سال امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی حج کے لئے تشریف لے گئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ان کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہن کے لئے سواری، پردے اور راستے میں قیام کے انتظام واہتمام کے ذمہ دار تھے غرض ازواج النبی ﷺ کی خدمت وحفاظت کا فخر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اپنی عصمت وعفت کی بنا پر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طغرائے امتیاز ہے۔

سخاوت:

گزشتہ سطور میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے دینی بھائی حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی فیاضانہ پیشکش کے بدلے میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی بے نیازی واستغنا کا ذکر کیا جاچکا ہے چناچہ انہی دنوں آپ نے جو تجارت کا شغل اختیار کیا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر بابرکت کیا کہ آپ بے اندازہ مال و دولت کے مالک بن گئے آپ فرمایا کرتے تھے "میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ اگر کوئی پتھر اُٹھاتا تو اُمید کرتا کہ مجھے اس کے نیچے سے سونا چاندی ملے گا، تاہم آپ نے اس دولت کو اپنے آپ تک محدود نہ رکھا بلکہ راہِ خدا میں کھلے ہاتھوں بے دریغ خرچ کیا۔

ایک دفعہ آپ کا تجارتی قافلہ مدینہ واپس آیا تو اس میں سات سو اُونٹوں پر صرف گہیوں، آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی لدی ہوئی تھیں، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ میں چرچا ہوا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا کہ گویا میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پل صراط پر دیکھ رہا ہوں جو کبھی ڈگمگاتے اور کبھی سنبھل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ بچ گئے حالانکہ وہ بچتے معلوم نہیں ہوتے تھے''۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اُم المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ''میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ پورا قافلہ معہ اسباب و سامان بلکہ اُونٹ اور کجاوہ تک راہ خدا میں وقف ہے''۔

یہ پیغمبر خدا ﷺ کی تربیت کا اعجاز تھا کہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو جس قدر زیادہ مالدار تھا اسی قدر اس کا دستِ کرم زیادہ کشادہ تھا حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی فیاضی سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ عہد نبوی ﷺ سے ہی شروع ہو چکا تھا اور انہوں نے قومی و مذہبی ضروریات کے لئے وقتاً فوقتاً گرانقدر رقومات پیش کیں، سورہ برات کے نزول پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار درہم پیش کیے، پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار درہم وقف کیے اسی طرح جہاد کے لئے پانچ گھوڑے اور پانچ اونٹ حاضر کیے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی عام خیرات وصدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے ام بکر بنت مسورؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ رضی اللہ عنہ نے وہ زمین جو انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملی تھی چالیس ہزار دینار میں فروحت کی اور اس رقم کو انہوں نے فقرائے بنی زہرہ، حاجتمند لوگوں اور اُمہات المومنینؓ میں تقسیم کیا، لیکن اس سخاوت کے باوجود انہیں ہر وقت

یہ فکر لگی رہتی تھی کہ کہیں اس قدر تموّل آخرت کے لیئے نقصان کا موجب نہ ہو۔
ایک دفعہ اُم المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی
''اماں! مجھے خوف ہے کہ مال کی کثرت مجھے ہلاک کردے گی'' انہوں نے فرمایا
''بیٹا! راہِ خدا میں خرچ کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ ''میرے اصحاب میں بعض ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے''۔

غرض حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی فیاضی اور راہِ خدا میں خرچ کا سلسلہ ان کی زندگی کے آخری لمحہ تک جاری رہا، انتقال کے وقت پچاس ہزار دینار اور ہزار گھوڑے فی سبیل اللہ وقف کیے، نیز بدر میں جو صحابہ رضی اللہ عنہ شریک تھے اور اس وقت زندہ موجود تھے ان میں سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی، مورخین کے مطابق اس وقت ایک سو اصحاب رضی اللہ عنہم بدر بقید حیات تھے، اور سب نے بخوشی اس وصیت سے فائدہ اُٹھایا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی حصہ لیا۔ اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کے لئے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ دینار میں فروخت ہوا۔

مذہبی زندگی:

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نماز نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے تھے خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے اکثر روزے رکھتے اور حج کے لئے بارہا تشریف لے گئے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ۱۳ھ میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اُنہوں نے اس سال حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا۔ چنانچہ اُنہوں نے لوگوں کو حج کرایا، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ حج

بھی کیا جو ۲۳ھ میں ان (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کا آخری حج تھا۔ پھر ۲۴ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی امارتِ حج کی خدمت انہی کے سپرد کی۔

(طبقات ابن سعد)

ذریعہ معاش:

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا تاہم آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیانہ پر قائم ہوگیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خیبر میں ایک وسیع پیانہ جاگیر عطا فرمائی تھی، اس کے علاوہ جرف کے مقام پر بھی زمین تھی جہاں بیس اونٹ آبپاشی کا کام کرتے تھے۔

ترکہ:

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نقدی اور غیر منقولہ جائیداد کے علاوہ ایک ہزار اُونٹ سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں ترکہ میں چھوڑیں، مورخین کے مطابق ان کے ترکہ میں سونے کی اینٹیں بھی تھیں، جو کلہاڑیوں سے کاٹ کر تقسیم کی گئیں، یہاں تک کہ کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے نقدی اتنی وافر مقدار میں تھی کہ چاروں بیویوں کو متروکہ جائیداد کے آٹھویں حصہ سے اسی اسی ہزار دینار ملے۔

غذا ولباس:

دسترخوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا۔ اگر کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گزشتہ فقر و فاقہ کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے، لباس عموماً ریشم کا پہنتے تھے کیونکہ خارش یا کسی بیماری کے باعث حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو خاص طور پر اجازت فرمائی تھی۔ عہد فاروقی میں آپ کے بیٹے حضرت ابوسلمہ نے

حریر کا کرتہ زیب تن کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟" پھر ان کے کرتہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال نیچے تک پھاڑ دیا اس پر حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے اسے حلال کر دیا ہے، فرمایا کہ حضور ﷺ نے تمہارے لئے صرف اس لئے حلال کیا تھا کہ تم نے حضور نبی کریم ﷺ سے اپنی بیماری کی شکایت کی تھی، لیکن تمہارے سوا کسی اور کیلئے تو نہیں۔

حُلیہ مبارک:

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا قد لمبا، رنگ سُرخ و سفید، ریش دراز اور سینہ کسی قدر اُبھرا ہوا تھا۔ آپ کے بال گھنگریالے اور کان سے نیچے تک کاکلیں، کلائی گھٹی ہوئی، اُنگلیاں موٹی اور مضبوط تھیں، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے اور غزوہ اُحد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ بڑھاپے نے آپ کی خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں ڈالا تھا۔

اولاد و اَزواج:

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کثیر الاولاد تھے، مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں سے عموماً لُطف و محبت سے پیش آتے تھے، ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر میں دیئے، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق بیویوں اور بچوں کے نام یہ ہیں۔

① کلثوم بنت عتبہ بن ربیعہ، ان کے بطن سے سالم اکبر پیدا ہوئے لیکن قبل اَز اسلام مر گئے۔

② بنت شیبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس، ان سے ایک لڑکی اُمِ قاسم زمانہ

جاہلیت میں پیدا ہوئی۔

③ اُمِ کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط سے محمد پیدا ہوئے جن کی وجہ سے حضرت عبدالرحمٰن کی کنیت ابو محمد تھی۔ ان کے علاوہ ابراہیم، حمید، اسمٰعیل، حمیدہ اور اُمۃ الرحمٰن بھی انہی کے بطن سے تھے۔

④ سہلہ بنت عاصم بن عدی بن الجد بن العجلان قبیلہ قضاعہ کی شاخ بلی سے تھیں، ان سے معن، عمر زید اور اُمتہ الرحمٰن صُغریٰ پیدا ہوئے۔

⑤ بحریہ بنت ہانی بن قبیصہ بن ہانی بن مسعود بنی شیبان سے تھیں، ان سے ایک لڑکے عروہ اکبر پیدا ہوئے جو جنگ افریقہ میں شہید ہوئے۔

⑥ سہلہ بنت سہیل بن عمرو بن عبد شمس سے سالم اصغر پیدا ہوئے جو فتح افریقہ کے دن مقتول ہوئے۔

⑦ اُمِ حکیم بنت قارض بن خالد بن عبید بن سوید کے بطن سے ابوبکر پیدا ہوئے۔

⑧ بنت ابی الحسیس بن رافع بن اُمراء القیس بن زید، قبیلہ اوس سے تھیں، عبداللہ جو فتح افریقہ کے دن شہید ہوئے، انہی کے بیٹے تھے۔

⑨ تماضر بنت اصبغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حصن، قبیلہ کلب سے تھیں، آپ پہلی کلبیہ تھیں جو ایک قرشی کے نکاح میں آئیں، ابوسلمہ جن کا نام عبداللہ الاصغر تھا انہی کے بطن سے تھے۔

⑩ اسماء بنت سلامہ بن مخربہ بن جندل سے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

⑪ اُمِ حریث کے بطن سے مصعب، آمنہ اور مریم پیدا ہوئے آپ بہرا سے قید ہو کر آئی تھیں۔

⑫ مجد بنت یزید بن سلامہ سے سُہیل پیدا ہوئے جن کی کنیت ابوالابیض تھی۔

۱۳ غزال بنت کسریٰ مدائن سے گرفتار ہوئی تھیں اور عام خیال ہے کہ یہ خاندان کسریٰ کی شہزادی تھیں ان کے بطن سے عثمان پیدا ہوئے۔

۱۴ زینب بنت الصباح بن ثعلبہ بن عوف سے تین لڑکے عروہ، یحییٰ، بلال اور ایک لڑکی اُم یحییٰ پیدا ہوئی یہ بھی بہرا سے قید ہو کر آئی تھیں۔

۱۵ بادیہ بنت غیلان بن سلمہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جویریہ تھا۔

(طبقات ابن سعد)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

قبول اسلام:

لیلۃ العقبہ (۱۳ ھ بعثت) میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔

شہادت:

جمادی الاول ۸ ھ مطابق اگست تمبر ۶۲۹ء
(کسی تذکرہ میں آپ کی عمر کا تعین نہیں گیا)

فرمان رسول اللہ ﷺ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔"اللہ تعالیٰ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، وہ انہی مجلسوں کو پسند کرتے تھے جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں"۔

نام ونسب:

نام، عبداللہ، کنیت ابو محمد اور لقب شاعر رسول ﷺ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بن ثعلبہ بن امراء القیس بن عمرو۔ آپ کی والدہ کا نام کبشہ بنت واقد بن عمرو بن اطنابہ تھا، آپ خاندانِ حارث بن خزرج

سے تھیں جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پدرِ اعلیٰ تھے۔

اسلام:

لیلۃ العقبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے، مواخات میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت مقداد بن اسود کندی رضی اللہ عنہ سے آپ کا رشتہ اُخوت قائم فرمایا۔

غزوات میں شرکت:

غزوہ بدر میں شریک تھے اور غزوہ کے خاتمہ پر اہل عالیہ (بنی عمرو بن عوف وخطمہ اور وائل کی آبادی) کو فتح کی خوشخبری آپ نے ہی سنائی تھی۔ غزوہ بدر کے بعد غزوہ اُحد، خندق، حدیبیہ اور خیبر میں موجود تھے مزید غزوہ اُحد کے بعد ماہ ذیقعد ۴ھ میں جب رسول اللہ ﷺ موعودہ غزوہ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو مدینہ میں انہیں اپنی جانشینی کا شرف بخشا۔

مورخین کے مطابق خیبر کے یہودیوں نے ابورافع یہودی کے بعد اُسیر بن رزام کو اپنا سردار بنالیا تھا یہ شخص اسلام دُشمنی میں ابورافع کا پورا جانشین تھا چنانچہ اس شخص نے جنگ کرنے کے لئے بنی غطفان اور دیگر قبائل کو اپنی حمایت پر آمادہ کیا۔ حضور پرنور ﷺ کو جب ان حالات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے شوال ۶ھ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تحقیق کے لئے بھیجا اُنہوں نے واپس آکر عرض کی کہ واقعہ صحیح ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہی کو تیس سواروں کے ساتھ خیبر روانہ فرمایا کہ وہ زبانی گفتگو کر کے اُسیر کو ساتھ لے آئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خیبر جا کر اُسیر سے ملے اور اسے مدینہ چلنے کے لئے کہا وہ اس بات پر راضی ہوگیا اور اپنے ساتھ تیس یہودی لے کر ان کے ساتھ

ہولیا۔ ایک ایک اُونٹ پر دو دو آدمی سوار تھے یعنی ایک مسلمان اور ایک یہود کی نیت میں فتور آگیا اُسیر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک اُنٹ پر سوار تھے اُسیر نے بدنیتی سے ان پر دو دفعہ تلوار چلانی چاہی مگر ہر بار حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے درگذر کیا لیکن جب تیسری بار اس نے یہی حرکت کی تو طرفین میں جنگ شروع ہوگئی اور مسلمانوں نے دھوکہ بازی کے الزام میں سب کی گردنیں اُڑا دیں اس طرح بفضل الٰہی وہ طوفان دَب کررہ گیا جو اُسیر یہودی کے دل میں مسلمانوں کے خلاف اُٹھ رہا تھا پھر جب محرم ۷ھ میں خیبر پر مسلمان قابض ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہی خیبر کے پھلوں کا اندازہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا تھا۔

ماہ ذیقعد ۷ھ میں جب رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاٗ کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ میں داخل ہوتے وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اُونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے، (ترجمہ)

① ان کے راستے سے ہٹ جاؤ کیونکہ تمام بھلائیاں انہی کے ساتھ ہیں۔

② ہم نے تم کو قرآن کی تاویل اور تنزیل پر مارا ہے جس سے سر دھڑ سے الگ ہوگئے ہیں۔

③ دوست دوستی بھول گئے ہیں خدایا! میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال پر ایمان رکھتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اشعار سن کر کہا آہستہ، خدا کے حرم اور رسول اللہ ﷺ کے رُوبرو شعر پڑھتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عمر رضی اللہ عنہ میں سن رہا ہوں خدا کی قسم ان کا کلام کُفّار پر تیرو نشتر کا کام کرتا ہے“۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم یہ کہو۔

لا الہ الا اللہ وحدہ نصر عبدہ

واغز جندہ وھزم الاحزاب وحدہ

"حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کہا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آواز ملا کر جب اس کو ادا کیا تو مکہ کی پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔"

غزوہ موتہ اور شہادت:

جمادی الاوّل ۸ ھ میں غزوہ موتہ ہُوا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث بن عمیر ازدی کو ایک خط دے کر بصریٰ کے رئیس کے پاس بھیجا تھا جنہیں موتہ کے مقام پر شرجیل بن عمرو الغسانی نے قتل کر دیا۔ جب نامہ کے قتل کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ نے قتل کو قصاص لینے کے لئے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین ہزار مجاہدین کے ساتھ موتہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا اور فرمایا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ قتل ہو جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہوں گے اور ان کے بعد ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اور اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو جس کو مسلمان مناسب سمجھیں امیر بنا لیں:۔

غرض لشکر تیار ہُوا تو ثنیۃ الوادع تک رسول اللہ ﷺ نے خود مشائعت فرمائی اور رُخصت کے وقت مدینہ کے لوگوں نے لشکر کی کامیابی اور سلامت واپسی کی دُعا کی، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی یہ آخری ملاقات تھی رونے لگے لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے۔" مجھے دُنیا کی محبت نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا.

(سورہ مریم آیت ۷۱)

اس بناء پر فکر ہے کہ میں جہنم میں داخل ہو کر نکل سکوں گا''؟ سب نے تسکین دی اور کہا کہ خدا، آپ سے پھر ملا دے گا، اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

''میرا سوال تو رحمٰن سے یہ ہے کہ مر پر ایسی چوٹ لگے جو کھوپڑی کو توڑ ڈالے نیزہ اور تلوار میرے دل و جگر کو چھید ڈالیں، خدا میری مغفرت کرے اور میری لاش کو دیکھ کر لوگ کہیں شاباش غازی خوب کام کر گیا''۔ (رحمتہ للعالمین)

بہر حال ادھر اسلامی لشکر مدینہ سے روانہ ہوا اُدھر دشمن کو خبر ہو گئی۔ مسلمان جب معان کے مقام پر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ خود ہرقل ارضِ بلقاء میں ایک لاکھ فوج کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ دیگر قبائل کے ایک لاکھ آدمی بھی ہرقل کی امداد کے لئے جمع ہو گئے ہیں، اس خبر پر مسلمان متردّد ہوئے اور معان میں دو دن تک رُکے رہے، آخر آپس میں صلاح مشورہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ رسول اللہ ﷺ کو ان حالات کی اطلاع دے کر اور فوج بھیجنے کی درخواست کی جائے یا جیسا رسول اللہ ﷺ فرمائیں اس پر عمل کیا جائے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی اس پریشانی کو دیکھتے ہوئے فرمایا:۔

''اے لوگو! تم تو شہادت کی طلب میں نکلے ہو اور آج اسی کو مکروہ سمجھتے ہو، ہم قوت اور تعداد کے بھروسے پر نہیں لڑتے دین کے لئے لڑتے ہیں دو نیکیوں میں سے ایک بہر صورت ہمارے لئے ضرور ہے فتح یا شہادت''۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ نے مسلمانوں میں ایک تازہ رُوح پھونک دی چنانچہ امیر عسکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے فوج کو آگے

بڑھنے کا حکم دیا اور معان سے چل کر موتہ میں پڑاؤ کیا۔ جہاں مشرکین سے مقابلہ شروع ہوگیا، مسلمان صرف تین ہزار تھے اور مشرکین کی طرف سے آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ میدان کا، زار گرم ہُوا تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شجاعت دیتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور نہایت پامردی سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے، ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علَم اُٹھایا اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت حاصل کیا۔ اب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فوج کی قیادت کرنا تھی، چنانچہ آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:۔

ترجمہ "اے نفس! اگر قتل نہ ہُوا تو بھی مرے گا اگر آج باقی ہے تو آئندہ فوت ہوگا یا عافیت کی درازی میں تیری آزمائش ہوگی، اس لئے موت کے حوض خالی ہو رہے ہیں اور جو تیری تمنا تھی مل رہی ہے"۔

پھر کہا۔

ترجمہ "اے نفس! بیوی بچے اور مکان کا خیال فضول ہے وہ سب آزاد ہیں مکان اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا ہے"۔

چنانچہ دل کو سمجھا کر جھنڈا اُٹھایا اور نیزہ لے کر حملہ کیا۔ اسی دوران میں ایک کافر نے اس زور سے نیزہ مارا کہ دونوں لشکروں کے درمیان پچھڑ گئے خون چہرہ پر ملا اور پکارے اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ یہ سُنتے ہی مسلمان حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو گھیرے میں لے دُشمنانِ اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ اسی اثنا میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی رُوح اطہر ملاءِ اعلیٰ کو پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ میں وحی کے ذریعہ سے ہر ہر لمحہ کی خبریں مل رہی تھیں اور حضور سرورِ دو عالم ﷺ صحابہ کے سامنے بیان فرما رہے تھے چنانچہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت بیان فرمانے کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ انصارِ مدینہ حضور پُر نور ﷺ کی خاموشی سے سمجھ گئے کہ شاید ابن رواحہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے تھوڑی دیر سکوت کے بعد بادیدہ نم فرمایا کہ ''ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی''۔ انصار اس خبر پر کب تحمل کر سکتے تھے تاہم آہ زاری اور نالہ وفریاد کرنے کی بجائے صرف حقیقی حُزن و ملال پر اکتفا کیا، کیونکہ یہ بھی اس شہید مِلّت کی ایک وصیّت تھی۔

اہل سیر کے مطابق حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بیہوش ہو گئے تھے آپ کی بہن عمرہ نے نوحہ کیا کہ ہائے میرا پہاڑ، ہائے ایسا ہائے ویسا، جب آپ کو افاقہ ہوا تو بہن سے فرمایا کہ جو کچھ تو کہہ رہی تھی مجھ سے اس کی تصدیق کرائی جاتی تھی کہ کیا تم ویسے تھے؟ اس بنا پر آپ کی وفات پر سب نے صبر کیا صحیح بخاری میں ہے کہ جب اُنہوں نے شہادت پائی، تو نوحہ اور بین نہیں کیا گیا۔

اولاد:

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ موتہ روانہ ہوتے وقت بیوی بچے موجود تھے لیکن اہل سیر کے مطابق آپ کی نسل نہیں چلی۔

فضل وکمال:

آپ کے فضل وکمال میں دو چیزیں یعنی کتابت اور شاعری قابل ذکر

ہیں، آپ رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے لیکن یہ معلوم نہیں کہ لکھنا کب سیکھا تھا؟ شاعری میں مشہور تھے اور دربارِ رسالتمآب ﷺ کے شاعر تھے مشرکین کو کفر پر عار دلانا آپ کا خاص موضوع تھا؛ صاحب سدالغابہ لکھتے ہیں:۔

''دربار نبوی ﷺ کے شعراء حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کافروں کولڑائی سے ڈراتے حضرت حسان حسب نسب پر چوٹ کرتے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان کو کفر کا عار دلایا کرتے تھے''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شعرنی البدیہہ بھی کہہ سکتے تھے ایک روز مسجد نبوی ﷺ کی طرف نکلے رسول اللہ ﷺ صحابہ کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما رہے تھے ان کو بلایا اور ارشاد فرمایا ''مشرکین پر کچھ کہو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس مجمع میں کچھ اشعار کہے رسول اللہ ﷺ نے سنا اور مسکرا کر فرمایا ''خدا تم کو ثابت قدم رکھے''۔ (اسدالغابہ)

اخلاق و عادات:

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حد درجہ عبادت گزار تھے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، وہ انہی مجلسوں کو پسند کرتے تھے جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں''۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ '' کہتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یاد نہ کرتا ہوں وہ مجھ سے ملتے تو کہتے کہ آؤ تھوڑی دیر کے لئے مسلمان بن جائیں پھر بیٹھ کر ذکر کرتے اور کہتے یہ ایمان کی مجلس تھی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ جب گھر سے نکلتے تو

دو رکعت نماز پڑھتے اور واپس آتے اُس وقت بھی ایسا ہی کرتے تھے، اُنہوں نے اس میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

ایک سفر میں اتنی شدید گرمی تھی کہ آفتاب کی تمازت سے لوگ سروں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے ایسی حالت میں روزہ کون رکھ سکتا ہے؟ مگر رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی روزہ سے تھے۔

(سیر انصار)

جوشِ جہاد سے ہر وقت لبریز رہتے تھے غزوہ بدر سے لے کر غزوہ موتہ تک ایک غزوہ بھی ترک نہ ہوا تھا۔ اسماء الرجال کے مصنفین حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس ذوق کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوہ میں سب سے پیشتر جاتے اور سب سے پیچھے واپس ہوتے تھے''۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو یہ الفاظ حضور ﷺ کی زبانِ معجز بیان پر تھے ''اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاؤ'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابھی مسجد کے باہر تھے کہ یہ ارشاد سن کر اسی مقام پر بیٹھ گئے۔ حضور سرورِ دو عالم ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو کسی نے یہ خبر پہنچا دی ارشاد ہوا۔

''اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ ان کی حرص اور زیادہ کرے''۔

اطاعت رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جز و ایمان اور حُبّ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے اُنس تھا۔ ایک دفعہ بیماری کی حالت میں بیہوش ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا:۔

''مولیٰ کریم! اگر ان کی موت آئی ہے تو آسان فرما کر ورنہ شفاء عطا

فرما"۔ (اصابہ جلد دوم)

حضور نبی کریم ﷺ کی نعت میں شعر کہا کرتے تھے اور یہ بھی عشق رسول ﷺ کا کرشمہ تھا، ایک شعر بہت ہی اچھا کہا ہے اور وہ یہ ہے:۔

ترجمہ "اگر آپ ﷺ میں کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوں جب بھی آپ ﷺ کی صورت خبر (رسالت) دینے کیلئے کافی ہیں"۔

حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ

قبول اسلام:

ماہ ربیع الاوّل ۲ھ کے کچھ دنوں بعد غزوہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔

شہادت:

۲۰ رمضان المبارک ۸ھ (عُمر غیر متعین ہے)

نام ونسب:

نام کرز اور باپ کا نام جابر تھا۔نسب نامہ یہ ہے، حضرت کرز رضی اللہ عنہ بن جابر بن حسیل بن لاحب بن حبیب بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر بن مالک قرشی الفہری۔

اسلام سے پہلے:

اسلام کے آغاز میں قریش کا بچہ بچہ اہل ایمان کا دشمن تھا اور توحید کے متوالوں کو ہر طرح سے تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔حضرت کرز رضی اللہ عنہ بھی قریش مکہ کی اس عام روش سے مستثنیٰ نہ تھے، مدینہ منورّہ سے تین میل کے فاصلہ پر کوہِ جمار کے قریب مسلمانوں کے اُونٹ چرا کرتے تھے حضرت کرز رضی اللہ عنہ نے

ربیع الاوّل ۲ھ میں چھپ کر انہیں لوٹ لیا رسول اللہ ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ بہ نفسِ نفیس ان کے تعاقب میں نکلے اور وادی صفوان تک تشریف لے گئے مگر کرز رضی اللہ عنہ چونکہ بچ کر نکل آئے تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ واپس لوٹ آئے۔

قبول اسلام:

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد حضرت کرز رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہو گئے۔

سریہ عرینین:

موزخین کے مطابق شوال ۶ھ قبیلہ عُکل اور عرینہ کے آدمی مدینہ آکر مشرف باسلام ہوئے اور یہاں ہی اقامت اختیار کرلی مگر چند روز بعد اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مدینہ کی ناموافق آب و ہوا کی شکایت کی اور اپنی ابتدائی پرورش کے مطابق میدانوں میں رہنے اور جانوروں کا دُودھ پینے کی اجازت مانگی رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور انہیں شہر سے باہر چراگاہ میں رہنے اور اُونٹوں کا دُودھ پینے کی اجازت دے دی یہ چراگاہ تھوڑے فاصلہ پر مقام ذی الجدد میں واقع تھی اور یہاں صدقات کے اونٹ رہتے تھے چنانچہ یہ لوگ وہاں جاکر رہنے لگے جب کھا پی کر توانا و تندرست ہو گئے تو مرتد ہو گئے اور اُونٹوں کو بھگا کر لے گئے رسول اللہ ﷺ کے غلام نے روکنے کی کوشش کی تو اسے قتل کر کے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں میں کانٹے چبھو دیے، حضور سرورِ دو عالم ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت کرز رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ حضرت کرز رضی اللہ عنہ انہیں گرفتار کر کے لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی شقاوت کا پورا قصاص لیا۔

شہادت:

حضرت کرز رضی اللہ عنہ فتح مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے، آپ معہ حضرت خنیش رضی اللہ عنہ کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دستہ میں تھے مکہ میں داخلہ کے وقت مشرکین مزاحم ہوئے اور اس دستہ پر تیر برسانے شروع کر دیئے جس سے حضرت خنیش رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ حضرت کرز رضی اللہ عنہ نے ان کی لاش سامنے رکھ لی اور یہ رجز۔

ترجمہ ''بنی فہر کی زر درنگ اور صاف چہرے اور سینہ والی عورتیں جانتی ہیں کہ آج میں ابی صخر (خنیش رضی اللہ عنہ) کی جانب سے لڑوں گا''۔

پڑھتے ہوئے مشرکین پر حملہ کر دیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

حضرت غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ

اسلام:

فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔

وفات:

زمانہ وفات غیر متعین ہے۔

استقلال:

"سریہ کدید میں ایک تیر حضرت غالب رضی اللہ عنہ کے پہلو میں لگا اور دُوسرا کندھے پر، آپ نے غیر معمولی استقلال سے کام لیتے ہوئے دونوں تیر کھینچ کر نکال دیے اور اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی"۔

نام ونسب:

آپ کا نام غالب رضی اللہ عنہ اور باپ کا نام عبداللہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے حضرت غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن مشعر بن جعفر بن کلب بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکیر بن عبدمناۃ کنانی لیثی۔

اسلام اور غزوات:

فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے اس غزوہ میں آپ رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے اور راستہ میں بنی کنانہ کے چھ ہزار اُونٹوں کا گلہ ملا، آپ نے ان کا دُودھ نکال کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا جسے حضور ﷺ نے سب کو پلایا۔

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں ساٹھ سواروں کے ہمراہ بنو ملوح کے مقابلہ کے لئے کدید بھیجا راستہ میں حارث بن مالک ملا جسے آپ نے گرفتار کرلیا، اُس نے کہا کہ میں قبولِ اسلام کے لئے بارگاہ نبوت ﷺ میں جارہا ہوں، مسلمانوں نے اس بیان پر اعتبار نہ کیا اور کہا کہ اگر واقعی تمہارا ارادہ اسلام لانے کا ہے تو ایک شب کی قید سے تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا اور اگر ایسا نہیں ہے تو تمہاری طرف سے ہمیں اطمینان رہے گا، چنانچہ اس پر ایک نگران مقرر کر کے مسلمان اپنی منزل کی جانب بڑھے اور غرب آفتاب کے وقت کدید کے قریب پہنچے حضرت غالب رضی اللہ عنہ خود دشمن کے تجسس میں آبادی کے متصل ایک ٹیلہ پر چڑھ کر مُنہ کے بَل لیٹ گئے اور حالات کا جائزہ لینے گے اتفاق سے ایک شخص آبادی کے باہر نکلا اور اسے حضرت غالب رضی اللہ عنہ کا سایہ نظر پڑا، اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے ٹیلہ پر سایہ نظر آرہا ہے پھر خیال کیا کہ شاید کُتا وغیرہ ہو اور کوئی برتن اُٹھا کرلے گیا ہے اُس نے جب دیکھا کہ برتن سب محفوظ ہیں تو اسے یقین ہوگیا کہ ٹیلہ پر کوئی اجنبی آدمی ہے، چنانچہ اس نے بیوی سے تیر منگا کر حضرت غالب رضی اللہ عنہ پر دو تیر چلائے ان میں سے ایک تیر حضرت غالب رضی اللہ عنہ کے پہلو میں لگا اور دُوسرے کندھے پر لیکن آپ نے غیر معمولی استقلال سے کام لیتے

ہوئے دونوں تیر کھینچ کر نکال دئے اور اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی، آپ کے اس استقلال کی وجہ سے اس شخص کا شک رفع ہوگیا کہنے لگا میں نے دو تیر چلائے دونوں لگے، اگر کوئی آدمی ہوتا تو ضرور اپنی جگہ سے حرکت کرتا بہر حال اس اطمینان کے بعد اس نے بیوی کو ہدایت کی کہ صبح دونوں تیر اُٹھا لانا اور پھر چلا گیا جب آبادی کے تمام لوگ سو گئے تو پچھلے پہر مسلمانوں نے شب خُون مار کر آبادی کو لوٹ لیا، اس سے پہلے کہ لوگ اکھٹے ہوں مسلمان مالِ غنیمت لے کر نکل گئے۔ اس کے بعد حضرت غالب رضی اللہ عنہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سریہ میں شریک ہوئے پھر عراق کی فوج کشی میں شرکت کی اور اسی سلسلہ کی مشہور جنگ قادسیہ میں دادِ شجاعت دی۔

گورنری:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ابن زیاد نے آپ کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔

وفات:

وفات کا زمانہ متعین نہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

پیدائش:

۷ھ بعث مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔

اسلام:

آنکھ کھولی تو گھر میں اسلام کی بہار دیکھی اس لئے زندگی بھر کفر وشرک کی آلودگیوں سے پاک رہے۔

وفات:

۵۴ھ بعمر ساٹھ سال وصال ہوا۔

فرمان رسول ﷺ:

حضور نبی کریم ﷺ نے جب صفر ۱۱ھ میں رومیوں کی طرف بھیجے جانے والی فوج کی سرداری حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمائی تو لوگوں نے شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوانوں کو یہ منصب کیوں عطا ہوا؟ رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ کی نسبت (رحلت سے ایک دو دن قبل) ارشاد فرمایا:۔

اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زید رضی اللہ عنہ) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب ان کے بعد یہ سب زیادہ محبوب ہے۔

(مدارج النبوۃ)

نام ونسب:

نام اسامہ رضی اللہ عنہ کنیت ابو محمد اور لقب محبوب رسول اللہ ﷺ تھا والد کا نام حضرت زید رضی اللہ عنہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن زید بن حارثہ بن شرجیل بن کعب بن عبدالعزی بن زید بن امراء القیس بن عامر بن نعمان۔

پیدائش اسلام اور ہجرت:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ۷ھ بعثت میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب غلام اور منہ بولے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ حضرت برکۃ جو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے نام سے مشہور ہیں رسول اللہ ﷺ کی دائی کھلائی تھیں اور حضور ﷺ کے دل میں ان کا اتنا احترام تھا کہ آپ ﷺ فرماتے ام ایمن رضی اللہ عنہا میری ماں ہیں میری ماں کے بعد۔ غرض ماں اور باپ دونوں کی طرف سے محبوبیت کا شرف حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ورثہ میں ملا تھا اور چونکہ آپ آنکھ کھولتے ہی اسلام کی بہار دیکھی اور پھر اسی کے آغوش میں پرورش پائی تھی اس لئے زندگی کا کوئی حصہ کفر وشرک کی آلودگیوں سے ملوث نہ ہوا۔ ہجرت کا شرف رسول اللہ ﷺ ساتھ حاصل کیا۔

غزوات میں شرکت:

اگرچہ واقعہ ہجرت کے بعد ہی غزوات وسرایا کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا تاہم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنی کم عمری کے باعث ان میں حصہ نہ لے سکے۔ مورخین کے مطابق آپ نے پہلی بار رمضان المبارک ۷ھ میں بحیثیت امیر کے میدان جنگ کا رُخ کیا۔ اس وقت گو آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ چودہ سال تھی پھر بھی فطری استعداد وصلاحیت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ شرف عطا فرمایا۔

مورخین کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے جہینہ کی طرف ایک سریہ بھیجا جس کی قیادت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ جب مجاہدین اسلام اپنی منزل پر پہنچے تو جہینہ کے لوگ جمع ہو کر رات کو مقابلہ پر آئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا کہ وہ اطاعت اختیار کر لیں اور مخالفت سے باز آ جائیں لیکن وہ آمادہ جنگ ہوئے اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو منظم کر کے ان پر ایک زبردست حملہ کیا اسی حملہ کے دوران میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص نہیک بن مرداس کا تعاقب کیا اور جب قریب پہنچ کر اس پر تلوار چلانی چاہی تو اس نے "لا الہ الا اللّٰہ" کہا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے پھر بھی اسے تہہ تیغ کر دیا۔ مجاہدین کی واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ بے چین ہو گئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "کیا تو نے اسے "لا الہ الا اللّٰہ" کہنے کے بعد قتل کر دیا"؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول للہ ﷺ اس نے محض جان بچانے کے لئے ایسا کہا تھا۔ رحمتہ للعالمین ﷺ نے فرمایا تو نے اس کا دل چاک کر کے تو نہیں دیکھا تھا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں"۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر بہت افسوس ہوا۔ عرض کی "یارسول

اللہ ﷺ! اب کسی ایسے شخص کو قتل نہ کروں گا جو "لا الہ الا اللہ" پڑھ لے"۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میرے بعد" عرض کی، "آپ ﷺ کے بعد بھی"۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے عذر کو نا قابل قبول سمجھا اور بار بار اس جملہ کو دُہراتے رہے کہ "تم نے ایک شخص کو کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کر دیا"۔ یہاں تک کہ مجھ کو اتنی ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا "کاش آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا"۔ مورخین نے اس سریہ کو سریہ خربہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

فتح مکہ:

فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ ھ) اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ تھا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس میں شریک تھے صحیح روایات کے مطابق جب مکہ فتح ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے ساتھ تھے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جلو میں تھے خانہ کعبہ کھلنے کے بعد چاروں اصحاب ساتھ داخل ہوئے ان کے داخلہ کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا۔

سریہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات اقدس کے آخری ایام میں ایک اہم سریہ رُومیوں کے مقابلہ پر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا جس کی امارت حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی تھی اس سریہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت قتادہ بن نعمان (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

جیسے کبار صحابہ پر شرف امارت عطا ہوا تھا چنانچہ جب بعض لوگوں نے اس کی شکایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو مہاجرین اوّلین پر امیر بنایا ہے تو حضور نبی کریم ﷺ کو اس سے بہت تکلیف پہنچی اور بیماری کی حالت میں منبر پر رونق افروز ہوئے اور اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:۔

"اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زید رضی اللہ عنہ) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے"۔

"تم لوگ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا کرو، کہ وہ تمہارے بہتر لوگوں میں ہے"۔ (مدارج النبوت)

مورخین اسلام نے اس سریہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ ازدی شاہ بصریٰ کے دربار سے سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے کہ مقام موتہ میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کو شہید کر دیا رسول اللہ ﷺ کو اسلامی سفیر کی شہادت کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ۸ھ میں اس کا انتقام لینے کے لئے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک سریہ روانہ فرمایا، دشمن کو چونکہ پہلے خبر ہو چکی تھی اس لئے مجاہدین اسلام جب موتہ کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ غنیم ایک لشکر جرار کے ساتھ مقابلہ پر موجود ہے تاہم حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تین ہزار کی قلیل جمعیت کے ساتھ دشمن کے ٹڈی دَل پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں آپ شہید ہو گئے اور آپ کے ساتھ اکابر صحابہ میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بھی جام شہادت نوش کیا رسول اللہ ﷺ کو ان بزرگوں کی شہادت کا بڑا قلق ہوا چنانچہ اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے ان شہداء کے انتقام

کے لئے (صفر ۱۱ھ میں) ایک سریہ بھیجا جس کی امارت حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی لیکن ابھی یہ سریہ روانہ نہ ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو بیماری کی علامات شروع ہوگئیں۔ حضور ﷺ نے اس کی روانگی ملتوی نہ فرمائی اور اسی بیماری کی حالت میں اپنے دست مبارک سے علم عطا فرما کر روانگی کا حکم دیا اور سریہ روانہ ہوگیا۔

اس سریہ کی پہلی منزل گاہ مدینہ کے قریب مقام جرف تھی اسلامی لشکر ابھی اسی مقام پر تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بیماری طول پکڑ گئی چنانچہ لوگ عیادت کے لئے خدمت اقدس میں آتے تھے اور رُخصت ہو کر جاتے تھے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی چونکہ حضور ﷺ کو بیمار چھوڑ کر گئے تھے اس لئے وہ بھی دیکھنے آجاتے تھے رسول اللہ ﷺ کا مرض زیادہ بڑھ گیا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ مقام جرف سے مزاج پرسی کے لئے آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پر بیہوشی طاری ہے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آکر بوسہ دیا مگر حضور ﷺ بالکل خاموش تھے تاہم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لئے دستِ مبارک آسمان کی طرف اُٹھاتے تھے اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ پر رکھتے تھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ لشکر میں واپس گئے اور دُوسرے دن پھر دیکھنے آئے اس روز چونکہ کچھ افاقہ تھا اس لئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق فوج کو کوچ کا حکم دے دیا لیکن عین روانگی کے وقت آپ کو اپنی والدہ محترمہ حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کی طرف سے پیغام ملا کہ "رسول اللہ ﷺ کا وقت آخر ہے فوراً مدینہ چلے آؤ۔" اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ معہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے بعجلت مدینہ پہنچے، اس وقت رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ اقدس کے آخری لمحات تھے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد پورا اسلامی لشکر جرف سے مدینہ واپس آگیا اور یہ

مہم اس وقت ملتوی ہوگئی مدینہ پہنچ کر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کے ساتھ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوگئے اور جسم اطہر کو قبر انور میں اُتارنے کا شرف بھی حاصل کیا۔ (طبقات ابن سعد حصہ سوم)

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا لیکن اسی دوران فتنہ ارتداد کھڑا ہوگیا اور صحابہ کرام نے ان حالات کے پیش نظر رائے دی کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ والی مہم ملتوی کر کے پہلے مرتدین وکذاب مدعیان نبوت کا استیصال کیا جائے۔ لیکن خلیفہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت نے یہ گوارانہ کیا کہ ارادہ نبوی اور حکم رسالتمآب ﷺ معرض التوا میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ ﷺ کے ایما سے روم کے مقابلہ کے لئے بلند کیا گیا تھا اس کو کسی دُوسری جانب حرکت دی جائے چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

''خدا کی قسم! اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگ کھینچنے لگیں۔ جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا''۔

غرض خلیفہ اوّل نے خطرات ومشکلات کے باوجود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی مہم کو ملتوی نہ کیا اور خود دُور تک پیادہ پا مشائعت کر کے ان کو نہایت زرّیں ہدائتیں فرمائیں چونکہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے، جانشین رسول اللہ ﷺ پیادہ یا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہے تھے اس لئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے تعظیماً عرض کی ''اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں ورنہ میں بھی اُترتا ہوں'' فرمایا ''اس میں کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دیر تک راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں، غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں''۔

بہر کیف حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی مہم رخصت ہو کر حدود شام میں پہنچی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن بعد واپس آئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معہ صحابہ کے مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش و مسرت کے ساتھ ان کا استقبال کیا حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بڑے شاندار طریقے سے مدینہ میں داخل ہوئے آگے آگے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ پرچم لہرا رہے تھے اور ان کے پیچھے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے سبحہ نامی گھوڑے پر سوار تھے۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے پہلے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر گھر گئے۔ (ابن سعد)

دورِ فارُوقی:

چونکہ رسول اللہ ﷺ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بہت محبوب رکھتے تھے اس لئے آپ کے جانشین بھی ان کا بہت لحاظ رکھتے تھے حضرت فارُوقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ہمیشہ ان کا خصوصی خیال رکھا چنانچہ جب آپ نے تمام صحابہ کے وظائف مقرر کئے تو آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ڈھائی ہزار اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا تین ہزار وظیفہ مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب میں تمام غزوات میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے دوش بدوش رہا اور آپ ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کبھی پیچھے نہ رہے تو اس تفریق کا سبب کیا ہے؟ حضرت فارُوقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے لیکن رسول اللہ ﷺ ان کو تم سے اور ان کے والد کو تمہارے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

ابن سعد کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وظیفہ ساڑھے ہزار

اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا چار ہزار درہم تھا۔ (طبقات ابن سعد)

عہد عثمانی رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اگرچہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے فتنہ وفساد کے خیال سے ملکی حالات میں اعلانیہ کوئی حصہ نہیں لیا تاہم ایک خیر خواہ مسلمان کی حیثیت سے نظم ونسق کی بحالی اور مفاسد کی روک تھام کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خفیہ طور پر گفتگو کرتے تھے لوگوں نے جب آپ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ فتنوں کے سدِ باب کے لئے آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے گفتگو کریں تو آپ نے جواب دیا کہ اس خوف سے کہ میری اعلانیہ گفتگو سے کوئی نیا فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو اور اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہو جائے، میں خفیہ گفتگو کرتا ہوں۔

عہد حضرت علی المرتضٰی وحضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم):

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب شورش زیادہ بڑھی تو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بالکل الگ ہوگئے یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی معرکہ آرائیوں میں بالکل الگ تھلگ رہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھستے تو میں بخوشی آپ کا ساتھ دیتا لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔ آپ اگرچہ مسلمانوں کی خونریزی کے خوف سے ان لڑائیوں میں غیر جانبدار رہے اور اپنے اس وعدہ پر قائم رہے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا کہ میں کسی کلمہ گو پر زندگی بھر تلوار نہ اُٹھاؤں گا تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر جانتے تھے اور اپنی اس غیر جانبداری پر آخر تک کفِ افسوس ملتے تھے۔ (سیر الصحابہ حصہ مہاجرین جلد دوم)

وفات:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت ۵۴ھ میں بعمر تقریباً ساٹھ سال مدینہ میں فوت ہوئے۔

اہل وعیال:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں تاہم ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آپ کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد کسی زمانہ میں بھی بیس سے زیادہ نہیں ہوئی بیویوں کے نام یہ ہیں:۔

① زینب بنتِ حنظلہ بن قسامہ، یہ پہلی شادی تھی جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے چودہ برس کی عمر میں کی، یہ نکاح رسول اللہ ﷺ نے کرایا تھا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بعد میں انہیں طلاق دے دی۔

② دُوسری شادی رسول اللہ ﷺ کے ایما سے حضرت نعیم بن عبداللہ النحام رضی اللہ عنہ کے ہاں ہوئی۔

③ ہند بنت فاکہہ

④ درّہ بنت عدی

⑤ فاطمہ بنتِ قیس

⑥ اُمِ حکیم بنت عتبہ

⑦ بنت ابی ہمدان سہمی

⑧ برزہ بنت ربعی

ذریعہ معاش:

دربارِ خلافت سے تین ہزار وظیفہ ملتا تھا، اس کے علاوہ وادی القریٰ میں

کچھ جائیداد تھی جس کے انتظام کے لئے اکثر جایا کرتے تھے۔

فضائل و اخلاق:

اہل سیر کے مطابق بہت سے فضائل بیشتر صحابہ میں مشترک ہیں، لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض ایسے بھی ہیں جو مخصوص فضائل کی بناء پر منفرد ہیں اور یہ فضائل ان کی خصوصیات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اکثر صفات میں اشتراک ہے تاہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا علم و فضل اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا زُہد و تقویٰ ایک کو دُوسرے سے ممتاز کرتا ہے اور یہی صفات دونوں بزرگوں کی زندگی کے روشن ابو اب کہے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ نبوت ﷺ میں پذیرائی اور ان کی محبوبیت ان کو ایک ایسا بلند و برتر مقام عطا کرتے ہیں جو ہر لحاظ سے ان کا طغرائے امتیاز ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی زبانِ مبارک سے بار ہا اس کا اظہار فرمایا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور ﷺ کا طرزِ عمل اس پر شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے متعلقین کی طرح ان سے محبت کرتے تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت کسی تشریح کی محتاج نہیں لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں جو اس میں بھی شریک تھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

''نبی کریم ﷺ مجھے ایک زانو پر بٹھا لیتے تھے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو دُوسرے پر، پھر ہم دونوں کو چمٹا لیتے تھے اور فرماتے تھے ''اے اللہ ان دونوں پر رحمت کر کیونکہ میں بھی ان دونوں سے پیار کرتا ہوں''۔

دُوسری روایت میں ہے کہ:۔

"رسول اللہ ﷺ مجھے (یعنی اسامہ رضی اللہ عنہ) اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو (گود میں) لے کر فرماتے تھے کہ اَے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر"۔ (طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ اقدس کے آخری دنوں میں فرمایا تھا کہ "اس کا باپ (حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما) مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا اب یہ سب سے زیادہ عزیز ہے"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ دروازے کی دہلیز پر پھسل کر گر پڑے جس سے ان کی پیشانی پھٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے عائشہ رضی اللہ عنہا ان کا خون پونچھو"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کراہت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے خود اُٹھ کر خون صاف کیا اور لعابِ دہن لگایا۔

کبھی کبھی وفورِ محبت میں رسول اللہ ﷺ مزاح بھی فرماتے تھے، ابو السفر سے مروی ہے کہ

"جس وقت رسول اللہ ﷺ اور (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھے تھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ دیکھا اور ہنسے فرمایا اگر اسامہ لڑکی ہوتے میں انہیں زیور پہناتا، ان کی آرائش کرتا یہاں تک کہ ان کا بازار گرم ہوجاتا" (یعنی ان کا چرچا ہوتا اور ہر جگہ سے پیغام آتے)۔ (طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

بارگاہ نبوت میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے رسوخ کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب کوئی ایسی سفارش جس سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی جھجکتیں

تھیں۔ رسول اللہ ﷺ سے کرنی ہوتی تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی جاتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

"قریش کو اس عورت کے حال نے پریشان کر دیا جس نے چوری کی تھی ان لوگوں نے کہا کون ہے جو اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کرے لوگوں نے کہا کہ سوائے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے جو رسول اللہ ﷺ کے محب و محبوب ہیں، کون جرات کر سکتا ہے پھر جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم حدود اللہ میں کیوں سفارش کرتے ہو"۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو صرف اس امر نے ہلاک کر دیا کہ جب ان میں شریف چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اللہ کی قسم! اگر (حضرت) فاطمہ بنت محمد ﷺ چوری کرتیں تو ان کا ہاتھ بھی کاٹا جاتا۔ (طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو چونکہ رسول اللہ ﷺ کے محرم راز اور معتمد علیہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس لئے حضور ﷺ اہم سے اہم اور نازک سے نازک خانگی اُمور تک ان سے مشورہ لیتے تھے۔ اِفک جیسے نازک معاملہ میں، جس میں منافقین نے ناموسِ نبوت ﷺ پر حرف لانے کی کوشش کی اور جس کی صفائی خود زبانِ وحی والہام نے دی، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک مشورہ تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

"جب افک والوں نے اتہام لگایا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بن زید سے اپنے اہل خانہ کی علیحدگی کے بارہ میں

مشورہ کیا اور ان سے حالات دریافت کیے"۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھتے تھے اس لئے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم بھی نہ صرف انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ ان کی اولاد کا بھی احترام کرتے تھے ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مسجد کے گوشے میں دیکھا، لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ کسی نے عرض کیا "ابو عبدالرحمٰن، آپ اس کو نہیں پہچانتے؟ یہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد ہیں"۔ آپ نے یہ سن کر سر جھکالیا۔ اور کہنے لگے "اگر رسول اللہ ﷺ انہیں دیکھتے تو محبوب رکھتے"۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس جو چیز اچھی اور بیش قیمت ہوتی وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دے دیتے، ایک دفعہ ذی یزن نے حالت شرک میں ایک قیمتی جوڑا حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا، لیکن اب چونکہ تم لا چکے ہو اس لئے قیمتاً لے لوں گا چنانچہ پچاس دینار میں خرید ایک مرتبہ پہنا اور پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔

اسی طرح ایک بار حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے کتان کا کپڑا رسول اللہ ﷺ کو ہدیۃً پیش کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو پہنا دیا۔ انہوں نے اپنی بیوی کو دے دیا ایک رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کتان کیوں نہیں پہنتے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ میں نے اپنی بیوی کو دے دیا ہے فرمایا اچھا، اس سے کہہ دو کہ نیچے سینہ بند پہن لے ورنہ بدن دکھائی دے گا۔ غرض رسول اللہ ﷺ اپنے اہل و عیال اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ میں کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔

فضل وکمال:

اس حقیقت کے پیش نظر کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی آپ کو سراپا علم ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی اس لئے سن شعور کو پہنچنے کے بعد صحبت نبوی ﷺ سے فیضیاب ہونے کا موقع زیادہ نہیں ملا تھا تاہم اس مدت میں آپ نے جو کچھ حاصل کرلیا تھا اس کو بھی کم نہیں کہا جاسکتا چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال کا کافی ذخیرہ آپ کے سینہ میں محفوظ تھا اس بنا پر بعض مرتبہ کبار صحابہ کو جس چیز کا علم نہ ہوتا تھا اس میں وہ آپ کی طرف رجوع کرتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو جب طاعوان کے متعلق کوئی حکم نہ ملا تو اُنہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ طاعون کے متعلق اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہو تو بتاؤ۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ طاعون ایک قسم کا عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا اس لئے جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور خود تمہارے یہاں وباء پھیلے تو بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد ایک سو اٹھائیس ہے جن میں سے پندرہ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ مزید دو دو بخاری اور مسلم میں ہیں حسن محمد بن عباس حضرت ابو ہریرہ، حضرت کریب، حضرت ابوعثمان نہدی، حضرت عمرو بن عثمان بن عفان، حضرت ابو وائل، حضرت عامر بن سعد، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم وغیرہ نے آپ سے روائتیں کی ہیں۔

اخلاق و عادات:

رسول اللہ ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پانے کے باعث حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق و عادات پر تعلیماتِ نبوی ﷺ کا خاصا اثر پڑا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت:

آپ کا شانہ نبوی ﷺ میں چونکہ اکثر آتے جاتے تھے اور اکثر سفر میں بھی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوتا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرنے کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ وضو وغیرہ کے وقت اکثر پانی لانے کی خدمت حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ انجام دیتے تھے۔

سنت کی پابندی:

سنت کی شدت سے پابندی کرتے تھے آخر عمر میں جبکہ قویٰ مضمحل ہوگئے تھے اور جسمانی ریاضت برداشت نہ کرسکتے تھے، اس وقت بھی مسنون روزے التزام سے رکھتے تھے۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے غلام سے مروی ہے:۔

"آپ دو بروز پیر اور جمعۃ المبارک کا روزہ رکھتے تھے میں نے ان سے کہا کہ آپ سفر میں بھی روزہ رکھتے ہیں حالانکہ آپ بوڑھے ہوگئے ہیں، فرمایا "میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ پیر اور جمعہ کو روزہ رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ اعمال دو پیر اور جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں"۔ (طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

اطاعتِ والدین:

حضرت اُسامہ والدین کی خوشنودی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور

اس میں کسی بھی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے عہدِ خلافت میں کھجور کے درخت کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ گئی تھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کھجور کے ایک درخت کو چیر کر اس کا گودا نکالا اور اپنی والدہ کو کھلا دیا۔ لوگوں نے جب اتنا قیمتی درخت ضائع کرنے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میری ماں نے اس کی فرمائش کی تھی، مزید فرمایا کہ وہ مجھ سے جب کسی ایسی چیز کی فرمائش کریں گی جس کے حصول پر میں قادر ہوں گا تو اس کو میں ضرور پوری کروں گا۔

حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

قبول اسلام:

لیلۃ العقبہ (۱۳ھ بعثت) میں مشرف باسلام ہوئے۔

شہادت:

بعہدِ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معرکہ عین التمر (۱۲ھ) میں شہید ہوئے۔ (عمر متعین نہیں)۔

نام ونسب:

نام، بشیر رضی اللہ عنہ والد کا نام سعد اور کنیت ابونعمان تھی۔ آبائی سلسلہ نسب یہ ہے۔ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ بن سعد بن ثعلبہ بن خلاص بن زید بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج الانصاری۔ آپ کی والدہ کا نام عمرہ تھا جو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔

قبول اسلام:

لیلۃ العقبہ ۱۳ھ بعثت میں مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات میں شرکت:

آپ غزوہ بدر اُحد خندق وغیرہ تمام مشاہد میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ شوال ۷ھ میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو تیس مجاہدین کے ساتھ بنومرہ کی سرکوبی کے لئے جانب فدک روانہ فرمایا۔ مجاہدین نے وہاں پہنچتے ہی ان کے مال پر دھاوابول دیا اور ان کے اونٹ اور بکریاں وغیرہ ہنکا کر لے آئے بنو مرہ نے مسلمانوں کا تعاقب کیا اور راستہ میں آمنا سامنا ہوگیا۔ لڑائی میں کچھ کفار بھاگ گئے اور کچھ گرفتار ہوئے مسلمان مال غنیمت لے کر مدینہ پہنچ گئے۔

کفار سے تصادم میں حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے چنانچہ آپ واپس فدک چلے گئے وہاں ایک یہودی کے ہاں رہے اور صحت یاب ہو کر مدینہ واپس آئے۔ (طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

انہی ایام میں حضرت حسیل بن نویرہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ غطفان اور حیان کے لوگ جمع ہیں اور عیینہ بن حصن فزاری نے ان کو کہلا بھیجا ہے کہ تم آتے ہو کہ ہم آئیں۔ ان لوگوں کا ارادہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صورت حال سے آگاہ ہو کر حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو تین سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا۔ مسلمانوں نے وہاں پہنچتے ہی غارت ڈالی دشمن منتشر ہو گیا اور مجاہدین اسلام ان کے جانوروں کو لے کر چلے۔ راستے میں عیینہ کا جاسوس ملا جسے مسلمانوں نے قتل کر دیا۔ پھر اس کی جماعت ملی مگر وہ ان حالات سے بے خبر ہونے کے باعث بغیر کسی تصادم کے آگے بڑھ گئی۔ مسلمانوں کو اس جماعت کے دو آدمی علیحدہ ملے جنہیں وہ گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ یہاں پہنچ کر دونوں مسلمان ہو گئے۔

ابن سعد کے مطابق رسول اللہ ﷺ جب عمرۃ القضا کے لئے ماہ ذیقعد ۷ھ میں روانہ ہوئے تو ہتھیار آگے بھیج دیئے جن پر حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو عامل بنایا۔ (طبقات ابن سعد)

عہد صدیقی:

مورخین کے نزدیک یوم سقیفہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر انصار میں سے سب سے پہلے بیعت کرنے والے یہی بزرگ ہیں۔

شہادت:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر امارت جنگ عین التمر میں سرگرم پیکار تھے کہ جام شہادت نوش کیا۔

حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ

پیدائش:

بعثت نبوی ﷺ کے وقت آپ کی عمر تقریباً پندرہ سال تھی اس بنا پر آپ اندازاً ۵۹۵ء میں پیدا ہوئے۔

اسلام:

ابتدائے عہد اسلام میں مشرف باسلام ہوئے۔

شہادت:

یوم یمامہ ۱۲ھ میں چالیس سال سے کچھ اوپر عمر کے تھے کہ جام شہادت نوش کیا۔

فرمان رسول اللہ ﷺ:

حضور نبی کریم ﷺ نے محرم ۷ھ میں حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر غوطہ کے رئیس حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس بھیجا، دعوت اسلام کا جو خط آپ لے کر گئے، اُس کے الفاظ یہ تھے:۔

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله الى الحارث ابن ابى شمر اسلام
على من اتّبع الهدىٰ وامن به وصدق وانى ادعوك الى ان
تو من بالله وحده لاشريك له يبقى لك ملكلك

ترجمہ: نام خدا کے ساتھ بڑا مہربان اور رحیم ہے محمد رسول خدا کی طرف سے حارث بن ابی شمر کو سلام ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے ایمان لائے اور تصدیق کرے بیشک میں تم کو اس خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں (ایسی صورت میں) تمہاری سلطنت باقی رکھی جائے گی۔

نام ونسب:

نام، حضرت شجاع رضی اللہ عنہ اور کنیت ابو وہب تھی، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔
حضرت شجاع رضی اللہ عنہ بن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن دودان اسد بن خزیمہ۔ ایام جاہلیت میں آپ کا خاندان بنوشمس کا حلیف تھا۔

اسلام اور ہجرت:

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ابتداہی میں داعی توحید کو لبیک کہا اور مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر حبش کی طرف ہجرت کی۔ مورخین کے نزدیک آپ نے سرزمین حبش کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی تھی۔

حبش سے واپسی ہجرت مدینہ:

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریش مکہ نے رسول ﷺ کی دعوت توحید سے متاثر ہو کر اسلام کی حقانیت قبول کر لی ہے تو آپ کو وطن کی محبت پھر مکہ کھینچ لائی لیکن پہنچ یہاں پہنچ کر جب یہ افواہ غلط ثابت ہوئی تو مکہ میں چند روز قیام کے بعد دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ پہنچے اور مواخات میں حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ سے رشتہ اخوت قائم ہوا۔

غزوات میں شرکت:

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ غزوہ بدر اور غزوہ اُحد اور تمام دوسرے مشہور مشاہد میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ ماہ ربیع الاول ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر مقام رسی (یا ایسی بقول ابن سعد) میں بنو ہوازن مسلمانوں کے خلاف لشکر جمع کر رہے ہیں یہ لوگ چونکہ اس سے پیشتر بھی چند بار دشمنان اسلام کو مدد دے چکے تھے اس لئے بنو ہوازن کے ارادہ سے باخبر ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کو ان کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ چوبیس مسلمانوں کی ایک جمعیت لے کر دن کو چھپتے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے اچانک ان پر جا پڑے اور انہیں شکست دے کر بہت سے اونٹ اور بکریاں چھین لائے مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو دیگر اسباب و سامان کے علاوہ پندرہ پندرہ اونٹ حصے میں ملے تھے۔

سفارت:

غزوہ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے چہارم شنبہ یکم محرم ۷ھ کو دعوت اسلام کے چھ خطوط سلاطین عالم کے پاس روانہ فرمائے ان میں سے ایک نامہ مبارک حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ لے کر حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس گئے تھے۔ اللہ تعالی نے غوطہ کے اس رئیس قبول کر لیا اور حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کی معرفت بارگاہ نبوت ﷺ میں پیام وسلام بھیج کر پوشیدہ طور پر دین اسلام پر قائم رہنے کی خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔

شہادت:

جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور اسی میں جام شہادت نوش فرمایا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال سے کچھ زائد تھی۔

(طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

پیدائش:

آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بعثت نبوی ﷺ کے وقت تقریباً دس سال کے تھے۔ اس بنا پر آپ بعثت نبوی ﷺ سے بیس سال اندازاً ۵۹۰ء میں پیدا ہوئے۔

قبول اسلام:

حضور نبی کریم ﷺ کے دار ارقم میں پناہ گزین ہونے سے قبل داخل اسلام ہوئے۔

شہادت:

ماہ جمادی الاول ۸ھ مطابق اگست۔ ستمبر ۶۲۹ء میں بعمر اکتالیس سال سریہ موتہ میں جام شہادت نوش کیا۔

فرمان رسول ﷺ:

حضرت محمد بن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نبی کریم ﷺ کو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے

فرماتے سنا کہ۔

تمہاری فطرت میری فطرت کے مشابہ ہے اور تمہاری خصلت کے مشابہ ہے۔ تم مجھ سے ہوا اور میرے شجرے سے ہو۔

(طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

نام ونسب:

نام، جعفر کنیت ابو عبداللہ، والد کا نام عبد مناف (ابی طالب) اور والدہ کا فاطمہ تھا۔ شجرہ نسب یہ ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی القرشی الہاشمی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے ابن عم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے آپ عمر میں ان سے تقریبا دس سال بڑے تھے۔

قبول اسلام:

حضور نبی کریم ﷺ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشغول عبادت تھے کہ حضرت ابوطالبؓ نے دونوں کو سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا۔ چنانچہ اپنے صاجزادے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا تم بھی اپنے ابن عم کے ایک پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حسب الحکم رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز ادا کی انہیں خدائے واحد کی پرستش وعبادت میں کچھ ایسا سرور ملا کہ بہت جلد یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے دارارقم میں پناگزین ہونے سے قبل ہی پرستاران حق کے حلقہ میں شامل ہو گئے اس وقت تک صرف اکیتس بائیس آدمی ہی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

ہجرتِ حبش:

مشرکین قریش کے ظلم وستم سے تنگ آکر جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر دوسری بار حبش کی طرف ہجرت کی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی معہ اپنی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے اس قافلہ میں شامل ہو کر حبشہ چلے گئے لیکن قریش نے یہاں بھی مسلمانوں کو آرام سے رہنے نہ دیا اور انہیں حبشہ سے نکلوانے کے لئے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ پر مشتمل ایک وفد نجاشی شاہ حبش کے دربار میں بھیجا۔

جب قریش مکہ کی یہ سفارت مقربین شاہ کی کوششوں سے باریاب ہوئی اور تحائف وہدایا بادشاہ کی نذرگزار کر اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے درخواست کی کہ:

ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور ﷺ کے قامروئے حکومت میں چلے آئے ہیں انہوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو کوئی پہلے جانتا بھی نہ تھا ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں۔

لیکن بادشاہ نے درباریوں کی سفارش کے باوجود یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ حالات دریافت کئے بغیر ان لوگوں کو جنہوں نے اس کے ملک میں پناہ لی ہے کسی مخالف کے حوالے نہیں کر سکتا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی دربار میں اسلام پر تقریر:

اس کے بعد بادشاہ نے صحابہ کو دربار میں بلایا جب صحابہ دربار میں پہنچے

اور بجائے کورنش بجا لانے کے صرف سلام پر اکتفا کیا تو مسلمانوں کا یہ طرز عمل مقربین شاہ کو نہایت گراں گزرا کیونکہ دربار میں بادشاہ کو سجدہ کرنے کا رواج تھا اور مسلمانوں نے ایسا کرنے سے گریز کیا تھا اس پر بادشاہ نے صحابہ سے پوچھا کہ تم لوگوں نے دربار کے دستور کے مطابق سجدہ کیوں نہیں کیا مسلمانوں نے چونکہ نجاشی سے گفتگو کے لئے اپنی طرف سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا تھا اس لئے آپ جواب دینے کے لئے اٹھے اور کہا کہ ہم سوائے اللہ کے اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے یہاں تک کہ ہم اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی صرف سلام کہتے ہیں بادشاہ نے پھر سوال کیا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے علاوہ وہ کونسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے بت پوجتے تھے مردار کھاتے تھے بدکاریاں کرتے تھے ہمسایوں کو ستاتے تھے بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صداقت و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں نماز پڑھیں روزے رکھیں زکوۃ دیں ہم اس پر ایمان لائے شرک و بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے اس جرم پر ہماری قوم جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں واپس آجائیں۔

نجاشی نے کہا۔تمہارے نبی ﷺ پر جو کتاب اتری ہے اس کو کہیں سے پڑھ کر سناؤ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اس نے کہا خدا کی قسم یہ کلام

اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ یہ کہہ کر قریش کے سفیروں کو دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا واللہ! میں ان کو کبھی واپس جانے نہ دوں گا۔

مورخین اسلام کے مطابق دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا۔ حضور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے۔ نجاشی نے جواب دینے کیلئے مسلمانوں کو بلایا ان لوگوں کو تردد ہوا کہ کیا جوابدیں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کچھ بھی ہو خدا اور رسول ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے۔ غرض دربار میں پہنچے تو نجاشی نے پوچھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تمہارا کیا اعتقاد ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہمارے پیغمبر ﷺ نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمتہ اللہ ہیں۔ اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا واللہ جو تم نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس تنکا کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔ یہ سن کر دربار کے پادری جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے نہایت برہم ہوئے اور ان کے نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ لیکن نجاشی نے اس غصہ کی قطعی پرواہ نہ کی غرض قریش کے سفیر بالکل ناکام واپس مکہ لوٹے۔

حبش سے مدینہ:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کے چھ سال بعد تک حبشہ میں ہی رہے ۷ھ میں آپ حبشہ سے مدینہ تشریف لائے یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو چکا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے اس موقع پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد سے مسلمانوں کی خوشیاں دوبالا ہوگئیں رسول اللہ ﷺ

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے ملے تو آپ ﷺ نے انہیں گلے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا۔

مجھے نہیں معلوم کہ میں دونوں میں سے کس پر خوشی کروں حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) کی آمد پر یا فتح خیبر پر۔ (طبقات ابن سعد جلد چہارم).

عمرۃ القضا:

خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ ذیقعد ۷ھ میں عمرۃ القضا کے لئے تشریف لے گئے اور حسب معاہدہ مکہ میں تین دن قیام کے بعد جب مدینہ روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صغیرالسن صاجزادی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا جو مکہ میں رہ گئی تھی دوڑی دوڑی رسول اللہ ﷺ کی طرف آئی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دونوں نے اسے اپنی سرپرستی میں لینے کے لئے اپنے دعوے پیش کئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ میرے دینی بھائی تھے اس رشتہ سے میری بھتیجی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ یہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری گود میں آئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے سب کے دعوں کو مساوی الدرجہ دیکھ کر حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی گود میں دے دیا جو حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں پھر فرمایا خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق جب حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہو گیا تو آپ اٹھے اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد گھومنے لگے حضور ﷺ نے فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ عرض کی یہ وہ شے

ہے جو میں نے حبشیوں کو اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے دیکھا ہے۔

(طبقات ابن سعد)

غزوہ موتہ:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو حبشہ سے واپس ہوئے ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کے امتحان کا وقت آ گیا۔ جمادی الاولی ۸ ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عطا کر کے فرمایا۔ اگر حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس جماعت کے امیر ہوں گے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مقرب خاص اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ کو امید تھی کہ اس مہم میں شرف امارت ان کو ہی عطا کیا جائے گا مگر جب یہ شرف حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت ہوا تو آپ نے حضور رسالتمآب ﷺ میں عرض کی۔

یا رسول اللہ ﷺ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مجھ پر امیر بنائیں گے۔

ارشاد ہوا:۔

اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتری کس میں ہے۔

شہادت:

غرض موتہ پہنچ کر معرکہ کا رزار گرم ہوا تین ہزار غازیان اسلام کے مقابلہ پر غنیم کا ایک لشکر جرار تھا تا ہم مجاہدین حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دشمن پر حملہ آور ہوئے حضرت زید رضی اللہ عنہ شوق شہادت میں لڑتے لڑتے

دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور چاروں طرف سے تلواروں اور برچھیوں میں گھر کر جام شہادت نوش کیا ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا دونوں ہاتھ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ مگر پھر بھی آپ نے علم توحید کو سرنگوں نہ ہونے دیا بالا آخر جب شہید ہو کر گرے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اور ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے علم اسلام سنبھالا اور بڑی کامیابی سے فوجوں کو دشمن کی زد سے بچا لائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس معرکہ میں شریک تھے فرماتے ہیں۔

میں نے ان کی (یعنی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی) لاش دیکھی تھی تلواروں اور برچھیوں کے نوے (۹۰) زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے پشت نے یہ زخم نہیں اٹھایا تھا۔ (مدارج النبوت)

رسول اللہ ﷺ کا حزن و ملال:

میدان کارزار میں جو کچھ ہو رہا تھا اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھا چنانچہ میدان جنگ سے خبر آنے سے پیشتر ہی رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال بیان فرما دیا تھا ان کی شہادت کی خبر دیتے وقت حضور نبی کریم ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری تھے اور رخ انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

''میں آٹا گوندھ چکی تھی اور بچوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا، ''جعفر (رضی اللہ عنہ) کے بچوں کو لاؤ''۔ میں نے ان کو حاضر خدمت کیا تو آپ ﷺ آبدیدہ ہو کر انہیں پیار فرمایا، میں نے کہا کہ میرے ماں باپ فدا ہوں یا رسول اللہ ﷺ آپ آبدیدہ کیوں ہیں؟ کیا جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے فرمایا ہاں وہ شہید ہو گئے''۔ یہ سن کر میں چیخنے چلانے لگی۔ محلہ کی عورتیں میرے اردگرد جمع ہو گئیں، رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات سے فرمایا کہ آل جعفر رضی اللہ عنہ کا خیال رکھنا آج وہ ہوش میں نہیں ہیں''۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ اوّل)

سیّدہ خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے محترم چچا کی دائمی مفارقت کا شدید غم تھا شہادت کی خبر سن کر بادیدہ تر، واعماہ، واعماہ، کہتے ہوئے بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

''بیشک حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیے''۔

ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے آل حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو تین دن کی مہلت دی۔ اس کے بعد ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میرے بھائی پر آج کے بعد نہ رونا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بھائی کے لڑکوں کو میرے پاس لاؤ، میں اس حالت میں لایا گیا کہ گویا ہم ذلیل وکمزور تھے فرمایا میرے پاس حجام آیا تو آپ نے ہمارے سر منڈ وائے، پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور تین مرتبہ فرمایا:۔

''اے اللہ! تو جعفر رضی اللہ عنہ کے اہل میں ان کا خلیفہ ہو جا اور عبداللہ کے

ہاتھ کے معاملات میں برکت دے"۔

اس کے بعد ہماری والدہ آئیں اور ہماری یتیمی بیان کر کے آپ کو غمگین کرنے لگیں، فرمایا "تم ان لوگوں پر تنگدستی کا اندیشہ کرتی ہو حالانکہ میں دنیا و آخرت میں ان کا ولی ہوں"۔ (طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

رسول اللہ ﷺ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی دائمی جدائی کا عرصہ تک شدید غم رہا یہاں تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دو نئے بازو عطا کئے ہیں جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں"۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ شہید ہیں اور جنت میں داخل ہو گئے ہیں اور اپنے دو یاقوت کے بازوؤں سے اڑ کر جنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں۔" چنانچہ روح الامین کی بشارت اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی بنا پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالجناحین اور طیار ہو گیا۔ (ایضاً)

فضائل ومحاسن:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بڑے کشادہ دست اور فیاض تھے انہیں غربا اور مساکین کو کھانا کھلانے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ ان کو ابوالمساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مساکین کے حق میں سب سے بہتر تھے وہ ہمیں لے جاتے تھے اور جو کچھ گھر میں ہوتا سب کھلا دیتے تھے یہاں تک کہ وہ گھی کا مشکیزہ ہمارے پاس نکال لاتے جس میں اگر کچھ نہ ہوتا تو اسے نچوڑتے

اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد چہارم)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کا پایہ نہایت بلند تھا۔ حضرت محمد بن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے۔تمہاری فطرت میری فطرت کے مشابہ ہے اور تمہاری خصلت میری خصلت کے مشابہ ہے تم مجھ سے ہو اور میرے شجرے سے ہو"۔

مزید فرمایا کرتے:۔

مجھ سے پہلے جس قدر نبی گزرے ہیں ان کو صرف سات رفیق دے گئے تھے لیکن میرے رفقائے خاص کی تعداد چودہ (۱۴) ہے ان سے ایک جعفر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔" (طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی شخص جس نے جوتا پہنا، سواریوں پر سوار ہوا اور عمامہ باندھا وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے افضل نہ تھا، حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے لیکن جب اپنے والد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیئے نہ رہتے۔ (طبقات ابن سعد)

ازواج واولاد:

بیویوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے عبد اللہ، محمد اور عوف پیدا ہوئے ان میں صرف حضرت عبد اللہ سے نسل چلی۔

(طبقات ابن سعد)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

پیدائش:

اگرچہ آپ کے زمانہ ولادت میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم اکثر مورخین اس حقیقت کے معترف ہیں کہ آپ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے عمر میں سات سال بڑے تھے۔ اس بناء پر آپ بعثت نبوی ﷺ سے چونتیس سال قبل اندازاً ۵۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ (واللہ اعلم)

قبولِ اسلام:

صفر ۸ھ بمطابق جون ۶۲۹ء میں اسلام قبول کیا۔

وفات:

یوم عید الفطر ۴۳ھ بعمر نوے سال۔

(اس ضمن میں بعض مورخین نے ۴۷ھ اور ۵۱ھ کا ذکر بھی کیا ہے،

(واللہ اعلم) (سیرت عمرو بن عاص مولفہ محمد فرج مصری)

فرمان رسول اللہ ﷺ:

قبولِ اسلام کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچ کر

بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:۔

''یارسول اللہ ﷺ! میں بیعت کروں گا لیکن آپ میرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کردیجئے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا، ''عمرو بیعت کرلو، اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو معاف کردیتا ہے اور ہجرت بھی اپنے ماقبل گناہوں کو ختم کردیتی ہے''۔ چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کرکے (مکہ) لوٹ گیا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

خدا کی قسم جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا اُس دن سے رسول اللہ ﷺ میرے اور دُوسرے صحابہؓ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے:۔

(حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مولفہ فرج مصری)

نام ونسب:

نام، عَمرو اور کنیت ابوعبداللہ اور ابومحمد تھی، والد کا نام عاص اور والدہ کا نام نابغہ تھا، جدّی سلسلہ نسب یہ ہے۔ حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بن وائل بن ہاشم (یا ہشام) بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی بن غالب قرشی سہمی۔

ننھالی نسب یہ ہے نابغہ (سلمٰی) بنت حرملہ بن حارث بن کلثوم بن جوشن بن عمرو بن عبداللہ، یہ قحطانی قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنوعذرہ سے تعلق رکھتی تھی۔

ایک بار ڈاکوؤں نے قبیلہ پر حملہ کیا اور اسے قیدی بنا کر سوقِ عکاظ میں فاکہ بن مغیرہ کے ہاتھ بیچ ڈالا، فاکہ سے عبداللہ بن جدعان نے خریدلیا اور عاص بن وائل کو ہدیۃً دے دیا، حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خاندان بنوسہم

زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آ رہا تھا، قریش کے سیاسی نظام میں فصل مقدمات کا عہدہ اسی خاندان میں تھا حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے والد عاص کو زمانہ جاہلیت میں بڑی عزت و شہرت حاصل تھی، اسی وجہ سے مورخین نے اسے قریش کے حکام میں شمار کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عاص کی زندگی میں نبوت ﷺ کا دعویٰ کیا لیکن نہ صرف یہ کہ عاص آپ ﷺ پر ایمان نہ لایا بلکہ آپ ﷺ کے راستے میں سنگ گراں بن کر حائل ہوگیا اور آخری لمحہ حیات تک حضور سرورِ دو عالم ﷺ کو اپنی اسلام دشمنی اور زبان درازیوں سے بیحد تکلیف پہنچاتا رہا۔

قبل از اسلام:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے بھی جب تک اسلام قبول نہ کیا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور ایذا رسانی میں اپنے باپ کے صحیح جانشیں ثابت ہوئے اور اسلام کے خلاف ہر سازش میں دیگر عمائد قریش کی طرح ہمیشہ پیش پیش رہے، چنانچہ مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب ہجرت کر کے حبشہ گیا تو قریش کا جو وفدان لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لئے نجاشی کے پاس گیا تھا اس کے سرگرم رُکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص ہی تھے، آپ نے حبش پہنچ کر درباریوں سے ملاقات کی تحائف وغیرہ دے کر اُنہیں ہموار کیا، سب سے یہی کہا کہ ہمارے ہاں کے چند آدمی اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر یہاں آگئے ہیں، انہوں نے مسیحیت اور یہودیت بھی قبول نہیں کی لہٰذا انہیں ملک سے نکال دینے پر زور دینا چاہیے، پھر آپ نے دربار میں پہنچ کر شاہ حبش کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے اسی انداز میں گفتگو کی۔ درباریوں اور پادریوں نے بھی حسب قرار داد، آپ کے مطالبے کی

تائید کی لیکن ان ساری کوششوں کے باوجود شاہ حبش نے مسلمانوں کے اخراج کا مطالبہ تسلیم نہ کیا اور آپ کی تمام مساعی ناکام رہیں۔

اس کے بعد خندق کا معرکہ پیش آیا جس میں سارا عرب مسلمانوں کے خلاف اُمڈ آیا تھا، اس موقعہ پر بھی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص قریش کی فوج میں شامل تھے اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔

اسلام کی طرف میلان:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اگرچہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے تاہم غزوہ خندق کے بعد اسلام سے متاثر ہونے لگے، وہ اکثر دُنیا اس کے انجام اور اسلام کی تعلیمات پر غور کیا کرتے تھے۔ آپ کا اپنا بیان ہے کہ اس غور و فکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہونے لگی اور میرا دل اس سے متاثر ہونے لگا۔ چنانچہ میں نے رفتہ رفتہ مسلمانوں کی مخالفت سے کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کی، قریش نے میری اس قلبی کیفیت کو بھانپ کر ایک شخص اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے میرے پاس بھیجا جس نے مجھ سے بحث شروع کی، میں نے اس سے کہا کہ بتاؤ، ہم حق پر ہیں یا فارس و رُوم والے، اُس نے کہا 'ہم' پھر میں نے پوچھا کہ عیش و تنعم ان کو میسر ہے یا ہم کو، اُس نے کہا، "اُن کو"، پھر میں نے کہا، کہ اگر اس عالم کے بعد دُوسرا عالم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی۔ جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلہ پر تنگ حال رہے اور دُوسرے عالم میں بھی جزا کی کوئی اُمید نہ ہو، اس لئے محمد (ﷺ) کی یہ تعلیم کہ مرنے کے بعد دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی، کس قدر صحیح اور دلنشیں ہے۔

قبول اسلام:

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ غزوہ خندق کے بعد آپ اسلام سے متاثر ہونے لگے تھے، چنانچہ جب آپ جنگ خندق سے واپس آئے تو آپ نے قریش کے ان آدمیوں کو جو آپ کی رائے سے اتفاق کرتے اور آپ کی بات توجہ سے سنا کرتے تھے، جمع کر کے کہا:۔

''خدا کی قسم! مجھے تو اب یہ دکھائی دے رہا ہے کہ محمد ﷺ کا ستارہ اَوج پر پہنچنے والا ہے، اس حالت میں ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہاں سکونت اختیار کرلیں، کیونکہ نجاشی کی حکومت میں رہنا محمد (ﷺ) کے تابع ہوکر رہنے سے بہتر ہے، اگر محمد ﷺ نے ہماری قوم پر غلبہ حاصل کرلیا تو اس طرح سے ہم ان کی دسترس سے باہر رہیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آگئی تو ہم ممتاز لوگ ہیں اور ہمارے ساتھ ان کا طرز عمل بہتر ہی ہوگا''۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اگرچہ بزعم خویش اسلام سے دُور جارہے تھے لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ اسلام کی جن سچائیوں سے متاثر ہوکر اُنہوں نے مسلمانوں اور قریش کی باہمی کشمکش سے کنارہ کشی اختیار کی ہے، وُہی سچائیاں بہت جلد اُن کو اسلام کی دہلیز پر جھکا دیں گی، مگر فی الحال اسلام کی چوکھٹ سے ان کی جبیں تک کچھ فاصلہ باقی تھا جسے طے کرنا ضروری تھا، یہ فاصلہ کیسے طے ہوا؟ اس کی رُوداد خود ان کی زبانی سنیئے، فرماتے ہیں:۔

''جب میں نے یہ تجویز اپنے ساتھیوں کے سامنے پیش کی تو سب نے اس پر اتفاق کیا تو پھر میں نے کہا کہ اب جبکہ تم نے حبش جانے کا قصد کرلیا ہے، تو

نجاشی کے لئے کچھ عمدہ سوغاتیں لے چلو، ہمارے ہاں چونکہ سب سے بہتر تحفہ چمڑا تھا اس لئے بہت سا چمڑا لے کر ہم لوگ حبشہ روانہ ہو گئے۔

جب ہم نجاشی کے محل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ حضرت عمر بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ (جنہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے رُفقاء کی کسی ضرورت سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا) بادشاہ کے محل میں داخل ہوئے اور کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے، اس پر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم نجاشی سے درخواست کریں کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالے کر دے، اگر وہ دے دے تو اس کی گردن ماردیں تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد ﷺ کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا، یہ کہہ کر میں نجاشی کے دربار میں گیا اور حسب معمول سجدہ کیا، اُس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا کہ میرے لئے اپنے ملک سے کیا تحفہ لائے ہو، میں نے جواب دیا، حضور بہت سا چمڑا تحفہ میں لایا ہوں، پھر (یہ تحفہ) اس کو پیش کر دیا جسے اُس نے بہت پسند کیا پھر موقع غنیمت جان کر عرض کیا، جہاں پناہ میں نے ابھی ایک آدمی کو آپ کے دربار سے نکلتے دیکھا ہے، وہ ہمارے دشمن کا ایلچی ہے، آپ کی بڑی نوازش ہوگی اگر اس کو میرے حوالے کر دیں تاکہ میں اسے قتل کر دوں کیونکہ اُس نے ہمارے متعدد سرداروں اور معززین کو تکلیفیں پہنچائی ہیں، نجاشی یہ درخواست سن کر سخت غضبناک ہوا اُس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر اُس زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں نے خیال کیا کہ وہ ضرور ٹوٹ گئی ہوگی، میں یہ دیکھ پر بہت شرمندہ ہوا اور کہا کہ جہاں پناہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات ناگوار گزرے گی تو میں کبھی ایسا سوال آپ سے نہ کرتا، وہ بولا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کے قاصد کو قتل کے لئے تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وُہی ناموسِ اکبر (حضرت جبرائیل علیہ السلام) آتا ہے جو حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے پاس آتا تھا، میں نے عرض کیا، جہاں پناہ! کیا واقعی ایسا ہے؟ اُس نے کہا "اے عمرو تم پر افسوس! تم میرا کہا مانو اور اس کی اطاعت قبول کرلو، خدا کی قسم! وہ حق پر ہے، اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آگئے تھے اسی طرح یہ شخص بھی اپنے دشمنوں پر غالب آجائے گا"۔ میں نے کہا، میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، کیا آپ اسلام پر میری بیعت لے سکتے ہیں؟ اُس نے کہا، کیوں نہیں، یہ کہہ کر اُس نے ہاتھ بڑھایا اور میں نے اسلام کی بیعت کی، یہاں سے جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا تو میرے خیالات پلٹ چکے تھے، لیکن میں نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا اور رسول ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی غرض سے مدینہ روانہ ہوگیا، راستہ میں مجھے خالد بن ولید مکہ سے آتے ہوئے ملے (یہ فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے کا واقعہ ہے) میں نے پوچھا، اَے ابا سلمان! کہاں کا ارادہ ہے"؟ اُنہوں نے کہا "مجھ پر یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ محمد اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہیں، اس لئے میں تو اسلام قبول کرنے جارہا ہوں، آخر کب تک ہم ان کی مخالفت کرتے جائیں گے" میں نے کہا، "خدا کی قسم! میں بھی مسلمان ہونے کے لئے جارہا ہوں"، چنانچہ ہم دونوں مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور نبی کریم ﷺ کو ہماری آمد کی اطلاع ہوچکی تھی اور آپ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، پہلے خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر بیعت کی، پھر عثمان بن طلحہ نے، اس کے بعد میری باری آئی، میں آگے بڑھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے بیٹھ گیا، لیکن شرم کے مارے میری نگاہ آپ کے سامنے نہ اُٹھتی تھی، میں نے دربارِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا، "یارسول اللہ ﷺ میں بیعت کروں گا لیکن میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیجئے"، آپ ﷺ نے فرمایا "عمرو بیعت کرلو، اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کی معاف کردیتا

ہے اور ہجرت بھی اپنے ماقبل گناہوں کو ختم کر دیتی ہے"۔ چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے (مکہ) لوٹ گیا۔

(حضرت عمرو بن العاص مولفہ محمد فرج مصری)

ہجرت:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص قبولِ اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے پھر کچھ دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔

غزوات و سرایا:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص ایک انتہا پسند آدمی تھے، چنانچہ جس طرف بھی رہے اپنی روش پر قائم رہے، قبولِ اسلام سے قبل آپ نے اسلام کے استیصال کے لئے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور جب اسلام لائے تو اسی شدّ و مد کے ساتھ کفر و شرک کی بیخ کنی پر کمر بستہ ہو گئے، قبول اسلام کے بعد آپ گزشتہ مخالفتوں کو یاد کر کے پشیمان ہوتے، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ جب میں حالت کفر میں تھا تو رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا اور اگر اسی حالت میں مر جاتا تو دوزخ کے علاوہ کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور جب میں بیعت کر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہوا تو کبھی رسول اللہ ﷺ سے آنکھیں چار نہ کر سکا، مزید فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم! جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا اُس دن رسول اللہ ﷺ میرے اور دُوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے"۔

رسول اللہ ﷺ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے قبولِ اسلام سے بہت خوش تھے، حضور نبی کریم ﷺ کو ان کی ذہنی اور عسکری صلاحیتوں پر اس قدر بھروسہ تھا کہ آپ نے انہیں قبولِ اسلام کے چند روز بعد ہی ایک سریہ کی امارت

مرحمت فرما کر جہادِ فی سبیل اللہ کے لئے روانہ فرما دیا اور اس طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو آغاز ہی سے اسلام کی خاطر خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی،

سریہ ذات السلاسل:

رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قبیلہ قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ کے اطراف پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہو رہی ہے، حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے جمادی الثانی ۸ھ میں سفید علَم دُرست فرما کر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو تین سو مجاہدین کے ساتھ اس جماعت کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا، لیکن جب مسلمان قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس صورتِ حال کے پیش نظر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن کیث الجہنی رضی اللہ عنہ کو دربارِ رسالت ﷺ میں بھیج کر کمک کی درخواست کی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کی قیادت میں دو سو مہاجرین و انصار کو مدد کے لئے بھیجا، اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روانگی سے قبل حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو مختلف نصائح کیں اور فرمایا متحد رہنا اور کسی بارہ میں اختلاف کی نوبت نہ آنے دینا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جب امدادی دستہ لے کر پہنچے تو ان میں اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی میں امامت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کہتے تھے کہ امامت میرا حق ہے کیونکہ میں فوج کا امیر ہوں، آپ چونکہ میری امداد کے لئے آئے ہیں اس لئے ماتحت ہیں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق اختلاف سے گریز کیا

اوران کی امامت قبول کر لی، اس کے بعد متحدہ لشکر قبیلہ بلی وعذرہ کی آبادیوں کو پامال کرتا ہوا اس کی آخری حد تک بڑھتا چلا گیا، راستہ میں صرف ایک جماعت سے مقابلہ ہوا جو مسلمانوں کے سخت حملہ کی تاب نہ لا کر ادھر ادھر منتشر ہو گئی۔

اس مہم کے بارہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کہلا بھیجا کہ میں کپڑے اور ہتھیار پہن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوں، چنانچہ جب میں بہ تعمیل ارشاد حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے عمرو بن العاص میں چاہتا ہوں کہ تمہیں لشکر کا سردار بنا کر بھیجوں، اللہ تعالیٰ تمہیں مال غنیمت بھی عطا فرمائے گا اور تمہیں محفوظ بھی رکھے گا''۔ میں نے عرض کیا ''میں نے مال و دولت کے لالچ میں اسلام قبول نہیں کیا''۔ فرمایا ''حلال و طیب مال ایک صالح و متقی کے لئے بہترین نعمت ہے''۔ (محمد رسول اللہ ﷺ مولفہ شیخ محمد رضا مصری)

انہدام سواع:

مورخین کے مطابق سواع عورت کی شکل کا ایک بت تھا جو حضرت شیث بن آدم علیہ السلام کے لڑکے سواع کے نام پر بنایا گیا تھا، قوم نوح علیہ السلام کے بعد قبیلہ ہذیل نے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر آباد تھا اس کی پرستش شروع کر دی، فتح مکہ سے قبل تک ہر سال اس جگہ میلا لگتا اور اس پر کثرت سے چڑھاوے چڑھتے تھے، ان تمام اُمور کی نگرانی بنو سلیم کرتے تھے اور تمام چڑھاوے بھی انہی کے پاس جمع ہوتے تھے۔

فتح مکہ کی وجہ سے جب اسلام کو عرب میں دیگر ادیان پر کلی غلبہ حاصل ہو گیا اور عربوں نے اسلام کے تابندہ اُصول قبول کر لئے تو ان بت خانوں کے

خلاف کاروائی ضروری ہوگئی جو مکہ کے قرب و جوار میں موجود تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو سواع کا بت خانہ ڈھانے پر مامور فرمایا، جب آپ تعمیل حکم کیلئے معہ چند سواروں کے وہاں پہنچے تو بت خانہ کے مجاور نے پوچھا کہ آپ کس نیت سے آئے ہیں فرمایا بت ڈھانے کے لئے، اُس پر مجاور نے مدافعت کرنے کی بجائے جواب دیا کہ آپ اس کو نہ گرا سکیں گے، یہ خود اپنی حفاظت کرے گا، آپ نے مجاور کی اس بات پر بڑا افسوس کیا اور فرمایا "تم اب تک باطل پر اڑے ہوئے ہو، بھلا بت بھی دیکھتے اور سنتے ہیں"؟ اس کے بعد بت کے قریب جا کر اسے پاش پاش کر دیا، آپ کے ساتھیوں نے بیتِ خزانہ کو گرا دیا مگر وہاں سے کچھ نہ ملا، اس کے بعد آپ نے مجاور سے پوچھا "کیا تم نے بت کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا دیکھ لیا"؟ اُس نے کہا "بے شک" پھر مشرف با اسلام ہوگیا۔ (مدارج النبوۃ)

سفارت:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص میدانِ جنگ کے ہی شہسوار نہیں تھے بلکہ ایک ماہر سیاست دان، مومن اور صاحب عقل و دانش بھی تھے، رسول اللہ ﷺ کو چونکہ ان کی صلاحیتوں کا بخوبی علم تھا اس لئے حضور نبی کریم ﷺ کبھی تو میدان جنگ کے قائد کی حیثیت سے ان کا انتخاب فرماتے کبھی بتوں کے انہدام پر انہیں مامور فرماتے اور کبھی تبلیغی اُمور کی انجام دہی کے لئے انہیں سفیر بنا کر بھیجتے، اور اسے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی بجا آوری میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی مخلصانہ مساعی کا ثمرہ سمجھنا چاہیے کہ آپ جس مہم پر بھی جاتے، فتح و کامرانی کی خوشخبری لے کر لوٹتے۔

اہل سیر کے مطابق فتح مکہ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے قرب و جوار کے جن حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے ان میں عمان کے حکمران بھی شامل تھے اور یہ تبلیغی مہم حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے سپرد فرمائی۔

عمان جزیرہ عرب کے جنوب مشرق میں ایک مملکت تھی جہاں کے باشندے آگ کی پرستش کرتے تھے، وہاں دو بھائی حاکم تھے، بڑے کا نام جیفر تھا اور چھوٹے کا عباد، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص جب رسول اللہ ﷺ کا تبلیغی خط لے کر عمان پہنچے تو بجائے اس کے کہ آپ فوری طور پر اس خط کو دونوں بھائیوں کے حوالے کر دیتے آپ نے ان کی شخصیتوں کا مطالعہ ضروری سمجھا، مطالعہ کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ چھوٹا بھائی عباد بردباری و اخلاق میں بڑے بھائی سے بڑھا ہوا ہے لہٰذا آپ نے اپنے تبلیغی مشن کا آغاز اسی سے کیا اور اس خوبی سے اس کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کئے کہ وہ اسلام کا گرویدہ ہو گیا۔ پھر آپ عباد کی ہدایت کے مطابق جیفر سے ملے اور رسول اللہ ﷺ کا خط اُس کے حوالے کیا، دنوں بھائیوں نے مل کر خط پر غور کیا حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق چند سوال کئے جب مطمئن ہو گئے تو مشرف بہ اسلام ہو گئے پھر ان کی مملکت کے باشندے بھی ان کی تقلید میں کثرت سے مسلمان ہونے لگے اور اس طرح چند روز میں سارا عمان مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اپنی اس کامیابی پر خوشی خوشی مدینہ واپس آئے اور اس مہم کی تفصیل رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کی جو آپ نے محض اپنی عقل، سیاست اور دینی اُمور سے واقفیت کی بناء پر سر کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ آپ کے اس کارنامہ پر بہت خوش ہوئے اور آپ کو وہاں کے لوگوں کو اسلامی احکام سکھانے اور کتاب اللہ کا درس دینے کے لئے دوبارہ عمان روانہ فرمایا آپ

عمان آکر دو سال تک اسلام کی تبلیغ کا کام سرانجام دیتے رہے یہاں تک کہ آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا جس میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کے حادثہ فاجعہ کی خبر دے کر ہدایت کی گئی تھی کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے اُن کے سپرد کیا تھا وہ اسے بدستور پایہ تکمیل تک پہنچاتے رہیں، بہرکیف اس طرح رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی رفاقت ختم ہوگئی۔

(حضرت عمرو بن العاص مولفہ محمد فرج مصری)

فتنہ ارتداد:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب ارتداد اور مدعیان نبوت کا فتنہ اُٹھا۔ تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اس وقت عمان میں ہی تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں تمام حالات کی اطلاع دے کر ان فتنوں کو دبانے کے لئے مدینہ طلب فرمایا، واپسی پر ان کا گزر بنو عامر کی بستیوں سے ہوا جن کا سردار قرہ بن ہبیرہ تھا، آپ قرہ کے مہمان ہوئے، اُس نے بڑی آؤ بھگت کی اور جب آپ چلنے لگے تو تنہائی میں لے جا کر کہا کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت قبول نہ کریں گے، البتہ اگر زکوٰۃ کا طریقہ بند کر دیا گیا تو مطیع و فرمانبردار رہیں گے اس لئے زکوٰۃ کا قانون اُٹھا دینا چاہیے، آپ نے کہا قرہ! کیا تم بھی ارتداد کی رو میں بہہ گئے ہو اور کیا تم ہمیں عربوں سے ڈراتے ہو، خدا کی قسم! ہم گھوڑوں کے سموں سے عرب کی ساری زمین روند ڈالیں گے اور تمہاری گردنیں ہماری تلواروں سے کسی طرح محفوظ نہ رہ سکیں گی"۔ یہ شخص بعد میں جب مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں گرفتار ہوا تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص عمان سے واپسی پر میرے پاس سے

گزرے تھے تو میں نے ان کی مہمانداری اور فرمانبرداری کی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے اس معاملہ کے متعلق پوچھا، آپ نے قرہ کے بیان کی تصدیق کی، جس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا خون معاف کردیا۔

مدینہ پہنچنے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو بنو قضاعہ کے مرتدین سے جنگ کرنے کا کام سپرد کیا چنانچہ آپ بارگاہِ خلافت سے حکم ملتے ہی بنو قضاعہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ بنو قضاعہ جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہیں، چنانچہ فریقین میں مقابلہ شروع ہوا اور گھمسان کا رَن پڑا، بالآخر شکست کی ذلت بنو قضاعہ کے حصہ میں آئی، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے ان سے زکوٰۃ لے کر انہیں دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور اس مہام کو سر کرنے کے بعد عمان لوٹ گئے۔ (فتوح البلدان حصہ اوّل)

فتوحاتِ شام:

فتنہ ارتداد ختم کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عراق و شام کی طرف توجہ کی اور ۱۳ھ میں شام کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اس وقت عمان میں تھے انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا:۔

''اے ابو عبداللہ، میں تمہارے سپرد ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جو دین اور دُنیا دونوں کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر ہے لیکن تمہاری خوشی مجھے بہرحال منظور ہے''۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے جواب میں لکھا:۔

میں اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں اور اللہ کے بعد آپ اس کے تیرانداز ہیں اس لئے آپ کو اختیار ہے کہ جدھر چاہے پھینکئے"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس جواب سے بہت خوش ہوئے، چنانچہ آپ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی عمان سے واپس بلا کر فلسطین کی مہم پر مامور کیا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی فوج کی تعداد نو ہزار تھی اور وہ مکہ، طائف، ہوازن اور بنو کلاب کے لوگوں پر مشتمل تھی، مورخین کے مطابق اسلامی فوج کے چار حصے تھے اور ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ امیر مقرر کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں الگ الگ علاقوں کی طرف روانہ فرمایا تھا، یعنی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح، حمص، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فلسطین، حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، دمشق اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اُردن کی مہم پر مامور ہوئے چاروں فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح ان چاروں فوجوں کے سپہ سالار اعظم تھے۔

اجنادین:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اپنی نو ہزار فوج کے ہمراہ فلسطین کے لئے روانہ ہوئے اور ایلیا کے راستے سفر کرتے ہوئے عربات میں جا کر اُترے جب شہنشاہِ رُوم کو مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلا اور یہ بھی معلوم ہوا کے ان کے چار لشکر شام پر حملہ کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے ان سب کے مقابلہ کے لئے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں، رُومیوں کے مشہور سپہ سالار تذارق اور قیقلار نے اجنادین میں اپنی فوجیں اُتاریں، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص جو فلسطین کے علاقہ عربات میں تھے رومیوں کے اجتماع کی خبر سن کر

اجنادین کی طرف بڑھے، اس دوران میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی بصریٰ کی مہم سر کرنے کے بعد اجنادین میں ان سے مل گئے، رُومی سپہ سالار نے ایک عرب کو جاسوسی کے لئے اسلامی لشکر میں بھیجا، وہ دیکھ بھاگ کر جب واپس گیا تو سپہ سالار نے پوچھا کیا خبر لائے؟ اُس نے کہا۔ ''یہ لوگ رات کو عابدِ شب زندہ دار اور دن کو میدانِ جنگ کے شہسوار ہیں اگر ان کا شہزادہ بھی کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر بھی شرعی حدود جاری کرتے ہیں''۔ یہ سن کر سپہ سالار نے کہا، اگر واقعی ان میں یہ صفات ہیں تو ان کے مقابلہ سے زمین میں دفن ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔ غرض جمادی الثانی ۱۳ھ میں رُومیوں اور مسلمانوں میں مقابلہ ہوا رومی سپہ سالار مارا گیا اور اس کی فوج کو شکست فاش ہوئی اس معرکہ کہ کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے اور ایک حصہ فوج کے سردار تھے۔

(فتوح الشام)

دمشق یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا اور جاہلیت میں اہل عرب چونکہ تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اس لئے دمشق کا شہرہ تمام عرب میں تھا چنانچہ اجنادین کے بعد اسلامی سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شہر پناہ کے تمام صدر دروازوں پر الگ الگ افسر متعین کیے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص باب توجا، حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ باب خرادیس حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ باب الشرق، حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ باب کیسان اور خود حضرت ابو عبیدہ باب جابیہ پر متعین تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو شہر کے ایک حصہ پر متعین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی بہادری، شجاعت اور اخلاص و وفاداری پر کامل اعتماد تھا، بہرکیف عرصہ تک محاصرہ جاری رہا آخر

رجب ۱۴ھ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خوش تدبیری سے دمشق مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دمشق کا محاصرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا تھا مگر اس کی فتح عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں عمل آئی۔

(فتوح الشام)

فحل اور بیسان:

دمشق کی شکست نے رُومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے، دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں نے چونکہ اُردن کا رُخ کیا تھا اس لئے انہوں نے اسی صوبہ کے ایک شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رُومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان اچانک حملہ نہ کر دیں آس پاس کی تمام نہروں کے بند توڑ ڈالے جس کے باعث فحل اُور بیسان کے درمیان ایک دُنیائے آب رواں ہو گئی، مسلمان ابھی فحل میں ہی مقیم تھے کہ ایک دن اچانک اسی ہزار رُومیوں نے عقب سے حملہ کر دیا لیکن شکست کھائی اور اس بری طرح بھاگے کہ اس مہیب دلدل میں پھنس گئے جو اُنہوں نے مسلمانوں کیلئے تیار کی تھی اسلامی لشکر نے دلدل میں پھنسے والے کسی شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا اور اسی ہزار رومیوں کو اسی حالت میں قتل کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے بیسان کا محاصرہ کر لیا ایک دن رُومی لشکر نے قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا مگر سب کے سب مارے گئے اور باقی ماندہ آبادی نے صلح کر لی۔ (فتوح الشام)

یرموک:

اس مسلسل اور پیہم شکستوں سے سارے رُوم میں کہرام مچ گیا اور

رُومیوں نے قیصر سے فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام ویران وتباہ کر ڈالا ہے، وہ خود بھی چونکہ مسلمانوں کی تاخت وتاراج سے تنگ آچکا تھا اس لئے اُس نے ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر کے ایک زبردست فوج جمع کی جس کی تعداد بلاذری کے بیان کے مطابق دو لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے اس نازک اور خوفناک مرحلہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے رائے دی کہ:۔

"تمام مسلمان ایک جگہ مجتمع ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں اگر ہم ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو قلتِ تعداد کے باوجود مغلوب نہ ہو سکیں گے، لیکن اگر بدستور علیحدہ علیحدہ رہیں گے تو کوئی بھی رُومیوں کے لشکر جرار کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا"۔

دربارِ خلافت سے بھی اس مشورہ کی تائید ہوئی، چنانچہ اسلامی افواج ہر چہار طرف سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئیں۔ چونکہ اس معرکہ میں سارا شام اُمڈ آیا تھا اور مسلمانوں کی تعداد اُن کے چوتھائی حصہ سے بھی کم تھی اس لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خاص توجہ سے کام لیتے ہوئے جدید طرز پر فوج کو چھتیس حصوں پر تقسیم کیا، میمنہ کے بھی کئی ٹکڑے کر کے اس پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، غرض دونوں فوجیں پوری تیاری کے ساتھ میدان میں اُتریں اور جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یہ جنگ بڑی ہولناک جنگ تھی، رُومی اس قدر جان توڑ کر لڑے اور مسلمانوں پر اتنی شدت سے حملہ کیا کہ انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ پیچھے ہٹنے والوں میں مسلمانوں کا علَم بردار بھی تھا، یہ دیکھ کر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید پہلے پہنچ چکے تھے اس لئے پھرتی سے علَم بردار کے ہاتھ سے علَم لے لیا اور ایک لمحہ کے لئے بھی اسے نیچے نہ ہونے دیا۔ میدان جنگ میں اپنا پھریرا پوری شان سے لہراتا دیکھ کر ہزیمت خوردہ مسلمانوں کی ہمت بندھ

گئی چنانچہ اُنہوں نے دوبارہ مجتمع ہو کر اس زور کا حملہ کیا کہ رُومی انتہائی کوشش کے باوجود نہ ٹھہر سکے، اور انجام کار میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بااختلاف روایت رومیوں کے ایک لاکھ ستر ہزار اسپاہ واصل جہنم ہوئی اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا۔ (حضرت عمرو بن العاص مولفہ محمد فرج معری)

بقیہ فلسطین:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فلسطین کی تسخیر پر مامور فرمایا تھا، چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فلسطین کے بعض مقامات عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں ہی فتح کر چکے تھے، لیکن درمیان میں چونکہ دمشق فحل اور یرموک وغیرہ کی مہمات آپڑی تھیں اس لئے پہلی مہم اُدھوری رہ گئی تھی، چنانچہ یرموک وغیرہ سے فراغت کے بعد آپ پھر ادھر متوجہ ہوئے اور غزوہ، سبطین، نابلس، لد، عمواس اور بیت الجبرین پر نہایت آسانی سے تسلط حاصل کرلیا۔

بیت المقدس:

اب صرف فلسطین کا سب سے بڑا شہر ایلیا (بیت المقدس) رہ گیا تھا چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے چھوٹے چھوٹے مقامات لینے کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا، ساتھ ہی آپ نے رُومی سپہ سالار ارطبون کو ایک خط لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ شہر ان کے حوالے کردیا جائے، اُس نے جواب دیا کہ ''آپ اس خیال میں نہ رہیں کہ اجنادین کے بعد بھی آپ کو فتح حاصل کرسکیں گے''۔ اسی دوران میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی قنسرین اور اس کے مضافات فتح کر کے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے آملے۔ محاصرہ چار ماہ تک جاری رہا، جب ارطبون نے دیکھا کہ مسلمان بیت المقدس کا محاصرہ اُٹھانے کے لئے کسی

طرح بھی تیار نہیں ہیں تو وہ اسقف صفر نیوس کو اپنا قائم مقام بنا کر خود مصر بھاگ گیا اور اپنے ہمراہ اپنی فوج بھی لیتا گیا، صفر نیوس کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ زیادہ دیر مسلمانوں کے مقابلہ میں ٹھہر سکتا اس لئے وہ شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے پر تیار ہو گیا، لیکن شرط یہ پیش کی کہ خلیفہ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود صلح کا معاہدہ لکھیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، جابیہ کے مقام پر ان سے مصالحت کی اور انہیں ایک عہد نامہ لکھ کر دیا۔ اس طرح شام کا یہ متبرک شہر جس کو انبیاء و رسل علیہم السلام کی آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا، مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، اور شام پر مکمل قبضہ ہو گیا۔ (فتوح البلدان، فتوح الشام)

طاعونِ عمواس:

مورخین کے مطابق ۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا جس میں بہت سے مسلمانوں نے وفات پائی، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے مشورہ دیا کہ یہاں وباء کا زور ہے۔ اس لئے فوجیں ہٹا کر کسی محفوظ مقام پر بھیج دی جائیں، مگر اسلامی فوج کے امیر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے خدا کی رحمت قرار دے کر عمواس چھوڑنا قبول نہ کیا، آخر جب خود اس مرض میں مبتلا ہو گئے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین قرار دے کر اسی رحمت کے دامن میں آ گئے، وباء کا زور چونکہ بڑھتا جا رہا تھا اس لئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی اس کے حملہ سے نہ بچ سکے چنانچہ آپ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے اسی بیماری میں جان دے دی، ان کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے فوراً فوجوں کی پہاڑی مقامات پر بھیج دیا جس سے فوجیں اس وباء سے محفوظ ہو گئیں۔

فتوحاتِ مصر:

شام اگرچہ پوری طرح مسلمانوں کے قبضہ اقتدار میں آچکا تھا تاہم حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے بلند حوصلے ابھی پورے نہیں ہوئے تھے، کیونکہ شام کی فتوحات میں زیادہ تر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قوتوں کو دخل تھا اور ان کو ایسے میدان کی تلاش تھی جہاں وہ تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھا سکیں، اس بنا پر ان کی نظر شام کی کے اہم سرحدی ملک مصر پر تھی جس کی شادابی و زرخیزی سے یہ اچھی طرح واقف تھے کیونکہ ظہورِ اسلام سے قبل بسلسلہ تجارت آپ اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے چنانچہ شام کی فتح کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی، لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اجازت دینے میں دو وجوں سے پس و پیش ہوا، اوّل یہ کہ شام کی مہم سر کرنے کے بعد ابھی اسلامی فوجوں نے دَم نہ لیا تھا، دُوسرے مقوقس شاہِ مصر کا قلیل فوج کے ساتھ مقابلہ کرنا دُشوار تھا لیکن جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رضا مند ہوگئے اور شریک بن عبدہ کے ہاتھ انہیں ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا۔ ''لوگوں کو مصر چلنے کی دعوت دو اور جو تیار ہوں انہیں ساتھ لے کر روانہ ہوجاؤ''۔

مورخین کے مطابق جس وقت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ خط پہنچا اُس وقت آپ نے قیساریہ کا محاصرہ کر رکھا تھا چنانچہ خط ملتے ہی محاصرہ کی کمان حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حوالے کی، امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قاصد شریک بن عبدہ کو کمک طلبی کا پیغام دے کر مدینہ واپس کیا اور خود تقریباً چار ہزار سپاہ کے ساتھ عریش کی طرف روانہ ہوگئے۔

اہل سیر کے بیان کے مطابق امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاصد جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے خط کا جواب لے کر واپس پہنچا تو آپ رفح کے مقام پر تھے، قاصد نے جب کمک کا کوئی ذکر نہ کیا جس کا آپ کو واپسی کا انتظار تھا تو آپ نے اپنی ذہانت سے یہ اندازہ لگا لیا کہ اس خط میں واپسی کا حکم ہوگا، چنانچہ آپ چلتے رہے اور قاصد سے مدینہ کی خبریں معلوم کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک گاؤں کس ملک میں ہے"؟ لوگوں نے جواب دیا "مصر میں" اس وقت آپ سواری سے اُترے اور قاصد سے خط لے کر پڑھا، پھر حاضرین سے کہا "امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے کہ اگر یہ خط مجھے محاصرہ کی سرحد پار کرنے سے پہلے ملے تو میں واپس ہو جاؤں، لیکن یہ مجھے اس وقت ملا ہے جس وقت ہم مصر میں داخل ہو چکے ہیں، اس لئے اللہ کی برکت اور اعانت پر بھروسہ کر کے بڑھے چلو" اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ "ان کے (یعنی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے) یہ کلمات پہلی فتح ہیں"۔ (عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل)

فرما کی فتح:

بہر کیف حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص چار ہزار مجاہدین کے ساتھ مصر کی سرحد کے اندر بڑھتے ہوئے عریش پہنچے، لیکن وہاں مقابلہ کے لیے کوئی موجود نہ تھا پھر آپ نے فرما کا رُخ کیا، راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی یہاں تک کہ آپ فرما پہنچ گئے جہاں رُومی فوج آپ کا مقابلہ کرنے کے لئے کیل کانٹے سے لیس کھڑی تھی۔

فرما مصر کا ایک مشہور شہر تھا جسے جالینوس کا مدفن ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل تھی، یہاں اگرچہ رُومی فوجوں نے عربوں سے نبرد آزما ہونے کے

لئے مضبوط مورچہ بندی کر رکھی تھی، تاہم حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے لڑائی چھیڑنے میں کسی تکلف و تامل سے کام نہ لیا اور رُومیوں کو نہایت شرمناک شکست دے کر شہر پر قبضہ کرلیا۔

بلبیس اَور اُم دنین کی فتح:

فرما کی فتح کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے بلبیس کا رُخ کیا۔ جو مصر سے صرف تینتیس میل دُور تھا، راستے میں کوئی قابلِ ذکر مزاحمت نہ ہوئی، بلبیس پہنچ کر آپ نے تقریباً ایک ماہ تک قیام کیا اور اس دوران میں مصر کے شاہ مقوقس کی جانب سے پادریوں کا ایک وفد آپ سے ملا اور صلح کی گفتگو شروع کی آپ نے ان کے سامنے حسب معمول جزیہ دینے یا اسلام قبول کرنے کی شرط پیش کی یہ وفد پانچ دن کی مہلت لیکر واپس گیا اور مسلمانوں کی شرائط شاہ مقوقس کے سامنے رکھیں، رومی سپہ سالار اطربون نے مسلمانوں سے جنگ کرنے پر اصرار کیا اور بارہ ہزار مسلح فوج کے ساتھ بلبیس پہنچ کر اچانک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا لیکن شکست کھائی اور ایک روایت کے مطابق جنگ میں مارا گیا۔ بلبیس کی فتح کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص صحرا کی سرحد پر پیش قدمی کرتے ہوئے اُم دنین کی بستی کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوئے، یہ بستی ایک مضبوط قلعہ پر مشتمل تھی اور شہر مصر کے سب سے بڑے قلعہ بابلیون کے شمال میں واقع تھی۔

(مورخین کے مطابق اسی قلعہ کو قصر شمع'' اور باب الیون بھی کہتے ہیں)

رُومیوں نے مسلمانوں کی بے دریغ پیش قدمی سے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ عرب محض لوٹ کھسوٹ کے ارادے سے نہیں بلکہ فتح مصر کے پروگرام کے تحت آئے ہیں، اس بنا پر رُومی قلعہ ام دنین کو مستحکم کر کے اس میں قلعہ بند ہوگئے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص رومیوں کی ان کارروائیوں سے پوری طرح باخبر تھے لیکن وہ خواہ مخواہ اپنی قلیل فوج کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے تاہم اُنہوں نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمام حالات کی خبر دے کر امدادی فوج بھیجنے کی درخواست کی۔

محاصرہ میں کئی ہفتے گزر گئے، اس عرصہ میں اُم دنین کی فوجیں کبھی کبھار قلعہ سے باہر نکلتیں اور ناکام جھڑپوں کے بعد واپس چلی جاتیں کہ اسی اثنا میں بارگاہِ خلافت سے پہلی امدادی فوج پہنچ گئی۔ اس فوج کے پہنچتے ہی مجاہدین کے حوصلے بلند ہوگئے اور اسلامی لشکر نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے حکم کے مطابق ایک مقررہ وقت پر یک جان ہوکر قلعے پر دھاوا بول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدینِ اسلام کو فتح ونصرت سے ہمکنار کیا، اور مسلمان دشمن کی بڑی تعداد کو تلوار کے گھاٹ اُتارنے اور زندہ بچ جانے والوں کو گرفتار کرنے کے بعد قلعے پر قابض ہوگئے۔

عین شمس یا فسطاط:

اُم دنین کی فتح کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص عین شمس پہنچے، عین شمس زمانہ قدیم میں بڑا عظیم الشان اور گنجان شہر تھا، یہاں آفتاب کا ہیکل تھا جس کے تیرتھ کو ہزاروں آدمی آتے تھے، لیکن جس وقت مسلمان یہاں پہنچے شہر کھنڈروں کے ڈھیر میں تبدیل ہوچکا تھا، البتہ یہاں ایک قلعہ تھا جس کا نام قصر شمع تھا، اس میں مقوقس کی فوج رہتی تھی اور مصر کی تسخیر کے لئے اس پر قبضہ کرنا نہایت ضروری تھا، چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے اس قلعہ کی تسخیر کے لئے بڑے اہتمام سے تیاریاں شروع کیں، اسی دوران میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی دس ہزار

کی جمعیت لے کر پہنچ گئے اور پھر دونوں نے دو سمتوں سے حملے شروع کر دیئے، مگر قلعہ اس قدر مضبوط تھا کہ مہینوں لگ گئے، آخر کار ایک دن حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ محاصرہ کی طوالت سے تنگ آ کر اکیلے ننگی تلوار لے کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، آپ کی اس ہمتِ مردانہ کو دیکھ کر بہت سے جانثاروں نے بھی آپ کی تقلید کی، چنانچہ قلعہ کے دیوار پر پہنچ کر سب لوگوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ قلعہ والوں نے بدحواس ہو کر خود ہی اس کے دروازے کھول دیئے اور صلح کی درخواست کی جسے مسلمانوں نے قبول کر لیا، داخلہ اگرچہ فاتحانہ ہوا تھا تاہم مسلمانوں نے شرائط بہت نرم رکھیں۔ مورخین کے مطابق یہی مقام بعد میں آباد ہو کر فسطاط کے نام سے موسوم ہوا۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

اسکندریہ کی طرف پیش قدمی:

عین شمس کی فتح کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی اجازت مانگی، وہاں سے اجازت ملنے کے بعد حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو مفتوحہ ممالک کا حاکم مقرر کر کے خود اسکندریہ کا رُخ کیا، اس سفر میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے چند مختلف قبطی سرداروں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا تاکہ راستے میں جو شہر پڑیں ان کے باشندوں کو یہ رُؤساء مسلمانوں سے قریب کرنے کا ذریعہ بنیں۔

نقیوس:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اسکندریہ کی طرف پیشقدمی کرتے ہوئے مشہور شہر نقیوس اور اس کے مضبوط قلعے کے سامنے پہنچ گئے، یہ شہر چونکہ اسکندریہ اور بابلیون کی درمیانی شاہراہ پر واقع ہونے باعث زبردست سیاسی اور جنگی اہمیت

کا حامل تھا اس لئے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے اسے بلا تسخیر چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف بڑھنا مناسب سمجھا، اس شہر کا سپہ سالار دومنیانوس تھا جس کے پاس معمولی سی جمعیت اور معدودے چند کشتیاں تھیں جن پر سوار ہو کر اُسے مسلمانوں کے مقابلہ پر نکلنا تھا لیکن جونہی اُس کی نظر مسلمان لشکر پر پڑی اُس کے اوسان خطا ہو گئے اور فوج کو وہیں چھوڑ کر اپنی خاص کشتی میں بیٹھ کر اسکندریہ کی طرف بھاگ گیا، رُومی فوج نے اپنے سپہ سالار کو بھاگتا دیکھ کر کشتیوں کے ذریعہ بھاگنے کی کوشش کی مگر عرب حملہ آوروں نے اُنہیں جالیا اور ایک ایک کر موت کے گھاٹ اُتار دیا اس کے بعد عربوں نے شہر میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کرلیا۔

کریون:

نقیوس سے نکل کر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص قلعہ کریون پہنچے جو اسکندریہ سے ادھر کے قلعوں کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی اور جہاں رُومی سپہ سالار تھیوڈور نے پھر ایک دفعہ رُومیوں کی کثیر التعداد فوج اکھٹی کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنا حوصلہ نکالنے کی تیاری کر رکھی تھی جنگ کا آغاز ہونے کے بعد اگرچہ مختلف مقامات سے رُومیوں کو تازہ دَم امدادی دستے پہنچتے رہے تاہم مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور آخر بار چودہ دن کی شدید جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ کی امداد سے شہر معہ قلعہ کے ان کے قبضہ میں آ گیا۔

اسکندریہ کی فتح:

کریون کی تسخیر کے بعد اسکندریہ کا راستہ بالکل صاف تھا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے یہاں کچھ عرصہ اپنی فوج کو آرام دیا اور پھر بلا مزاحمت

سیدھے اسکندریہ جا پہنچے۔

یہ وہی اسکندریہ یہ تھا جسے سکندرِ اعظم نے بحرابیض پر تعمیر کر کے اپنے نام پر اس کا نام رکھا تھا اور اب رُومی حکومت کا دوسرا دارالخلافہ اور ساری دنیا کا اہم تجارتی مرکز تھا، وہی اسکندریہ جو اپنی رونق، خوبصورتی، چمک دمک، استحکام، فصیلوں عمارتوں، فوجی بارکوں محلوں اور باغات کے لحاظ سے یکتائے زمانہ ہونے کے لحاظ سے یکتائے زمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ انجینئرنگ کا شاہکار اور اپنی سیاسی و جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے بہت بڑی عظمت کا حامل تھا آج محاذِ جنگ بن کر توحید پرستوں کی یلغار روکنے کی تیاری کر رہا تھا پچاس ہزار کے لگ بھگ فوج جو اس کی مستحکم فصیلوں پر بڑی بڑی منجنیقیں نصب کر کے اس کی حفاظت پر مامور تھی، مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے کیل کانٹے سے لیس بالکل تیار کھڑی تھی، شمال میں شہر کی حفاظت سمندر کر رہا تھا جنوب میں بحیرہ مربوط اور ایک نہر محافظ تھی۔ اور مغرب میں نہر شعبان اس کا پہرہ دے رہی تھی، اب عربوں کی پیش قدمی کے لئے شہر کا ایک ہی راستہ رہ گیا تھا جو کریون اور اسکندریہ کے درمیان چلتا تھا، لہٰذا حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص شہر کے مشرقی جانب حلوہ اور قصرِ فاروس کے درمیان خیمہ زن ہو گئے۔ (عمر فاروق اعظم از حسین ہیکل)

اسکندریہ کے باشندے اگرچہ مقابلہ کے لئے ہمہ تن تیار تھے تاہم شاہ مقوقس خود صلح کا خواہشمند تھا اس لئے اُس نے مفاہمت کی درخواست کی لیکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے انکار کر دیا، اب مقوقس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ رُومیوں کی خواہش کے مطابق جنگ کی تیاری کرے، چنانچہ اس نے قلعوں کی فصیل پر فوجوں کی صف بندی کی اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے عورتوں کو بھی شامل کر کے ان کے چہرے شہر کی طرف کر دیے،

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے کہلا بھیجا کہ ہم اس اہتمام کو سمجھتے ہیں، لیکن یاد رکھو کہ ہم نے کبھی فوج کی کثرت کے بل پر میدان سر نہیں کئے ہیں، شاہ مقوقس چونکہ خود جنگ کے خلاف تھا اس لئے اُس نے اسکندریہ والوں کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ جنگ سے باز رہیں مگر اہل اسکندریہ نے اس کی ایک نہ سنی اور بڑے زور و شور سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

شاہ مقوقس اگر چہ ہرقل کے خوف سے علی لاعلان لڑائی سے کنارہ کش نہیں ہوسکتا تھا تاہم در پردہ مسلمانوں سے صلح کی کوشش کرتا رہا۔ جب ہرقل کو مقوقس کی ان کوششوں کی اطلاع ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا اور اُسی وقت اسکندریہ فوجیں روانہ کردیں، ادھر مقوقس نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے خفیہ معاہدہ کرلیا تھا، کہ چونکہ بدرجہ مجبوری اس میں شریک ہیں اس لئے قبطیوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا جس کے رومی مستحق ہیں اور جنگ کے دوران میں قبطیوں اور رُومیوں میں امتیاز رکھنا، چنانچہ اس معاہدے کے بعد قبطی ہر طرح مسلمانوں کے مددگار رہے اور اُن کے لئے راستہ صاف کراتے اور پلوں وغیرہ کی مرمت کرتے تھے۔

غرض اسکندریہ والوں کی تیاری کے بعد مسلمانوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کرلیا، لیکن اس کے قلعے اس قدر مضبوط اور مستحکم تھے کہ دو مہینہ تک کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

اس دوران میں رُومی کبھی کبھی قلعے سے باہر نکل کر لڑتے اور دو چار ہاتھ کے ردّ و بدل کے بعد قلعہ بند ہوجاتے، ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا تیر و خدنگ سے گزر کر تلوار کی نوبت آئی، ایک رُومی نے صف سے نکل کر کہا ''کون مسلمان میرے مقابلہ میں آتا ہے''؟ حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے گھوڑا بڑھایا مگر رُومی

نے پچھاڑ دیا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے غصہ میں کہا "زنخوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے"۔ حضرت مخلد کو یہ طنز ناگوار گزرا مگر مصلحتاً خاموش رہے، اس اثنا میں لڑائی کا بازار گرم ہوگیا، مسلمان رُومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے، دیر تک قلعے کے صحن میں معرکہ رہا، لیکن پھر رُومیوں نے سنبھل کر حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر لئے، اتفاق سے چار مسلمان اندر رہ گئے جن میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ بھی تھے، رُومیوں نے ان چاروں کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر جب انہوں نے مردانہ وار جان دینے کی ٹھانی تو رومیوں نے یہ شرط پیش کی کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلہ کے لیے نکلے اگر رومی مارا گیا تو ہم تم سب کو چھوڑ دیں گے، اور اگر مسلمان قتل ہوا تو تم ہتھیار ڈال دو گے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے اس شرط کو بخوشی منظور کرلیا اور خود مقابلہ کے لئے نکلنا چاہا لیکن حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ نے روکا کہ اگر تم پر کوئی آنچ آگئی تو انتظام میں خلل ہوگا، یہ کہہ کر خود گھوڑا بڑھایا اور اپنی رومی حریف پر قابو پا کر اس کا کام تمام کردیا، رومیوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال دیا، بعد میں جب رومیوں کو پتہ چلا کہ ان لوگوں میں خود سپہ سالار حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بھی شامل تھے تو بے حد پشیمان ہوئے اور مخالف سردار کے اس طرح بچ نکلنے پر کفِ افسوس ملتے رہ گئے، رومی قلعہ سے باہر آنے کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور اُنہوں نے نہایت صاف دلی سے انہیں معاف کردیا۔

اسکندریہ کے محاصرہ کو تقریباً دو سال گزر چکے تھے لیکن ہنوز روزِ اوّل کی سی حالت تھی، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس تاخیر سے سخت پریشان تھے چنانچہ

آپ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے ہو ورنہ اس قدر تاخیر نہ ہوتی جس دن میرا خط پہنچے، تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو، اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا ہے فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج یکبارگی دشمن پر ٹوٹ پڑے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے امیر المومنین کی ہدایات کے مطابق تمام فوج کو یکجا کر کے جہاد پر خطبہ دیا اور ایک ایسی موثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہوگئے، پھر فوج کو مرتب کر کے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو بڑے رُتبے کے صحابی تھے کے نیزے پر اپنا عمامہ لٹکا کر ان کے حوالے کیا کہ یہ علَم ہے اور آپ اس فوج کے سردار ہیں حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ کو فوج کا ہراول کیا، غرض اس سروسامان کے ساتھ قلعے پر دھاوا ہوا کہ پہلے ہی حملے میں شہر فتح ہوگیا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے اسی وقت حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو مژدہ فتح کے ساتھ دربارِ خلافت میں بھیجا وہ بعجلت منازل طے کرتے ہوئے ٹھیک دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبوی ﷺ میں چلے گئے، اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لونڈی ادھر سے گزری اور ان کو مسافر نہ شکل میں دیکھ کر پوچھا، تم کون ہو؟ کہا میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کا قاصد معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ ہوں اُس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلاتے ہیں اس نے اُن کے آنے تک کا انتظار بھی نہ کیا اور خود چادر سنبھال کر باہر نکلنے لگے کہ حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، دیکھتے ہی پوچھا کیا خبر لائے؟ عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے کامیاب کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتح کی خوشخبری سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا، اُٹھ کر مسجد میں آئے، منادی کرائی اور جب سب مدینہ اُمنڈ آیا تو مسلمانوں کے سامنے خود

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو زبان سے فتح کے حالات سنوائے، پھر پوچھا کہ تم سیدھے مسجد میں کیوں چلے گئے، عرض کیا، دوپہر کا وقت تھا خیال کیا کہ آپ آرام کرتے ہوں گے، جواب دیا ''کیا میں دن کو سو کر رعایا کو تباہ کرتا''۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

اسکندریہ کی تسخیر اگرچہ بزورِ شمشیر عمل میں آئی تھی تاہم مسلمانوں نے شہر کے امن و امان میں کوئی فرق نہ آنے دیا، عام آبادی میں سے نہ کسی کو قتل کیا اور نہ ہی قیدی بنایا بلکہ جزیہ اور خراج کی تشخیص کر کے ہر شہری کو مکمل آزادی کے ساتھ جینے کا حق دے دیا۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فتح اسکندریہ کے بعد فسطاط واپس آ گئے اور یہاں الگ الگ قطعے متعین کر کے ایک شہر کی داغ بیل ڈالی، اب اگرچہ اسکندریہ اور فسطاط کے بعد مسلمانوں کا کوئی حریف نہ رہا تھا تاہم منتشر طور پر جابجا رُومی پھیلے ہوئے تھے جن کا قلع قمع ضروری تھا کہ آئندہ بغاوت کا احتمال نہ رہے، چنانچہ آپ نے حضرت خارجہ بن خذافہ رضی اللہ عنہ کو فیوم، اشمولین بشروات، اخمیم، صعید، اور عمیر بن وہب کو تینس دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، وقہلہ اور بوحیر وغیرہ کی طرف بھیجا، جنہوں نے ان مقامات کو مسخر کیا، اور حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کر کے مصر اور اسکندریہ کی فتح کو مکمل کر دیا۔

فتوحات مغرب برقہ:

اسکندریہ کی مکمل تسخیر کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے برقہ کا رُخ کیا جو فسطاط سے پچیس میل دُور اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان ایک نہایت زرخیز اور آباد قطعہ زمین تھا، یہ قلعہ متعدد شہروں پر مشتمل تھا اور انطابلس یہاں کا بڑا

شہر تھا۔ حضرت عمرو بن عاص انطابلس پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا، یہاں کے لوگ چونکہ بہت نرم خو اور اطاعت شعار تھے اس لئے بغیر کسی مزاحمت کے جزیہ قبول کرلیا اور تیرہ ہزار دینار سالانہ پر صلح ہوگئی۔

زویلہ:

برقہ سے فارغ ہو کر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو زویلہ روانہ کیا جو سوڈان کی سرحد پر ایک آباد شہر تھا، برقہ اور زویلہ کی درمیانی آبادیوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اطاعت قبول کرلی اور اہل زویلہ نے بھی یہی شعار اختیار کیا اور بخوشی جزیہ دینا منظور کرلیا۔

طرابلس:

اسلامی فوجوں نے زویلہ کے بعد طرابلس کا رُخ کیا، یہ شہر بحرِ رُوم کے ساحل پر آباد ہے اور اس زمانہ میں افریقہ کے ممتاز ترین مقامات میں تھا حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے طرابلس کے مشرق میں فوجیں اُتار کر نہایت اہتمام کے ساتھ طرابلس کا محاصرہ کرلیا جو برابر دو ماہ تک جاری رہا۔ چونکہ شہر میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ مل رہا تھا۔ اس لئے محاصرہ طول پکڑتا جارہا تھا۔ اتفاق سے ایک دن کچھ مسلمان دریا کے کنارے کنارے شکار سے واپس اپنے کیمپ میں آرہے تھے کہ اُنہوں نے شہر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ شہر اور دریا کے درمیان فصیل یا کوئی شہر پناہ وغیرہ نہیں ہے۔ اُنہوں نے واپس آکر فوری طور پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو اطلاع دی، آپ نے اسی رائے سے فوراً حملہ کردیا۔ اس ناگہانی یلغار سے اہل شہر بدحواس ہوگئے۔ اور ہر طرف سے راہِ فرار مسدُود پاکر ہتھیار ڈال دیئے، اس طرح تسخیر میں زیادہ دُشواری نہ ہوئی اور آسانی سے شہر فتح

ہوگیا۔

صبراتہ (سبرۃ):

طرابلس کے مغرب میں ٦ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ایک پرانا شہر صبراتہ تھا جو شمالی افریقہ کا سب سے بڑا شہر تھا اور تجارتی حیثیت میں طرابلس سے بھی بڑھا ہوا تھا۔

اہل صبراتہ نے جب مسلمانوں کی آمد کے متعلق سنا تو قلعہ بند ہو گئے، مگر طرابلس کی تسخیر میں جب تاخیر ہوئی تو مطمئن ہو کر قلعہ بندی ترک کر دی اور اپنے روز مرہ کے کاروبار میں مشغول ہو گئے، ادھر جب اچانک طرابلس فتح ہو گیا تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے بغیر کسی توقف کے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو کثیر التعداد سواروں کے ساتھ راتوں رات صبراتہ پہنچ جانے کا حکم دیا، یہ فوج صبح کو عین اُس وقت پہنچی جب اہل شہر بے خبری کی حالت میں اپنے مویشیوں کو چرانے وغیرہ کے لئے شہر سے باہر لے جا رہے تھے، مسلمان انہی دروازوں سے اندر داخل ہو گئے، اور بزورِ شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا۔

اِن مہمات کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ طرابلس فتح ہو چکا ہے، اب اگر حکم ہو تو افریقہ (تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ) کی طرف پیش قدمی کی جائے جو یہاں سے صرف نو دن کی مسافت پر ہے، لیکن دربارِ خلافت سے حکم امتناعی آ گیا کہ:۔

"افریقیا افریقہ نہیں بلکہ تفریق کنندہ، عہد شکنی کرانے والا ہے، افریقہ والوں نے ہمیشہ رُومیوں کو ان کے واجبات کم ادا کیے اور عہد شکنیاں زیادہ کی ہیں"۔ (فتوح البلدان حصہ اوّل)

چنانچہ اس حکم پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے پیش قدمی روک دی، فوراً مصر کی طرف پلٹ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن کی خلافت کے آخیر تک وہیں مقیم رہے۔

مصر کی گورنری اور اسکندریہ کی بغاوت:

ان فتوحات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو مصر کی حکومت پر سرفراز کیا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے، اسی زمانہ میں اہل اسکندریہ نے بغاوت کردی، اس بغاوت کی وجہ بیان کرتے ہوئے مورخین لکھتے ہیں کہ اسکندریہ پر مسلمانوں کے قبضہ کے وقت سے رومی ہمیشہ اس کو واپس لینے کی فکر میں رہتے تھے، کیونکہ اسکندریہ بحر روم کی اہم ترین بندرگاہ تھی اور اس کے نکل جانے کے بعد تمام افریقی مقبوضات خطرہ میں پڑ گئے تھے، چنانچہ اُنہوں نے خط وکتابت کر کے اسکندریہ کی رُومی آبادی کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت کرادی اور ان کی امداد کے لئے قسطنطنیہ سے ایک لشکر جرار بھیجا، لیکن قبطی آبادی نے حصہ نہ لیا اور مقوقس معاہدہ صلح پر قائم رہا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو اطلاع ہوئی تو مقابلہ کو نکلے، فریقین میں شدید معرکہ ہوا، رُومی شکست کھا کر اسکندریہ میں داخل ہوگئے، مسلمانوں نے تعاقب کر کے جہاں تک ہوسکا انہیں تہہ تیغ کیا، رُومی سپہ سالار منویل لڑائی میں کام آیا، رُومیوں کو جب یہاں بھی پناہ نہ ملی تو اسکندریہ سے بھاگ نکلے اور راستے کی قبطی آبادیوں کو اُن کے عدم تعاون کی وجہ سے اپنے انتقام کا نشانہ بناتے ہوئے نکل گئے، مسلمان دوبارہ قابض ہوئے تو قبطی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے پاس فریادی بن کر آئے

کہ مسلمانوں کی حمایت کے جرم میں رُومی اُن کا تمام مال و متاع لوٹ کر لے گئے ہیں جو واپس دلایا جائے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے شناخت کرا کے اُن کا مال واپس دلایا اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے بچنے کے لئے اسکندریہ کی شہر پناہ تڑوا دی۔

معزولی:

اہل سیر کے مطابق ۲۶ھ کے آخر یا ۲۷ھ کے شروع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو (جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخر عہد خلافت میں مصر کے ایک چھوٹے سے حصہ صعید مصر کا والی بنایا تھا) ان کی جگہ مصر کی گورنری پر سرفراز کیا۔

مورخین نے اس معزولی کی متعدد وجوہ لکھی ہیں جن میں زیادہ قابل ذکر یہ ہے کہ حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ طبعاً کچھ طبیعت میں تیزی تھی اس لئے جلد ہی اُن کی سیاست حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست سے متصادم ہو گئی۔ جس کے باعث باہمی اختلافات پیدا ہونا شروع ہو گئے اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ صرف اُمورِ حربیہ کے والی رہیں اور حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اُمور مال کے منتظم ہو جائیں، حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پہلے ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سعیدِ مصر سے تعلق بمشکل برداشت کئے ہوئے تھے کہ اس انتظامی تبدیلی نے دونوں کے تعلقات اور زیادہ کشیدہ کر دیئے اور دونوں ایک دُوسرے کے خلاف دربارِ خلافت میں شکایات بھیجنے لگے، حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ لکھتے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خراج کی وصولی

میں روکاوٹ ڈالتے ہیں اور حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ اطلاع دیتے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگی تدبیروں میں رخنہ اندازی کرتے ہیں، بہر کیف یہ صورت حال زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر کا مستقل والی بنا دیا۔

اہل سیر کے مطابق حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس معزولی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس درجہ برہم ہوئے کہ جب آپ معزول ہو کر مدینہ آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، تو آپ خلیفہ وقت کی باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب تک نہ دیتے تھے، کہتے ہیں کہ امیر المومنین سے پہلی ملاقات کے وقت حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رُوئی کا ایک جُبہ پہنے ہوئے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ اس جبہ میں کیا بھرا ہوا ہے؟ جواب دیا، عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ)۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ تو میں بھی جانتا ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ رُوئی ہے یا کوئی اور چیز؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا کہ تم نے مصر میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کس حال میں چھوڑا؟ کہا ''اپنی ذات کے لئے بڑے طاقتور اور اللہ کیلئے بے حد کمزور''۔ امیر المومنین نے فرمایا۔ ''میں نے انہیں تمہارے نقشِ قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی''۔ جواب دیا آپ نے ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر ڈالا''۔ اس وقت والئی مصر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا خراج پہنچ چکا تھا جو تعداد میں حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دَور کے خراج سے بہت زیادہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خراج کی زیادتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ''دیکھ اُونٹنی نے دُودھ دیا'' حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ''ہاں لیکن

بچے بھوکے رہ جائیں گئے"۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنی معزولی کے باعث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے برہم تھے تاہم آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسی طرح خیر خواہ رہے جس طرح معزولی سے قبل تھے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جب مصر سے باغیوں کا گروہ چلا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے سمجھانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے اپنے سابق اثر ورسوخ سے کام لے کر ان کو واپس کر دیا اور شہر کے لوگوں کو جمع کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صرف سے صفائی پیش کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خود حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو آپ ان سے مشورہ کرتے اور یہ بھی نہایت خیر خواہانہ مشورہ دیتے، سازش کے زمانہ میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات پیش کیئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مطالبات پر غور کرنے کے لئے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جس کے ایک رکن حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے ان کی رائے پوچھی، انہوں نے اپنی مخلصانہ رائے دیتے ہوئے کہا کہ آپ ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں اور گرفت کے وقت چشم پوشی کر جاتے ہیں، آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ لوگوں کو آزادی دے رکھی ہے۔ لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ ملکی انتظام میں اپنے پیشرو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلیئے اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی سے کام لیجیے۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

فلسطین کی سکونت:

معزولی کے بعد حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیاسی زندگی ترک کر کے فلسطین میں اقامت اختیار کرلی، آپ کبھی کبھی مدینہ آتے اور پھر واپس لوٹ جاتے جن دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے آپ مدینہ میں ہی تھے، لیکن جب دیکھا کہ حالات قابو سے باہر ہوگئے ہیں اور فتنہ و فساد کی آگ کسی طرح بھی بجھنے میں نہیں آتی تو یہ کہہ کر کہ "(حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں جس کا ہاتھ ہوگا اس کو خدا ذلیل کرے گا، جو شخص ان کی مدد نہ کرسکتا ہو اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے"، خود شام چلے گئے مگر دل میں برابر کھٹکا لگا رہا، چنانچہ ہر آنے جانے والے سے حالات پوچھ لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کبریٰ پیش آیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور جنگ جمل کا ہنگامہ ہوا، مگر آپ ان ہنگاموں سے دُور رہے اور اپنے گوشہ تنہائی سے باہر قدم نہ نکالا۔

عہد حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم):

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی ابھی ابتدا ہی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف شروع ہوگیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس مطالبہ کے ساتھ بھیجا کہ وہ بیعت کریں ورنہ جنگ کے لئے تیار ہوجائیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس مطالبہ پر اپنے خاندان والوں سے مشورہ کیا، عتبہ بن ابوسفیان نے حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرنے کے متعلق رائے دی، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اس وقت فلسطین میں تھے

چنانچہ بلائے گئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے تین باتیں پیش کر کے ان کا مشورہ طلب کیا، اوّل یہ کہ محمد بن حنیفہ اپنے ساتھیوں سمیت جیل خانہ توڑ کر فرار ہو گئے ہیں، دوسرے قیصر رُوم شام پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی ہے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے انہیں مشورہ دیا کہ محمد بن حنیفہ کی تلاش کراؤ، مل جائیں تو بہتر ورنہ کوئی حرج نہیں، قیصر رُوم کے قیدی چھوڑ کر اس سے صلح کر لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ البتہ بہت اہم ہے کیونکہ مسلمان کبھی بھی تم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح نہیں دیں گے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ میں معاون تھے اور انہوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا، اس پر حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سبقت اسلام اور قرابت نبوی ﷺ کی وجہ سے جو شرف حاصل ہے تم ہرگز اس کی برابری نہیں کر سکتے، مزید میں خواہ مخواہ تمہارے مقصد کے حصول کے لئے تمہاری مدد کیوں کروں؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا، آخر تم چاہتے کیا ہو؟ کہا:۔

”اگر آپ مجھے مصر دے سکتے ہیں تو میں اپنے آپ کو بھی اس سودے میں نفع مند سمجھوں گا اور آپ بھی مصر دے کر ایک ایسے بوڑھے کو حاصل کر لیں گے جو نفع اور نقصان دونوں کی مقدرت رکھتا ہے“۔

(حضرت عمرو بن العاص مولفہ محمد فرج مصری)

اس کے جوب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر کی حکومت دینے کا تحریری وعدہ کر لیا، اس عہد و پیمان کے بعد حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اہل شام کے دلوں میں یہ بات راسخ

کردو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا، پھر ان لوگوں کو ان کی مخالفت پر آمادہ کرو، بصورت دیگر کامیابی کا کوئی امکان نہیں، مزید مشورہ دیا کہ شام کے بااثر آدمی شرجیل بن سمط کندی کو بلا کر انہیں اپنا ہمنوا بناؤ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان کے خون بے گناہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بھی رنگین ہے، عمائد شام کی طرح شرجیل بن سمط کندی کو بھی اس امر کا پورا یقین ہوگیا تو اُس نے شام کا دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُبھارنا شروع کردیا۔

اسی اثنا میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے خلیفہ مظلوم کی زوجہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں اور وہ خون آلود پیراہن لے کر شام پہنچ گئے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان اشیاء کو جامع دمشق میں نمائش کے لئے آویزاں کر کے لوگوں کے جذبات بھڑکانے میں کوئی وقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس سے اہل شام کے جذبات بھڑک اُٹھے، لوگ جوق در جوق آتے اور اس دردناک منظر کو دیکھ کر زار و قطار روتے یہاں تک کہ اُنہوں نے قسم کھائی کہ جب تک قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام نہ لیں گئے اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے نہ عورتوں کو چھوئیں گے۔

(تاریخ طبری حصہ سوم)

اس کے بعد طرفین نے پوری شدید مد کے ساتھ جنگ کی تیاریاں شروع کردیں، حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شامی افواج کے امیر العسکر مقرر ہوئے اور پھر اس جنگ کی ابتدا ہوئی تاریخ اسلام میں جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ آخری فیصلہ کن معرکہ کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقین ہوگیا، کہ شکست یقینی ہے تو انہوں نے

حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا:۔

''ابن العاص ہم تو ہلاک ہو گئے، اب تم اپنی پوشیدہ قوتوں کو حرکت میں لاؤ''۔ (حضرت عمرو بن العاص از محمد فرج مصری)

حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو اہل عرب میں ایک مشہور مدبر مانے جاتے تھے اس یقینی شکست سے بچنے کے لئے ایک ایسی تدبیر عمل میں لائے جس سے حالات کا رُخ یکا یک پلٹ گیا۔ مورخین کے مطابق حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے شامی لشکر کو حکم دیا کہ

''اے لوگو، جس شخص کے پاس تم میں سے کلام اللہ کے اجزا ہوں وہ ان کو اپنے نیزے پر بلند کرے''۔

اہل لشکر نے ایسا ہی کیا چنانچہ جوں ہی مصاحف نیزوں پر اُٹھائے گئے شامی لشکر سے یہ آوازیں بلند ہونے لگیں:۔

''یہ اللہ کی کتاب فیصل ہے ہمارے اور تمہارے درمیان''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے بھی شامی فوجوں کے نعروں کے جواب میں یہی نعرہ بلند کیا کہ ''ہم کتاب اللہ کے فیصلے کا استقبال کرتے ہیں'' اور اس طرح حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس حمیت اور شدت کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پائی جاتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر چند لوگوں کو سمجھایا کہ یہ محض فریب ہے۔ لیکن کسی نے ادھر توجہ نہ دی۔ آخر جب کوئی لشکر میں اختلاف کا خطرہ بڑھا تو آپ بھی چارو نا چار اسی بات پر آمادہ ہو گئے۔

دُوسرے دن تحکیم کا طریقہ طے کرنے کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان نامہ و پیام شروع ہوا۔ بالآخر طے پایا کہ دونوں

طرف سے ایک ایک حکم مقرر ہو۔ دونوں مل کر کتاب اللہ کے مطابق جو فیصلہ دیں گے وہ فریقین کیلئے واجب التسلیم ہوگا۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم حکم مقرر ہوئے اور ثالثی نامہ تحریر ہوا جس کا خلاصہ یہ تھا:۔

"حکمین اختلاف اُمت کا خیال رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی رو سے عدل و انصاف کے ساتھ جو فیصلہ کردیں گے وہ طرفین کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کو نہ مانے گا اس کے خلاف دونوں حکم مدد دیں گے"۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

اس ثالثی کے بعد کے بعد دونوں نے اپنی اپنی فوجیں پیچھے ہٹالیں اور حکمین نے فیصلہ کے مقام دومتہ الجندل میں پہنچ کر آپس میں تبادلہ خیالات شروع کردیا۔

اس ضمن میں حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں بڑی بحث وتمحیص کے بعد دونوں اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا موقع دیا جائے۔

(بحث کا خلاصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات میں ملاخطہ فرمائیں)

چونکہ بعض عاقبت اندیش اور سمجھ دار لوگوں کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سادگی اور حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا، اس لئے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ اگر آپ لوگ کسی متفقہ فیصلے پر پہنچ چکے ہیں تو اس کے اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان خدشات کو قطعی قابل توجہ نہ سمجھا کیونکہ ان کے نزدیک دونوں

حکمین کے درمیان طے پا جانے والے متفقہ فیصلے میں کسی انکار یا انحراف کی گنجائش نہ تھی، بہرکیف مقررہ تاریخ پر فریقین دومتہ الجندل کی جامع مسجد میں جمع ہوئے۔

جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں لیکن انہوں نے ازراہ اَدب انکار کیا اور کہا، "میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت میں سن و سال میں غرض ہر حیثیت سے مجھ سے افضل ہیں اور ہمارے بزرگ ہیں"۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر ان الفاظ کا ایسا جادو چلا کہ انکار نہ کر سکے چنانچہ بغیر کسی پس و پیش کے کھڑے ہوگئے۔اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد لوگوں سے کہا کہ صاحبو! بہت غور و فکر کے بعد ہم دونوں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کئے بغیر اُمت کی اصلاح نہیں ہوسکتی اس لئے میں نے ان دونوں کو معزول کیا اب آپ لوگوں کو اختیار ہے کہ جس کو خلافت کا اہل سمجھیں اس کو اپنا خلیفہ بنالیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے خطاب کے بعد حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا:۔

"صاحبو! آپ لوگوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سن لیا، اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کیا میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرتا ہوں لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھتا ہوں"۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے مجمع پر سناٹا چھا گیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس پر احتجاج کیا، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور اب اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی، اس فیصلہ سے قدرتاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہوگئی اور قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل

پڑیں۔ لیکن شامیوں نے فوراً حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اُونٹ پر بٹھا کر مکہ روانہ کر دیا اور معاملہ رفت گذشت ہو گیا۔

مصر پر حملہ:

اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایماء سے مصر پر توجہ کی، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے محمد ابوبکر رضی اللہ عنہ گورنر تھے حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ سے، جو قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے باعث رنجیدہ اور مصر میں مقیم تھے، خط و کتابت شروع کی یہ دونوں چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے اس لئے ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے اس کے بعد حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف کوچ کیا اور مصر کی حدود میں داخل ہو کر محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھا:۔

"اما بعد اَے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے! اپنی جان کی حفاظت چاہتے ہو تو میرا راستہ صاف کر دو۔ میں بھی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میرا چنگل تم پر پڑے اس زمین کے لوگ تم سے برگشتہ تمہاری حکومت سے ناخوش اور تمہاری اطاعت پر شرمندہ ہیں اگر بات بگڑ گئی تو وہ خود تمہیں ہمارے حوالے کر دیں گے اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ تم مصر سے نکل جاؤ اور میری نصیحت قبول کر لو والسلام"۔

(حضرت عمرو بن العاص مولفہ محمد فرج مصری)

محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ خط حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا دربارِ خلافت سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا اس پر محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ مقابلے کے لئے تیار ہو گئے فریقین شہر منشاۃ میں صف آرا ہوئے دونوں فوجوں میں شدید معرکہ ہوا کنانہ جو

مصری فوج کے قوتِ بازو تھے جب میدان میں کام آ گئے تو مصری فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ان کا اکثر حصہ موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ شکست کے آثار دیکھ کر پہلے ہی نکل گئے تھے، حضرت معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ نے تعاقب میں آدمی بھیجے جو انہیں ایک کھنڈر سے گرفتار کر لائے، حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کر دیا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فسطاط میں تھے کہ انہیں صفر ۳۸ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچا کہ تمہیں مصر کا حاکم بنایا جاتا ہے اور مصر تمہیں اس شرط پر دے دیا گیا ہے کہ فوج کا خرچ تمہارے ذمہ ہوگا اور اس کے بعد جو کچھ بچے گا اس کے مالک تم خود ہو گئے۔ (ایضاً)

موقف میں اختلاف:

مورخین کے مطابق اگرچہ حسب وعدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو مصر کا گورنر بنا دیا تھا تاہم ان کے نزدیک یہ سب کچھ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے استحقاق سے زیادہ تھا، شاید اس کا پس منظر یہ ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طاقت اور ہوشیاری کا اندازہ لگانے کے بعد اس بات سے خائف ہو گئے ہوں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کبھی نہ کبھی دمشق پر ضرور ہاتھ ماریں گے اور دُوسری طرف حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ ان کی خدمات کے پیش نظر مصر اور شام دونوں انہیں ملنے چاہئیں چنانچہ دونوں میں جو خط و کتابت ہوئی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ اُموی اور والئی مصر کے درمیان شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو انہیں مراسلہ بھیجا اس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ:-

"بشرطیکہ کوئی شرط اطاعت کو نہ توڑے"۔

اس کے جواب میں حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ:۔

"بشرطیکہ کوئی اطاعت شرط کو نہ توڑے"۔

بہرحال جب یہ کشیدگی بڑھی تو حضرت معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ نے بیچ میں پڑ کر باہمی صلح کرادی اور ابن سعد کے مطابق

"اُنہوں نے دونوں کے درمیان ایک اقرار نامہ لکھا جس میں لوگوں کے لئے اور خاص کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ پر کچھ شرطیں مقرر کیں، یہ کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے لئے سات سال تک مصر کی ولایت ہوگی بہ ایں شرط کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہوگی اس پر دونوں نے اعتبار اور اقرار کرلیا اور دونوں نے اپنے اپنے اُوپر گواہ بنالئے"۔ (طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

قاتلانہ حملہ:

معرکہ نہروان میں خارجیوں کی شکست اور قتل عام کے بعد ان کے باقی ماندہ افراد میں جذبہ انتقام شدید ہوگیا تھا اس لئے تین خارجیوں نے اس مشورہ کے بعد اسلام میں فتنہ و فساد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہے، اس بات کا پختہ عہد کیا کہ ایک ہی وقت میں ان تینوں کا قصہ پاک کردینا چاہیے چنانچہ ابن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر التمیمی بالترتیب حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلے اور ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کی مقررہ شب کو تینوں صحابہ پر خفیہ حملہ کیا ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا،

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہمت ہار گیا اور حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قاتل نے دھوکہ میں ان کی بجائے قاضی مصر حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جو قتل کے وقت حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی علالت کے باعث نماز پڑھا رہے تھے قاتل کو گرفتار کر کے جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ کہہ رہا تھا کہ:۔

''میں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے خارجہ کا ارادہ کر لیا''۔

اتنا کہہ کر وہ رو پڑا۔ حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس طرح بزدلی سے رونے کا سبب پوچھا، قاتل نے جواب دیا ''خدا کی قسم میں موت سے ڈر کر نہیں رو رہا، بلکہ اس صدمہ سے رو رہا ہوں کہ میرے دونوں ساتھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل میں کامیاب ہو جائیں گے اور میں ناکام رہ گیا'' پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن مار دینے کا حکم دیا اور نعش کو سولی پر لٹکا دیا۔ (حضرت عمرو بن العاص مؤلفہ فرج مصری)

وفات:

حضرت عَمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو رمضان المبارک ۴۰ھ میں عمرو بکر تمیمی کی تلوار سے بچ گئے تھے تین سال بعد خود بخود موت کی آغوش میں چلے گئے، آپ ۴۳ھ میں اپنے عہد حکومت میں بیمار ہوئے جب زندگی کی زیادہ اُمید نہ رہی تو اپنی گزشتہ لغزشوں پر بہت نادم تھے،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عیادت کو آئے، سلام کے بعد پوچھا ابو عبداللہ کیا حال ہے؟ جواب دیا، ''کیا پوچھتے ہو، دُنیا کم بنائی مگر دین زیادہ بگاڑا، اگر اس

کو بگاڑا ہوتا جس کو بنایا ہے اور اسے بنایا ہوتا جسے بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہوتا۔ اگر آخر عمر کی آرزو فائدہ مند ہوتی تو ضرور آرزو کرتا، اگر بھاگنے سے بچ سکتا تو ضرور بھاگتا مگر اب منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہوں، نہ ہاتھوں کے سہارے اُوپر چڑھ سکتا ہوں نہ پاؤں کے سہارے نیچے اُتر سکتا ہوں اَے بھتیجے! مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر کہ اس سے فائدہ اُٹھاؤں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، افسوس اب وہ وقت کہا، اب وہ بھتیجا بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی ہو گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کے لئے تیار ہوں۔ مقیم سفر کا کیسے یقین کر سکتا ہے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا، اس وقت اسی برس سے کچھ اُوپر میری عُمر ہے اور تُو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے نا اُمید کرتا ہے، مولیٰ کریم! یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجھ کو تیری رحمت سے نا اُمید کر رہا ہے۔ ابھی تو مجھے یہاں تک تکلیف دے کر راضی ہو جا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ "ہیہات ابوعبداللہ جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پرانی ہے"۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ! تم کو کیا ہو گیا ہے۔ جو بات میں کہتا ہوں تم اس کو اُلٹا کہتے ہو"۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ اوّل)

عوانہ بن الحکم سے مروی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہا کرتے کہ اس شخص پر تعجب ہے کہ جو موت کے قریب ہو کر ہوش بجا رکھتا ہو مگر موت کی کیفیت بیان نہ کرے، چنانچہ جب ان پر یہی حالت طاری ہوئی تو اُن کے بیٹے عبداللہ نے انہیں یہ بات یاد دلائی اور کہا آپ موت کے متعلق بیان کیجئے کیونکہ آپ کی عقل آپ کے ساتھ ہے۔ اس پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "اے میرے بیٹے موت اس سے برتر ہے کہ اسے بیان کیا جائے، لیکن میں اس میں سے کچھ تم سے بیان کروں گا، میں اپنے آپ کو اس حالت میں پاتا ہوں

کہ گویا میری گردن پر کوہِ رضویٰ ہے، میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے ہیں اور میری سانس سوئی کے ناکے سے نکلتی ہے"۔ (طبقات سعد حصہ چہارم)

ابن سعد نے ابن شامہ مہری سے روایت کی ہے کہ جس وقت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ موت کے آثار میں تھے تو ہم لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے، وہ دیوار کی طرف اپنا منہ پھیر کر خوب رو رہے تھے، ان کے بیٹے عبداللہ نے دلاسہ دیا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے؟ کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی ہیں، آپ اس پر بھی رو رہے تھے اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

پھر اُنہوں نے ہماری طرف مُنہ کیا اور کہا میرے پاس افضل ترین دولت

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ

کی شہادت ہے مجھ پر زندگی کے تین دَور گزرے ہیں، ایک دَور وُہ تھا کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی قابل بُغض و عداوت نہ تھا۔ مجھے اس سے زیادہ کوئی امر پسند نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر قابو پاؤں اور آپ ﷺ کو قتل کر دُوں، اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو اہل دوزخ میں سے ہوتا پھر اللہ عزوجل نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ میں حضور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا کہ آپ سے بیعت کروں عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اپنا ہاتھ پھیلائیے میں بیعت کروں گا۔ جب حضور ﷺ نے ہاتھ پھیلایا تو میں نے سمیٹ لیا، فرمایا حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) تم کو کیا ہوگیا ہے؟ عرض کی میں کچھ شرط چاہتا ہوں فرمایا وہ کونسی شرط ہے؟ میں نے عرض کیا۔ میری مغفرت

ہو جائے۔ فرمایا، اَے عمرو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام انسان کے پہلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، ہجرت بھی اپنے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور حج بھی اپنے قبل کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا اور نہ میری نظر میں ان سے زیادہ کوئی بزرگ تھا۔ اگر مجھ سے درخواست کی جاتی کہ آپ کی تعریف کروں تو میں ایسا کبھی نہ کرسکتا۔ اس لئے کہ آپ کی بزرگی کو اپنی آنکھوں میں بھرنے کی طاقت نہ تھی اگر اس حالت میں مرجاتا تو اُمید تھی کہ میں اہل جنت میں ہوتا۔ پھر تیسرا دَور آیا کہ چند چیزیں ہمارے قریب آگئیں، مجھے معلوم نہیں کہ میں اس میں کیا ہوں یا اس میں میرا کیا ہے (اس لئے) جب میں مر جاؤں تو نوحہ کرنے والیاں میرے ساتھ نہ جائیں نہ جنازے کے پیچھے آگ جائے۔ جب تم لوگ مجھے دفن کرنا تو مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا اس سے فارغ ہو کر اتنی دیر میری قبر کے پاس ٹھہرنا جتنی دیر اُونٹ ذبح کر کے گوشت تقسیم کیا جائے کیونکہ تمہاری وجہ سے مجھے اُنس رہے گا، یہاں تک کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے پروردگار عزوجل کے قاصد کس امر کے ساتھ میرے پاس لوٹائے جاتے ہیں۔

(طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے موت کے وقت اپنے محافظ دستے کو بلایا اور پوچھا کہ میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟ اُنہوں نے کہا کہ آپ ہمارے سچے ساتھی تھے۔ ہمارا اکرام کرتے اور ہمیں دل کھول کر دیتے تھے یہ سلوک کرتے تھے وہ سلوک کرتے تھے، کہنے لگے، میں یہ صرف اس لئے کرتا تھا کہ تم لوگ مجھے موت سے بچا لوگے، اب موت سامنے کھڑی ہے،

لہٰذا تم لوگ مجھے اس سے بچاؤ یہ عجیب فرمائش سن کر وہ ایک دُوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے، پھر بولے واللہ، اے ابوعبداللہ ہم آپ سے ایسی بات سننے کی اُمید نہ تھی، آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ موت کو آپ سے ذرا بھی نہیں ہٹا سکتے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ جانتے ہوئے تم سے ایسی فرمائش کی ہے کہ تم لوگ ذرا بھی مجھے موت سے نہیں بچا سکتے۔ کاش میں نے تم میں سے کسی کو اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ افسوس ابن ابی طالب (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) سچ کہتے تھے کہ "انسان کی محافظ خود اس کی موت ہے" پھر کہا مولیٰ کریم عزوجل میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں، طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں، اگر تیری رحمت نے دستگیری نہ کی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

(طبقات ابن سعد حصہ چہارم)

اس کے اپنے بیٹے عبداللہ سے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے ایک غسل معمولی پانی سے دینا، پھر کپڑے سے پانی خشک کر کے تازہ اور صاف پانی سے نہلانا تیسری مرتبہ ایسے پانی سے غسل دینا جس میں کسی قدر کافور ملا ہو پھر کپڑے سے خشک کرنا، کفناتے وقت آزار کس کر باندھنا کیونکہ میں جھگڑا کرنے والا ہوں، پھر تابوت پر اُٹھانا اور ایسی رفتار سے چلنا جو دونوں رفتاروں (یعنی سُست و تیز) کے درمیان ہو۔ لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا کہ اس کے آگے ملائکہ چلتے ہیں، پچھلا حصہ بنی آدم کے لئے ہے قبر میں رکھ کر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا اس کے بعد دُعا میں مصروف ہو گئے، کہ اَے اللہ تو نے حکم دیا میں نے حکم عدولی کی، تو نے ممانعت فرمائی، میں نے نافرمانی کی۔ میں بَری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں ہاں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور یہی کلمات کہتے کہتے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا

لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

یکم شوال ۴۳ھ بعد نماز عید الفطر آپ کے صاحبزادے نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مقطم میں سپرد خاک کئے گئے۔

اولاد:

آپ نے دو لڑکے عبداللہ اور محمد یادگار چھوڑے یہ دونوں خولہ بنت حمزہ سے تھے۔

حُلیہ مبارک:

آپ کا قد چھوٹا، اعضا نہایت مضبوط اور جسم ہر قسم کی محنت و مشقت برداشت کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ آپ کی پیشانی کشادہ آنکھیں سیاہ اور موٹی تھیں داڑھی پر سیاہ خضاب کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس قدر گہرا خضاب کیا کہ بال کوے کے پر کی طرح کالے ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پوچھا، ابوعبداللہ! یہ کیا؟ عرض کی ''امیر المومنین، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو کسی قابل شمار کریں'' اس کے بعد امیر المومنین نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا چہرہ بڑا شاندار تھا اور بشرے سے سرداری اور سیادت کے آثار ظاہر ہوتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر فرمایا تھا کہ ابوعبداللہ کا چہرہ تو واقعی کسی سردار کا معلوم ہوتا ہے۔

(حضرت عمرو بن العاص مولفہ محمد فرج مصری)

عادات وخصائل:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ابتدا سے ہی سرداری اور قیادت کے

خواہشمند تھے۔ چنانچہ لوگوں کی امامت کے فرائض خود انجام دیا کرتے اور آخر وقت تک ان کا یہی معمول رہا۔

مال و دولت سے انہیں بے حد محبت تھی، اور شاید اسی غیر معمولی محبت کا نتیجہ تھا کہ خلفائے راشدین ان سے ہمیشہ بدگمان رہتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ان کا بہت سا مال ضبط کرلیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی ولایت مصر سے معزولی کا سبب بھی یہی ہوا تھا کہ امیر المومنین کو خیال تھا کہ خراج کی کثیر رقم اپنے پاس رکھ لی ہے اور اسے بیت المال میں داخل نہیں کرایا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے جذبات وعواطف پر قابو پانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور عقل کے مقابلہ میں جذبات کی قطعی پرواہ نہ کرتے تھے چنانچہ آپ کہا کرتے:۔

''بلیغ ترین شخص وہ ہے جس کی رائے اس کی خواہشات کو دُور کردے اور بہادر ترین انسان وہ ہے جو اپنے حلم سے اپنے جہل کو دُور کردے''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شعرو شاعری کے بھی ذوق رکھتے تھے، آپ کی شخصیت بڑی پرکشش تھی اور آپ میں ایک بہادر شاعر، متقی اور پرہیزگار انسان کی صفات مجتمع تھیں۔ آپ کا ظاہر و باطن ایک جیسا تھا آپ کو جو بات کہنا ہوتی وہ کسی شخص کی ناراضگی کی پروا کئے بغیر بلا جھجک کہہ دیتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے عالم شباب میں شام، حبشہ اور مصر کے متعدد سفر کئے تھے۔ ان سفروں کے دوران آپ کو مختلف لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جس سے ان کی واقفیت عامہ نہایت وسیع ہوگئی۔ ذہن صیقل ہوگیا اور دماغ میں جہالت کی تاریکی کی بجائے علم کی روشنی پھیل گئی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں شجاعت، بے خوفی ہمت و استقلال، علم و حکمت اور عقلمندی و وفاداری کی جو صفات جمع تھیں وہ مشاہیر عالم میں سے بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہیں، آپ نادرہ روزگار شخصیت تھے، سرزمین عرب کو آپ پر ناز تھا آپ عرب کی سیاسی عمارت کے ان ستونوں میں سے تھے جس کے ٹوٹنے سے عرب سیاست کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو چونکہ ابتداء و آزمائش کے مختلف اَدوار سے گزرنا پڑا تھا تاہم آپ بارگاہ نبوی ﷺ کے جلیس اور حضور سرور دو عالم ﷺ کے صحبت یافتہ تھے اس لئے ان دنیاوی لغزشوں کے باوجود آپ کے وہ فضائل نظر انداز نہیں کئے جاسکتے جو فیضانِ نبوت نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پیدا کر دیے تھے۔

قوتِ ایمان:

قوتِ ایمان تمام فضائل کا سرچشمہ ہے، اسی سے تمام فضائل کا ظہور ہوتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت کا خود سرورِ دو عالم ﷺ نے ان الفاظ میں اعتراف فرمایا ہے "اسلم الناس دامن عمرو بن العاص" اسی طرح ایک دوسرے موقع پر فرمایا "ابنا العاص مومناں" یعنی ہشام و عمرو۔

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی تصدیق واقعات سے بھی ہوتی ہے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، کہ وہ ہتھیار سجا کر اور لباس بدل کر آئیں، آپ حسب ارشاد نبوت حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ اس وقت وضو فرما رہے تھے نظر اُٹھا کر انہیں دیکھا پھر نگاہ نیچی کر کے فرمایا کہ میں تمہیں امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں، انشاء اللہ تم محفوظ رہو گے مالِ غنیمت بھی ہاتھ لگے گا اور تمہیں بھی وافر حصہ ملے گا عرض کیا رسول اللہ ﷺ میں

نے مال کے لالچ میں نہیں بلکہ دلی رغبت سے اسلام قبول کیا ہے، ارشاد ہوا:۔

"مال صالح مرد صالح کے لئے بہتر ہے۔"

ایک موقعہ پر حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریش کے صالح افراد میں ہیں، عبداللہ اور ابوعبداللہ (عمرو بن العاص) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔

حق پسندی:

حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ طبعاً بڑے حق پرست تھے۔ ایک دن خانہ کعبہ میں بیٹھے لوگوں کو حدیث سنا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بہ خلوص نیت کسی امام کی بیعت کرلی اس کو مقدور بھر اس کی حمایت کرنی چاہیئے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو تو اس کی گردن اڑا دینی چاہیے، اس پر عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ نے کہا، خدا آپ کو خوش رکھے، یہ حدیث آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ آپ نے اپنے کانوں اور دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میرے دونوں کانوں نے سنی اور قلب نے محفوظ رکھی۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کسی حکم کا ذکر کر کے اعتراض اٹھایا کہ یہ حکم قرآن حکیم کے ارشاد

یا ایها الذین امنوا لا تا کلوا ...... رحیما. (سورہ نساء)

کے خلاف ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ سن کر خاموش ہو گئے پھر فرمایا "جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہوتی ہو اس کو مانو اور جس میں ہوتی ہو اس کو نہ مانو"۔

تدبیر و سیاست:

تدبر و سیاست اور عقل و دانش میں حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

کا شمار عرب کے ان مخصوص اشخاص میں تھا جنہیں سب بالاتفاق مدبر مانتے تھے۔
ان کی اصابت رائے کے خود رسول اللہ ﷺ نے ان لفاظ میں اعتراف فرمایا کہ
تم اسلام میں صائب رائے کے آدمی ہو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مدبر نے
اُن کی تعریف ان الفاظ میں کی کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکومت کے لئے
موزوں ہیں، آپ جب کبھی کسی ضعیف الرائے اور خام کار کو دیکھتے تو تعجب سے
فرماتے کہ اس شخص اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خالق ایک ہے۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ہر صفحہ عقل و دانش اور تدبیر و
شجاعت کے واقعات سے لبریز ہے سریہ ذات السلاسل سے لے کر جنگِ صفین
تک کے واقعات ان کے تدبر، معاملہ فہمی، سیاسی سوجھ بوجھ اور شجاعت کی ایسی
دلیل ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تدبر و سیاست میں ان کے ہم پلہ تھے اس
لئے دونوں میں کبھی کبھی چشمک بھی ہو جایا کرتی تھی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
نے انہیں مصر کی حکومت سپرد کرنے کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو کوفہ کا والی بنایا تو
حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے باپ
بیٹے کو مصر اور کوفہ کا والی بنا کر خود کو شیروں کے جبڑے کے درمیان دے دیا،
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس خطرہ کو بھانپ گئے چنانچہ عبداللہ کو معزول کر
کے ان کی جگہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ
آپ نے کوفہ کی حکومت ایسے آدمی کے سپرد کی جو اگر خراج کی رقم کھا جائے تو
آپ وصول بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ چونکہ تنگ دست رہا کرتے تھے

اس لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے خراج کا عہدہ نکال کر صرف امارت کے فرائض باقی رہنے دیئے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ تمہاری شکایت کا نتیجہ ہے اُنہوں نے کہا نہیں، بلکہ تمہاری شکایت کا جواب ہے۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

جہاد فی سبیل اللہ:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی کتابِ زندگی میں جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان بہت نمایاں ہے آپ تمام مغازی میں اسلام کے مشہور مجاہد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دوش بدوش رہے خود حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابتدائے اسلام سے رسول اللہ ﷺ نے کسی کو مغازی میں میرے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں کیا، ان کی شخصیت نہ صرف شام، مصر اور طرابلس کی فتوحات میں نمایاں رہی بلکہ مدینہ میں ذرا بھی کوئی خطرہ پیدا ہوتا تو آپ کی تلوار فوراً میان سے نکل آتی تھی۔

مورخین کے مطابق ایک دفعہ کسی وجہ سے لوگوں میں کچھ انتشار پیدا ہوگیا۔ اس افراتفری کے عالم میں صرف حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ مسجد میں تلوار چھپائے کھڑے رہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو آپ بھی تلوار لگا کر ان کے پاس کھڑے ہوگئے۔ اس عام سراسیمگی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ خدا اور رسول ﷺ کی پناہ میں کیوں نہیں آئے، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو کیوں نمونہ بنایا۔ (اصابہ ج ۳ ص ۳)

صدقہ وخیرات:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہایت فراخدلی کے ساتھ صدقہ دیتے تھے جس کا اعتراف کئی بار رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے کیا، حضرت علقمہ بن رمثہ بلوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ پر بحرین بھیجا اور خود ایک دُوسرے سریہ میں نکلے، ہم لوگ حضور نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب تھے، سرورِ دو عالم ﷺ پر کچھ غنودگی طاری ہوگئی، بیدار ہوئے تو فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، یہ ارشاد سن کر ہم سب اس نام کے اشخاص کا ذکر کرنے لگے۔ اس اثنا میں حضور نبی کریم ﷺ کی پھر آنکھ لگ گئی، پھر بیدار ہوکر فرمایا اللہ تعالیٰ عمرو رضی اللہ عنہ پر رحم کرے اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ نے یہی فقرہ تیسری مرتبہ فرمایا تو ہم لوگ ضبط نہ کرسکے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا ارشاد کس عمرو کے متعلق ہے۔ فرمایا ''حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ)'' ہم لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی ارشاد ہوا مجھ کو وہ وقت یاد ہے جب میں لوگوں سے صدقہ منگواتا تھا تو (یعنی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) بہت وافر لاتے تھے، اور جب پوچھتا کہاں سے لاتے ہو؟ کہتے خدا نے دیا، ایک موقعہ پر تین مرتبہ فرمایا ''مولیٰ کریم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرما، جب میں ان کو صدقہ لانے کیلئے بلاتا تھا تو وہ صدقہ لاتے تھے۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

فضل وکمال:

قبول اسلام کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی عمر کا زیادہ حصہ میدان کارزار میں گزرا اس لئے ظاہر ہے کہ ان کو علم وعرفان کے سرچشمہ سے

مستفید ہونے کا بہت کم موقع ملا تھا، پھر بھی آپ علم کی دولت سے تہی دامن نہ تھے۔

قرآن حکیم بہت سے علوم وفنون کا مجموعہ ہے اور اس کی قرات ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قراتِ قرآن کا خصوصی ذوق رکھتے تھے اور قرآن حکیم نہایت سوز وگداز کے ساتھ بہت صاف وواضح پڑھتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اگرچہ لڑائیوں میں شرکت کے باعث رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ مقدسہ کی اچھی خاصی تعداد ان کے حصہ میں آئی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد اُنتالیس ہے۔ جن میں تین متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے احادیث نبوی کے اس سرمایہ کو صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھا بلکہ دُوسرے مسلمانوں تک پہنچایا۔ آپ سے استفادہ کرنے والوں میں آپ کے صاحبزادے عبداللہ، غلام ابوقیس، بن ابی حازم، ابو عثمان نہدی، علی بن رباح لخمی، عبدالرحمٰن بن شمامہ، عروہ بن زبیر، محمد بن کعب، عمارہ بن حزیمہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (ایضاً)

تعلیم وتلقین:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جنگی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ اسلام کی تعلیم وتلقین کا فرض بھی انجام دیتے تھے چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں کامیابی کے بعد وہیں اقامت اختیار کر کے نومسلموں کو تعلیم دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب دُنیا طلبی کا رجحان بڑھنے لگا تو آپ لوگوں کے سامنے

تقریر کر کے ان کو اُسوہ نبوی کی پیروی کی ہدایت کرتے تھے حضرت علی بن رباح لخمی راوی ہیں کہ ایک دن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ منبر پر تقریر کر رہے تھے کہ "آج تم لوگوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن چیزوں سے احتراز فرماتے تھے تم ان کی طرف راغب ہو رہے ہو اور دُنیا کی تمنا کرتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے"۔

علم واجتہاد:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تمام مسائل میں قرآن و حدیث سے کام لیتے تھے لیکن ایسی صورت میں جبکہ دونوں سے عقدہ حل نہ ہوتا تو اجتہاد سے کام لیتے سریہ ذات السلاسل کے دوران ایک شب آپ کو نہانے کی ضرورت پیش آ گئی شدید سردی کے باعث نہانے سے بیماری کا خطرہ تھا اور نہ نہانے کی صورت میں نماز جاتی تھی چنانچہ اس موقعہ پر آپ غسل کی حالت کی وضو پر قیاس کر لیا اور پانی نہ ملنے پر بیماری کا خطرہ کی بنا پر تیمم کے حکم کے مطابق تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ سریہ سے واپس آ کر جب اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ! تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھ لی، عرض کی، یارسول اللہ ﷺ رات بہت سرد تھی۔ نہانے کی صورت میں جان کا خطرہ تھا۔ اس موقع پر مجھے قرآن حکیم کی آیت:

ولا تقتلوا انفسکم ...... رحیما (سورہ نساء)

یاد آ گئی چنانچہ میں نے تیمم کر لیا، رسول اللہ ﷺ ہنس کر خاموش ہو گئے۔

فصاحت و بلاغت

فصاحت و بلاغت میں بھی حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا پایہ

نہایت بلند تھا۔ موزخین کے مطابق ان کے متعدد بلند پایہ اقوال اور علم و حکمت سے پر جملے ادبیاتِ عرب کا قابل قدر سرمایہ ہیں۔

ابن عساکر کے مطابق ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:۔

''نیک شخص اس وقت حملہ کرتا ہے، جب وہ بھوکا ہوتا ہے اور کمینہ اُس وقت حملہ کرتا ہے جب اُس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے۔ اس لئے نیک آدمی کی بھوک دُور کرو اور کمینے کو قابو میں رکھو''۔ (ابن عساکر)

ہشام کلبی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا:۔

''سب سے زیادہ بلیغ شخص کون ہے''؟

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے جواب دیا:۔

''جس کی رائے اس خواہشاتِ نفسانی کے اُلٹ ہو''۔

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:۔

''سب سے زیادہ سخی کون ہے؟

جواب دیا:۔

''جو شخص اپنی دُنیا اپنے دین کی بہتری میں خرچ کرے''۔

پھر پوچھا:۔

''سب سے زیادہ شجاع کون ہے''؟

حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

''جو شخص اپنے حلم سے جہالت پر غالب آجائے''۔

ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

سے فرمایا۔ "میں نے تین باتیں اختیار اور تین باتیں ترک کر رکھی ہیں۔ جو تین باتیں اختیار کر رکھی ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ میں لوگوں کے دل ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہوں۔
۲۔ ہر شخص کی بات کان دھر کر سنتا ہوں۔
۳۔ جب کسی امر میں اختلاف پیدا ہو جائے تو جو امر سہل ہو، اُسے اختیار کرتا ہوں۔

جن باتوں کو ترک کر دیا ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ جھگڑے سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہوں۔
۲۔ کمینے کی صحبت کبھی اختیار نہیں کرتا۔
۳۔ ہر ایسی بات سے بچتا ہوں جس کے متعلق مجھے بعد میں عذر و معذرت پیش کرنی پڑے میری مثال اس شعر جیسی ہے۔

فَقُلْتُ لَهُ تَجَنَّبْ كُلَّ شَيْءٍ ...... يُعَابُ عَلَيْكَ اَنَّ الْحُرَّ حُر،

ترجمہ: میں نے اس سے کہا۔ تو ہر ایسی چیز سے پرہیز کر جس کی وجہ سے بعد میں تجھ پر عیب لگایا جائے، یاد رکھ کہ شریف آدمی ہمیشہ وُہی کام کرتا ہے جو فی الواقع شرفاء کو زیب دیتا ہے۔

مصر کی امارت کے زمانہ میں آپ ایک بے حد بوڑھے خچر پر سوار ہوئے، لوگوں نے دیکھا تو کہا کہ آپ امیر ہیں اور ایسے خچر پر سوار ہوتے ہیں، آپ نے جواب دیا:۔

"جب تک جانور میرا بوجھ اُٹھاتا رہے، بیوی مجھ سے خوش اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آتی رہے اور دوست میرے راز کی حفاظت کرتا رہے، اس وقت تک میں ان تینوں سے نہیں اُکتاتا اُکتانا جھوٹے اخلاق میں سے ہے"۔

(عمرو بن العاص مولفہ محمد فرج مصری)

حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ

پیدائش:

آپ کی صحیح تاریخ پیدائش متعین نہیں البتہ اس پر اتفاق ہے کہ آپ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہم عمر تھے۔ اس بنا پر آپ بعثت نبوی ﷺ سے تقریبا ستائیس سال قبل اندازاً ۵۸۴ء میں پیدا ہوئے۔

قبول اسلام:

یکم صفر ۸ھ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔

وفات:

۲۱ھ بعمر تقریبا اکسٹھ سال بعہد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہر حمص میں انتقال فرمایا بعض مورخین کے نزدیک آپ نے ۲۲ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (واللہ اعلم)

فرمان رسول ﷺ:

جنگ موتہ کے موقعہ پر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابن رواحہ

رضی اللہ عنہ کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے جو خدا کی تلوار ہے علم سنبھالا ہے اور فتح پائی ہے"۔

پھر ارشاد فرمایا "الٰہی خالد رضی اللہ عنہ تیری تلوار ہے تو ہمیشہ اسے فتح مند رکھنا"۔ (اسی دن سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا لقب سیف اللہ ہو گیا)۔

نام ونسب:

نام، خالد رضی اللہ عنہ کنیت ابو سلیمان اور لقب سیف اللہ تھا۔ سلسلہء نسب یہ ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔ آپ کی والدہ کا نام لبابہ بنت حارث بن حزن تھا جو ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن تھیں۔

خاندانی حالات:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے جو قریش کا ایک معزز قبیلہ تھا بنو مخزوم اور سرداران بنو ہاشم کے درمیان ازواج کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چچا ابو امیہ بن مغیرہ سے بیاہی تھیں انہی کے لڑکے زہیر بن ابو امیہ نے سب سے پہلے قریش کے اس ظالمانہ معاہدہ کو فسخ کرنے کا سوال اٹھایا تھا جس کے تحت رسول اللہ ﷺ اور آپکے اہل خاندان تین سال تک شعب ابو طالب میں محصور رہے تھے۔ مزید رسول اللہ ﷺ کی دو ازواج مطہرات یعنی حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

جس طرح بنو مخزوم قریش میں انتہائی بلند مرتبہ کے مالک تھے اسی طرح وہ دولت وثروت میں بھی کسی سے کم نہ تھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا چچا ابو امیہ بن مغیرہ قریش میں زادالراکب (مسافر کا توشہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ کیونکہ

شخص اس کا ہمسفر ہوتا اسے زادراہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی ابوامیہ کا انتقال ظہور اسلام سے قبل ہی ہو گیا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دوسرے چچا فاکہ بن مغیرہ نے جمیعت الضیافت بنا رکھا تھا جہاں جا کر ہر شخص بلا اجازت کھانا کھا سکتا تھا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا والد ولید بن مغیرہ قریش میں صاحب عقل وفہم اور بڑا فصیح البیان مانا جاتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد جن لوگوں نے قریش کی سیادت کا دعویٰ کیا ان میں یہ بھی شامل تھا۔ ولید قریش میں عدل قریش کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایک سال خانہ کعبہ کا غلاف یہ اکیلا چڑھاتا اور دوسرے سال تمام قریش مل کر چڑھاتے تھے۔ حج کے موقعہ پر منیٰ کے مقام پر تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اور کسی کو کھانا پکانے کے لئے آگ جلانے کی اجازت نہ تھی۔

مورخین کے مطابق کسی وقت بھی بارہ ہزار دینار سے کم رقم اس کے پاس نہ ہوتی تھی۔ اس کے باغات مکہ سے طائف تک چلے گئے تھے جن کا پھل سال بھر ختم نہ ہوتا تھا۔ (حضرت خالد سیف اللہ مؤلفہ ابوزید شلبی)

ولید بن مغیرہ قریش میں اپنے ارادے کی پختگی اور عزم وہمت کی بناء پر ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ تعمیر کعبہ کے دنوں میں جبکہ ہر شخص عذاب الٰہی کے خوف سے کعبہ کو ڈھانے سے ڈرتا تھا' ولید ہی نے یہ کہہ کر عمارت ڈھانی شروع کی تھی کہ۔

''اے اللہ! ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں کسی بد ارادے کو دخل نہیں ہمارا ارادہ نیک ہے''۔

ولید خانہ کعبہ کی تعظیم اس قدر کرتا تھا کہ کبھی جوتیاں پہن کر اس میں داخل نہیں ہوا'' مورخین کے مطابق جس نے سب سے پہلے اس طریقہ کو رواج دیا وہ ولید ہی تھا اور یہ اپنے آبائی دین سے حد درجہ شغف اور عقیدے کی پختگی کا اثر

تھا کہ اس نے زندگی بھر اسلام اور رسول اللہ ﷺ کو کام بنانے کی سر توڑ کوشش کی' ولید اس وفد کا ایک رکن تھا جو ابو طالب کے پاس یہ درخواست لے کر گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو دین کی تحقیر اور بتوں کی مذمت کرنے سے روک دیں۔

ولید قریش میں ''الوحید'' کے نام سے پکارا جاتا تھا کیونکہ وہ اپنی متعدد خوبیوں کی بناء پر تمام قوم میں ایک انفرادی حیثیت رکھتا تھا۔ ولید کی ان خوبیوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اسے اسلام کا پرستار بنائیں اور اسے ایمان باللہ کی حلاوتوں سے روشناس کرتیں' لیکن یہ اس کی انتہائی بدبختی تھی کہ اس نے اسلام کی عظمتوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی بجائے نخوت و تکبر کا مظاہرہ کیا اور نتیجۃً اسفل السافلین میں جا گرا مفسرین کے مطابق قرآن حکیم کا ارشاد

انا کفینك المستهزء ین الذین یجعلون مع الله الها اخر

فسوف یعلمون. (سورہ الحجر)

جن پانچ اشخاص کے متعلق ہے ان میں ولید بھی شامل تھا، یہ سب رسول اللہ ﷺ کی دشمنی اور حضور ﷺ کا مذاق اڑانے میں پیش پیش تھے۔ بہر کیف ولید بن مغیرہ ظہور اسلام کے بعد جب تک زندہ رہا۔

اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمنوں کی حیثیت سے زندہ رہا اور رسول اللہ ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں اس کی ریشہ دوانیاں اور معاندانہ کوششیں پورے عروج پر رہیں۔

(مورخین کے مطابق ولید ہجرت نبوی ﷺ کے تین ماہ بعد بعمر پچانوے سال فوت ہوا)۔

قبول اسلام سے قبل:

مورخین کے مطابق قبہ اور اعنہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ زمانہ جاہلیت سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خاندان میں چلا آرہا تھا چنانچہ ظہور اسلام کے وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ اسی عہدہ پر ممتاز تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ چونکہ ایک امیر کبیر باپ کے فرزند تھے اس لئے کوئی اور پیشہ اختیار کرنے کی بجائے آپ نے شہسواری تیر اندازی اور شمشیر زنی وغیرہ کا شغل اختیار کیا اور اپنی فطری پھرتی شجاعت اور خطرات سے بے پروائی جیسی صفات کی بنا پر ان میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ آپ قدرت کی طرف سے جنگی دل ودماغ لے کر آئے تھے خاندانی روایات نے آپ کی ان فطری صلاحیتوں کو مزید ابھرنے کا موقع دیا جنگی فرائض کی بجا آوری آپ کے راہوا رشوق کے لئے مہمیز ثابت ہوئی اور آپ ایک ایسے زبردست جنگی ماہر اور سپہ سالار اعظم بن گئے جن میں بڑے بڑے قائدین عساکر کی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ظہور اسلام کے وقت تقریباً ستائیس سال کے تھے۔ قریش مکہ کی طرف سے جب اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی عمومی مخالفت شروع ہوئی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، آپ کا گھرانہ چونکہ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا اس لئے آپ بھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اہل سیر کے مطابق یہ اسی مخالفت اور دشمنی کا اثر تھا کہ بعد میں جب کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لڑائیاں شروع ہوئیں تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ مسلمان نیست ونابود ہو جائیں۔

غزوہ اُحد کے موقع پر جب مسلمانوں کی فتح یقینی ہو گئی تھی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اچانک پیچھے سے حملہ کر کے مسلمانوں میں افراتفری پھیلا دی جس کی وجہ سے کفار مکہ شکست کی ذلت سے بچ گئے۔ یہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ جنگی مہارت کا ثبوت تھا کہ کفار مکہ کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور انہوں نے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت کی۔

غزوہ خندق کے موقع پر جب کفار کے لشکر میں عام بھاگڑ پڑی اور گھبراہٹ کے عالم میں وہ محاصرہ اٹھا کر بھاگے تو انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے درخواست کی کہ اگر مسلمان تعاقب کریں تو وہ ان کی حفاظت کریں۔ چنانچہ یہ دونوں دو سو سواروں کے ساتھ بطور ''ساقہ'' لشکر کے پیچھے پیچھے رہے تا کہ کسی موقع خطرے کی صورت میں مقابلہ کر سکیں۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا اس کے سردار حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

قبول اسلام:

تاریخ اسلام میں صلح حدیبیہ ایک ایسے آئینہ ہزار پہلو کی حیثیت رکھتی ہے کہ اسے جس سمت سے بھی دیکھا جائے اسلام کی بے پناہ حقانیت آگے بڑھنے کے لئے بیتاب نظر آتی ہے، اس کے ایک ایک پہلو میں ہزاروں کامیابیاں اور ایک ایک لفظ میں اسلام کی ہمہ گیری اور عظمت وجلال کا عکس صاف نظر آتا ہے لیکن اس وقت جبکہ معاہدہ حدیبیہ ضبط تحریر میں لایا گیا تھا اس کی تمام خوبیاں خدا اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ کسی پر عیاں نہ تھیں۔ یہی وجہ ہے یہ صلح کفار کی طرح اکثر صحابہ پر بھی شاق گزری تھی تاہم صاحب وحی ورسالت ﷺ کے

استقلال اور سورہ فتح کے نزول نے مسلمانوں کو تو مطمئن کر دیا مگر مشرکین مکہ کی بے چینی دور نہ ہو سکی، مشرکین میں جن لوگوں پر یہ صلح بہت ناگوار گزری تھی ان میں قریش کے سپہ سالار اعظم حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بھی شامل تھے، انہیں اب یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ کسی دن سارے عرب پر پرچم توحید لہرانے والا ہے' چنانچہ ان حالات کے پیش نظر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص حبشہ چلے گئے اور اپنے ساتھ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو بھی لے جانا چاہتے تھے مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ مکہ میں رہ کر ہی حالات کا جائزہ لیں۔

مورخین کے مطابق غزوہ حدیبیہ کے دنوں میں جبکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے گشت لگایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرکشش شخصیت، پاکیزہ زندگی بزرگی اور رعب و جلال کو قریب سے دیکھ کر اور مسلمانوں کے عزم اخلاق بے نفسی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت وعقیدت کا مطالعہ کر کے غیر محسوس طور پر ان کے دل میں اسلام کی محبت پرورش پانے لگی تھی، چنانچہ وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ اہل مکہ کا سلوک سراسر ظلم اور زیادتی پر مبنی ہے، بہرکیف اس محبت کی ابتدا کیسے ہوئی؟ حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر اسلام کی صداقت' جو بالآخر ان کے قبول اسلام کا باعث بنی، کیسے واضح ہوئی، یہ ایمان افروز روداد خود ان کی زبانی سنئے فرماتے ہیں۔

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام عینان پر قیام فرماتے تو میں نے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا، چنانچہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صحابہؓ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، مگر باوجود ہزار کوشش کے میں ایسا نہ کر سکا۔ اس وقت میرے دل پر القا ہوا کہ خدا ان کا حافظ و ناصر ہے اور ہم چاہے جتنی بھی

کوشش کریں ان پر غالب نہیں آسکتے"۔

مزید فرماتے ہیں۔

"جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمانا چاہا تو اس نے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دی اور مجھ پر ہدایت کی راہ واضح فرما دی، میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہر جنگ میں محمد ﷺ کے خلاف لڑا، لیکن ہمیشہ ہی نا کامی کا منہ دیکھنا پڑا، اس سے مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں غلط راستے پر کھڑا ہوں اور حضرت محمد ﷺ سب پر غالب آکر رہیں گے، جب حضور ﷺ عمرۃ القضا ادا فرمانے مکہ تشریف لائے تو میں مکہ سے باہر چلا گیا میرے بھائی حضرت ولید رضی اللہ عنہ بن ولید جو مسلمان ہو چکے تھے حضور ﷺ کے ساتھ مکہ آئے اور مجھے تلاش کیا مگر میں نہ ملا اس پر انہوں نے مجھے یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم میرے لئے یہ امر بیحد استعجاب کا باعث ہے کہ آپ ابھی تک اسلام سے روگرداں ہیں، حالانکہ آپ فہم وفراست میں مشہور ہیں، کیا اسلام جیسی نعمت سے کوئی شخص ناواقف رہ سکتا ہے"؟

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے آپ کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ خالد کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا خالد کو اللہ ہی لائے تو لائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔"خالد جیسا شخص کبھی اسلام کی حقیقت سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا، اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکین کے مقابلہ میں اپنی جنگی مہارت کا استعمال کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا اور ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیتے"۔

پس اے میرے بھائی، آپ جہاد کے جن بہترین مواقع سے محروم رہ گئے ہیں، وقت آگیا ہے کہ اب اپنے عمل سے ان کی تلافی کر لیں"۔

"جب بھائی کا یہ خط مجھے ملا۔ تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضری کی پرمسرت لہر دوڑ گئی اور میرے دل میں اسلام کا شوق اور زیادہ ہو گیا۔ سب سے زیادہ خوشی مجھے اس گفتگو سے ہوئی جو رسول اللہ ﷺ نے میرے متعلق میرے بھائی سے کی تھی' میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں تنگ وقحط زدہ علاقے سے نکل کر وسیع اور سرسبز وشاداب علاقہ میں آ گیا ہوں"۔

جب میں نے مدینہ منورہ جانے کا مصمم ارادہ کر لیا تو صفوان بن امیہ سے ملا اور اسے کہا" اے ابو وہب! کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ محمد ﷺ عرب وعجم پر غالب آ گئے ہیں؟ اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کی اطاعت قبول کر لیں تو ان کی عظمت خود ہماری ہی عظمت ہو گی"۔ اس پر صفوان نے جواب دیا کہ اگر مکہ میں میرے سوا کوئی بھی اسلام لانے سے باقی نہ رہا تب بھی میں ان کا اتباع نہیں کروں گا۔ میں نے دل میں خیال کیا، یہ بیچارہ مجبور ہے کیونکہ اس کا باپ اور بھائی جنگ بدر میں مارے جا چکے ہیں، اس کے بعد میں عکرمہ بن ابوجہل سے ملا اور وہی بات جو صفوان سے کہہ چکا تھا اس سے کہی، عکرمہ نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ تب میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ اس بات کا ذکر کسی اور سے نہ کرنے، اس نے وعدہ کیا کہ وہ یہ راز اپنے تک ہی محدود رکھے گا' اس کے بعد میں عثمان بن طلحہ سے ملا جو میرا دوست تھا، پہلے تو میں نے وہی باتیں اس سے بھی کہنے کا ارادہ کیا لیکن پھر مجھے اس کے باپ طلحہ، چچا عثمان اور اس کے چاروں بھائیوں (مسافع، حلاس، حارث اور کلاب) کا غزوہ احد میں قتل ہونا یاد آ گیا۔ جس کے باعث پہلے تو یہ بات اس سے کرنی مناسب معلوم نہ ہوئی لیکن بالآخر کہتے ہی بنی، چنانچہ میں نے عثمان سے کہا کہ ہماری مثال اس لومڑی کی سی ہے جو بھٹ میں چھپی ہوئی ہو لیکن بھٹ میں اگر کثرت سے پانی ڈالا جائے تو اُسے وہاں سے نکلنا پڑتا ہے، ہمیں یہ نظر آ رہا ہے کہ مسلمان ہم پر غالب آ جائیں گے

چنانچہ کیوں نہ ہم پہلے ہی اسلام قبول کرلیں؟ میری توقع کے برعکس عثمان نے فوراً آمادگی ظاہر کردی۔ مدینہ چلنے کی بات ہوئی اور یہ طے پایا کہ اگلے روز صبح سویرے ایک مقام پر دونوں پہنچ جائیں اور جو پہلے پہنچ جائے وہ دُوسرے کا انتظار کرے"۔

"اگلے روز طلوع فجر سے پہلے ہم دونوں مقرر جگہ پر پہنچ گئے اور پھر مدینہ کی راہ لی، مقام ہدہ پر پہنچے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جو حبشہ سے آرہے تھے، ہم نے ایک دُوسرے کو خوش آمدید کہا، پھر اُنہوں نے مجھ سے پوچھا۔ "ابوسلیمان! کہاں کا ارادہ ہے"؟ میں نے جواب دیا اللہ کی قسم! مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور میں مسلمان ہونے کے لئے مدینہ جارہا ہوں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا "میں بھی اسی غرض سے یہ سفر کررہا ہوں"۔ پھر ہم تینوں مل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

"ہم دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے اپنے اونٹ بٹھائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کی تیاری کرنے لگے رسول اللہ ﷺ کو بھی ہماری آمد کی خبر ہوگئی، آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا "مسلمانو! مکہ نے اپنے جگر گوشے نکال کر تمہارے سامنے ڈال دیئے ہیں"۔ میں نے نیا لباس پہنا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا تو پہلے اپنے بھائی سے ملا اُنہوں نے کہا "جلدی چلو! رسول اللہ ﷺ آپ حضرات کی آمد سے بہت خوش ہیں اور آپ سب کا انتظار فرمارہے ہیں"۔ یہ سن کر ہم جلدی سے بارگاہ نبوی ﷺ میں پہنچے، جس وقت رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ تبسم فرمارہے تھے"۔

"میں نے قریب جا کر حضور نبی کریم ﷺ کو سلامِ ﷺ پیش کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر میں نے کہا:۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سب تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں جس نے تمہیں ہدایت فرمائی، مجھے اُمید تھی کہ تمہاری عقل بالآخر سیدھے راستے کی طرف ضرور تمہاری رہنمائی کرے گی"۔ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ میں آپ کے خلاف کئی جنگوں میں لڑ چکا ہوں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے میرے اس گناہ کی معافی کے لئے دُعا فرمائیں"۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اسلام پہلے کی تمام برائیوں کو ختم کر دیتا ہے"۔ عرض کیا، کیا واقعی؟ فرمایا "ہاں" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے میری تمام پچھلی لغزشوں کی معافی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ بھی خدمت اقدس میں پیش ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے"۔ (طبقات ابن سعد چہارم، محمد رسول اللہ مولفہ محمد رضا مصری خالد سیف اللہ مولفہ ابوزید شلبی)۔

ہجرت:

قبول اسلام کے بعد حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تو مکہ لوٹ گئے مگر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مدینہ ہی میں مستقل قیام اختیار کرلیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، "خدا کی قسم! جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا ہے اس دن سے رسول اللہ ﷺ میرے اور دُوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور ہر موقع پر مجھے بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ شریک فرماتے

تھے، مدینہ میں رہائش کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ان مکانوں میں سے جو حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کو پیش کئے تھے، ایک مکان حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ (ابن سعد جلد چہارم)

غزوات:

جیسا کہ یہ لکھا جا چکا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے خاندانی عہدہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام پر ممتاز تھے، قبول اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کا یہ اعزاز قائم رکھا جس کے باعث اسلامی فتوحات میں بڑی امداد ملی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ جس طرح اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اسی طرح حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد مشرکوں کے لئے سخت ترین خطرہ بن گئے چنانچہ آپ کی تلوار اکثر معرکوں میں مشرکین کا شیرازہ بکھیرتی رہی۔

سریہ موتہ:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ قبول اسلام کے بعد سب سے پہلے سریہ موتہ میں شریک ہوئے۔ مورخین کے مطابق اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف حاکموں اور رئیسوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک خط شاہ بصریٰ کے نام بھی ارسال فرمایا جسے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے، حضرت حارث رضی اللہ عنہ شام کے علاقہ بلقاء سے گزرتے ہوئے بصریٰ جا رہے تھے کہ موتہ کے عامل شرجیل بن عمرو غسانی نے انہیں قتل کر دیا، جب رسول اللہ ﷺ کو شرجیل کے اس ظالمانہ فعل کا علم ہوا تو یہ حد درجہ رنج افزا واقعہ آپ کی طبع مبارک پر بہت گراں گزرا، چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کے انتقام کے لئے

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کی اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ ان کی جگہ لیں گے، اگر یہ بھی جام شہادت نوش کریں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لشکر کے امیر ہوں گے اور اگر ابن رواحہ بھی قتل سے محفوظ نہ رہیں تو مسلمان جسے چاہیں امیر چن لیں۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

جب مجاہدین کی یہ چھوٹی سی جماعت ارض بلقاء میں پہنچی تو معلوم ہوا کہ دشمن کا ایک بڑا لشکر موتہ سے چند میل دُور مشارف میں پہنچ گیا ہے، اسلامی لشکر نے موتہ کو مرکز بنا کر اسی کے وسیع میدان میں جنگ کا آغاز کیا، دستور کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پرچم اسلام اُٹھا کر آگے بڑھے اور بڑی مردانگی سے لڑ کر شہادت پائی۔ ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علم اُٹھایا، اور جب تک جسم میں جان باقی رہی پرچم اسلام سرنگوں نہ ہونے دیا، ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں کا کوئی امیر نہ رہا جس کے باعث اسلامی لشکر پر اضطراب طاری ہو گیا، مگر یہ حالت زیادہ دیر قائم نہ رہی کہ حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ کے حسن تدبیر، دُور اندیشی اور مردانگی کی برکت سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری پر اتفاق ہو گیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر منتشر لشکر کو اکٹھا کر کے اچانک اس زور سے حملہ کیا کہ دُشمن کے چھکے چھوٹ گئے آپ اگرچہ دُشمن کو شکست تو نہ دے سکے مگر اپنی جنگی قابلیت سے باقی اسلامی فوج کو دُشمن کی دستبرد سے بچا لائے،

اس جنگ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور بارگاہِ رسالتمآب ﷺ سے آپ کو "سیف اللہ" کا معزز خطاب ملا ہوا۔

دائرہ اسلام میں آنے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی جنگی صلاحیتوں کی یہ پہلی جلوہ افروزی تھی، آگے چل کر اللہ کی اس تلوار نے جو حیرت انگیز کارنامے انجام دئے وہ حربیات کی تاریخ کا قابل فخر سرمایہ ہیں۔

فتح مکہ:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ فتح مکہ (۲۰ رمضان المبارک ۸ھ) میں میمنہ کے افسر تھے اگرچہ اس فتح میں جنگ کی نوبت نہ آئی اور روٴ سائے قریش نے بلامزاحمت ہتھیار ڈال دئے تاہم چند مشرکین حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنا دستہ مکہ کے بالائی حصہ کدا کی جانب سے لے کر آئیں، چنانچہ یہ آرہے تھے کہ قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا اور ان کے لشکر میں سے حضرت کرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہ اور حضرت خنیس بن خالد بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو جو لشکر سے الگ ہو کر کسی اور راستے پر ہو لئے تھے، شہید کر ڈالا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو مجبوراً جوابی حملہ کیا، مشرکین تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے، رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے باز پرس کی، لیکن جب معلوم ہوا کہ ابتدا مشرکین کی جانب سے ہوئی تھی تو فرمایا قضائے الٰہی یہی تھی"۔

(مدارج النبوت)

انہدام عُزیٰ:

فتح مکہ کے پانچ دن بعد (۲۵ رمضان المبارک ۸ھ) کو تیس سواروں کے ساتھ عرب کے مشہور اور نامی بت عزیٰ کو توڑنے کے لئے نخلہ بھیجا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ یہ کام پورا کر کے جب واپس آتے تو حضور نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ

تم نے وہاں کچھ دیکھا؟ عرض کیا "نہیں" فرمایا کہ تب تو وہ بھی منہدم نہیں ہوا ہے، جاؤ اس کو منہدم کر کے آؤ اس ارشاد پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لئے وہاں پہنچے تو ایک منتشر بالوں والی سیاہ فام ننگی عورت نکلی اور صنم خانہ کا خادم شور مچانے لگا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قتل کر دیا، اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کو خبر دی، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں یہ عزیٰ تھی اور اب تمہارے ملک میں اس کی پرستش نہ ہوگی، یہ عزیٰ قریش اور تمام بنی کنانہ کا سب سے بڑا بت تھا اور بنی شیبان اس کے خادم تھے۔ (اصح السیر صفحہ ۳۱۲)

سریہ خالد رضی اللہ عنہ بن ولید الیٰ بنو جذیمہ:

عزیٰ کے انہدام کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جبکہ آپ ﷺ مکہ میں ہی مقیم تھے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو تین سو ساٹھ مہاجرین و انصار اور بنو سلیم کے ساتھ دعوتِ اسلام کی غرض سے بنو خذیمہ کی طرف روانہ فرمایا، لیکن انہیں قتل و قتال کا حکم نہ تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ شوال ۸ھ میں وہاں پہنچے اور انہیں اسلام کی دعوت دی، اُنہوں نے بجائے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنے کے صبانا (ہم صابی ہوگئے، ہم صابی ہوگئے) کہنا شروع کر دیا، یہ سن کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا، جو لوگ گرفتار کئے گئے انہیں مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا، دُوسرے دِن آپ نے قیدیوں کے قتل کا حکم دیا، انصار و مہاجرین اپنے قیدیوں کو قتل کرنے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے البتہ بنو سلیم نے اپنی نگرانی میں دیئے گئے قیدیوں کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے حکم پر قتل کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب حقیقتِ حال کا علم ہوا تو بے چین ہوگئے اور

اپنے ہاتھ اُٹھا کر دو مرتبہ فرمایا۔ ''اے اللہ! میں خالد (رضی اللہ عنہ) کے فعل سے بری الذمہ ہوں''۔ (خالد سیف اللہ مولفہ ابوزید شلبی)

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سب کی دیت دے کر بھیجا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کو جان و مال کا پورا پورا معاوضہ دیا یہاں تک کہ کتوں تک کا خون بہا دیا، اس پر بھی جو بچ رہا، سب ان ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

غزوہ حنین:

فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں بنوثقیف و ہوازن، اوطاس کے میدان میں جمع ہوئے، رسول اللہ ﷺ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلے، قبیلوں کے لحاظ سے اسلامی فوج کے مختلف حصے تھے، بنوسلیم کا قبیلہ مقدمۃ الجیش تھا اور اس کی کمان حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی، اس جنگ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس بہادری سے تلوار چلائی کہ صفیں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں، تاہم ان کو خود بھی دورانِ جنگ کئی زخم آئے، رسول اللہ ﷺ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے جو تعلق تھا وہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ بہ نفسِ نفیس ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور زخموں کو دم کیا جس سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ جلد شفایاب ہو گئے۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

غزوہ طائف:

مشرکین حنین کی شکست خوردہ فوج نے طائف میں قلعہ بند ہو کر دوبارہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، رسول اللہ ﷺ نے یہاں پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ فرمالیا، اہل قلعہ نے شدید مدافعت کی اور مجاہدین اسلام پر لوہے کی گرم سلاخیں، تیر

اور پتھر اس شدت سے برسائے کہ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، مسلمانوں نے بھی مدافعانہ حملہ کیا، اس فوج کا مقدمۃ الجیش بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے زیر کمان تھا۔

غزوہ تبوک:

ماہ رجب ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ رُومیوں نے مسلمانوں کے خلاف شام میں فوج جمع کی ہے اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے اس اطلاع پر رسول اللہ ﷺ تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مقابلہ کو نکلے اور مقام تبوک تک تشریف لے گئے، بعد میں معلوم ہوا کہ رُومی فوج کے اجتماع کی خبر غلط تھی اس لئے جنگ کی نوبت نہ آئی تاہم حضور ﷺ نے اسی مقام پر تقریباً بیس دن قیام فرمایا اور گردونواح کے عربی النسل عیسائی رؤسا کو مطیع کرنا ضروری خیال کیا جن کے ذریعہ رُومی ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے، چنانچہ ایلہ اوراذرح کے رئیسوں نے اطاعت قبول کر لی صرف دومتہ الجندل کا رئیس اکیدر بن عبدالملک رہ گیا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا اور روانگی کے وقت ہدایت فرمائی کہ اکیدر تم کو شکار کرتا ہوا ملے گا، اس کو قتل نہ کرنا بلکہ گرفتار کر کے میرے پاس لانا، البتہ وہ اگر انکار کرلے تو قتل کر دینا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اکیدر نیل گائے کا شکار کر رہا ہے، اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا مگر قتل ہو گیا اور اس کے بقیہ ساتھی قلعہ میں گھس گئے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اکیدر کو گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا، اکیدر نے جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی اور حضور نبی کریم ﷺ نے اس کو جان و مال کا امان نامہ عطا فرمایا۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

سریہ نجران:

بنی الحارث، نجران کا ایک معزز خاندان تھا، رسول اللہ ﷺ نے ربیع الآخر ۱۰ھ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو تبلیغ اسلام کے لئے ان لوگوں کی طرف بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ محض اسلام کی دعوت دینا، تلوار نہ اُٹھانا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ارشادِ نبوت ﷺ کی پوری پابندی کی اور میدان جنگ کے سیاسی دفعتہً مبلغ اسلام کے قالب میں آگئے اللہ تعالیٰ نے بنی الحارث پر رحم فرمایا کہ وہ بغیر کسی مزاحمت کے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ خوشخبری لکھ کر بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں بھیجی، حکم ہوا کہ ایک وفد لے کر دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ یہ لوگ حاضر ہوئے اور دیدارِ جمالِ نبوی ﷺ سے فیضیاب ہو کر واپس گئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ یمن میں:

رسول اللہ ﷺ نے آخر ۱۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیرامارت ایک سریہ یمن بھیجا اور دُوسری سمت سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو یمن پہنچنے کا حکم دیا، مزید ہدایت فرمائی کہ جب دونوں لشکر مل جائیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہوں گے اور جنگ کی ابتدا مسلمانوں کی طرف سے نہ ہوگی، مگر ہاں اس صورت کے کہ یمنی پیش قدمی کریں۔

یمن پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے سامنے اسلام پیش کیا اور اس کے جواب میں اُنہوں نے تیر اور پتھر پھینکے، مسلمانوں نے اپنی مدافعت کے لئے تلوار اُٹھائی، یمنی پسپا ہو گئے، اہل اسلام نے پھر اسلام پیش کیا جسے اہل یمن نے بخوشی قبول کرلیا، اس کے بعد لشکر اسلام اپنی مہم میں کامیاب ہو کر واپس مدینہ لوٹ آیا۔

دورِ صدیقی کی مشکلات:

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا، آپ ﷺ کے بعد قوم نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ایسے وقت میں ہوا۔ جب کہ جزیرہ العرب میں ہر طرف مرتدین اور جھوٹے مدعیان نبوت نے سخت اضطراب پیدا کر رکھا تھا۔ ان فتنوں سے سوائے مکہ، مدینہ، اور طائف کے باشندوں اور چند بدوی قبائل کے عرب کا اور کوئی قبیلہ محفوظ نہ تھا، سارے کے سارے قبائل اس طوفان میں بہہ گئے تھے۔

اس نازک صورت حال پر قابو پانے کے لئے ایک ایسے صاحب عزیمت اور کامل الایمان شخص کی ضرورت تھی جو بے نظیر عزم و ہمت اور لاثانی تدبر و فراست کی بدولت ان فتنوں پر قابو پا کر اہل عرب کو شدید ہیجان و اضطراب سے نجات دلا سکے، یہ سب صفات رسول اللہ ﷺ کے رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی تھیں، چنانچہ آپ نے اپنے مضبوط عزم و ارادے اور ایمان کی لازوال قوتوں کے ساتھ ان فتنوں کے استیصال کے لئے قدم اُٹھایا اور مرتدین اور جھوٹے مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لئے گیارہ لشکر تیار کئے۔ ان میں ایک لشکر کی امارت حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے سپرد کر کے حکم دیا کہ وہ پہلے بزاخہ جا کر طلیحہ پر چڑھائی کریں، اس کے بعد مالک بن نویرہ کی سرکوبی کے لئے بطاح کی طرف بڑھیں۔ (خالد سیف اللہ از ابوزید شلبی)

کاذب مدعی نبوت طلیحہ کی سرکوبی:

طلیحہ بن خویلد اسدی، بنو اسد بن خزیمہ میں سے تھا حجۃ الوداع کے بعد

رسول اللہ ﷺ کی مرض کی خبرسن کر اُس نے حضور ﷺ کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کردیا، حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ضرار بن اَزور رضی اللہ عنہ کو طلیحہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کو کافی حد تک دبا دیا کہ اسی دوران رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر پہنچی، حضرت ضرار رضی اللہ عنہ اس مہم کو ناتمام چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے، ان کی واپسی کے بعد یہ فتنہ پوری شدت سے بھڑک اُٹھا اور بہت سے قبائل نے طلیحہ کی اطاعت قبول کر لی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ خلیفہ الرسول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حکم ملتے ہی بزاخہ کی طرف بڑھے اور پہنچتے ہی لڑائی کا میدان گرم کر دیا۔

طلیحہ کی فوج میں دیگر بہادروں کے علاوہ عرب کا نامور شجاع عیینہ بن حصن فزاری بھی اپنے سات سو آدمیوں کے ساتھ شامل تھا فریقین کے درمیان گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، طلیحہ اپنے آدمیوں کو دھوکا دینے کے لئے ایک طرف چادر اوڑھے وحی کے انتظار میں بیٹھا تھا طلیحہ کی فوج نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ ''سیف اللہ'' نے اپنے تابڑ توڑ حملوں سے اس کے چھکے چھڑا دیئے لڑائی کا یہ رنگ دیکھ کر طلیحہ اپنی بیوی نوار سمیت گھوڑے پر سوار ہو کر شام بھاگ گیا، عیینہ بن حصن نے بھی بھاگنے کی کوشش کی، مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تعاقب کر کے اُسے معہ تیس ساتھیوں کے گرفتار کرلیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔

اُم زمل کی سرکوبی:

مورّخین کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ چشمہ بزاخہ پر ایک ماہ تک مقیم رہ کر اس علاقہ کے امن و امان کی بحالی اور تحصیل زکوٰۃ میں مشغول رہے اسی اثنا

میں آپ کو خبر ملی کہ طلیحہ کی شکست خوردہ فوج قبیلہ فزارہ کی سردار اُم زمل کے پاس کر جمع ہوئی ہے اور اُمِ زمل مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ رکھتی ہے، یہ اطلاع ملتے ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ بنو فزارہ کی طرف بڑھے، فریقین میں مقابلہ شروع ہوا، اُمِ زمل ایک اُونٹ پر سوار اپنی فوج کی ہمت بڑھا رہی تھی، مسلمان ہتھیلی پر جان رکھ کر اُم زمل کے اُونٹ تک پہنچے اور اس کی کونچیں کاٹ کر اُسے زمین پر گرا دیا، اُمِ زمل قتل ہوئی اور اس کے حمائتی میدان جنگ سے فرار ہو گئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ ادھر سے فارغ ہو کر مالک بن نویرہ کی سرکوبی کے لئے بطاح کی طرف بڑھے۔

فائدہ:

اُم زمل کا نام سلمٰی بنت مالک بن حذیفہ تھا، یہ اُمِ قرفہ کی بیٹی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قتل کر دی گئی تھی اُم قرفہ عیینہ بن حصن فزاری کی چچی تھی اور اپنی قوم بنی فزارہ میں بڑی عزت اور شان کی مالک تھی، اس کے قتل کے بعد اس کی بیٹی اُم زمل لونڈی بن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئی، آپ نے اسے آزاد کر دیا، چنانچہ اپنے قبیلہ میں واپس جا کر اُمِ زمل نے اپنی ماں کی جگہ سنبھالی اور موقعہ ملنے پر مرتدین کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آ گئی۔

مالک بن نویرہ کا قتل:

مالک بن نویرہ بنو تمیم کی ایک شاخ کا سردار تھا رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جن لوگوں نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا اور مسلمانوں سے جنگ کا ارادہ کیا، ان میں مالک بن نویرہ بھی شامل تھا۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ بطاح پہنچے تو قبیلے کا کوئی فرد وہاں موجود نہ تھا آپ نے نواحی علاقوں میں فوجی دستے بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ وہ جس شخص سے ملیں اسے دوبارہ قبول اسلام کی دعوت دیں، ان میں سے ایک دستہ مالک بن نویرہ اور اس کے چند ہم قبیلہ لوگوں کو گرفتار کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا، مسلمان فوجی دستہ میں اس بات پر اختلاف تھا کہ گرفتاری سے قبل ان لوگوں نے اذان دی تھی یا نہیں۔ جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قید کرنے کا حکم دیا، رات چونکہ سرد تھی اس لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے منادی کرائی کہ ''اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ''۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہوئی اور اسے قتل کا اشارہ سمجھ کر مسلمانوں نے قیدیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ شور سن کر خیمہ سے باہر آئے لیکن اس وقت تک مالک بن نویرہ سمیت تمام قیدیوں کا کام تمام ہو چکا تھا۔

مالک بن نویرہ کا قتل جائز تھا یا نہیں، مورخین کے نزدیک یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس پر البتہ اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طلب کرنے پر جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا عذر قبول فرما لیا اور بیت المال سے مالک بن نویرہ کا خون بہا ادا کر دیا، تاہم مالک کی بیوہ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی شادی کو پسند نہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اسے طلاق دے دیں۔

(خالد ''سیف اللہ'' از ابو زید شلبی)

مسیلمہ کذاب کی پامالی جنگ یمامہ ۱۱ھ:

دیگر قبائل کی طرح بنو حنیفہ کا ایک وفد بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس وفد میں مسیلمہ بن حبیب بھی تھا جب بنو حنیفہ واپس اپنے

قبیلہ میں پہنچے تو مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور مسجع اور مقفع عبارتیں بنا کر اپنے قبیلہ کے سامنے بطور وحی پیش کیں جس کے باعث بنو حنیفہ نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

رسول اللہ ﷺ کی وصال کے بعد مسیلمہ کا فتنہ اور زور پکڑ گیا، اس فتنے کو بھڑکانے میں زیادہ حصہ نہار الرجال بن عنفوا کا تھا اس شخص نے ہجرت کے بعد مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں اپنی تعلیم و تربیت کے لئے اسے ان لوگوں کے ساتھ روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر یہ مسیلمہ سے مل گیا جس لوگوں کو مسیلمہ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور اس طرح نہار الرجال کی امداد و اعانت سے ایک زبردست فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین اور جھوٹے مدعیان نبوت کے فتنوں کے استیصال کے لئے جو گیارہ علم تیار کئے تھے ان میں سے ایک حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل کے سپرد فرما کر انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو جائیں ان کے پیچھے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو کمک دے کر بھیجا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کا فخر صرف انہی کے حصہ میں آئے حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے قبل ہی بنو حنیفہ پر حملہ کر دیا لیکن ہزیمت اُٹھائی، اس شکست کی خبر جب خلیفہ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ "تم خود تو اُستاد نہیں مگر شاگردی کو عیب جانتے ہو، حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کے پہنچے سے پہلے حملہ کیوں کیا، اب تم مدینہ کا رُخ نہ کرنا بلکہ حذیفہ اور عرفجہ کے پاس چلے جاؤ اور ان کی ماتحتی میں مہرہ اور اہل عمان سے لڑو"۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اوّل)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان دنوں مالک بن نویرہ کے قتل کی جواب دہی کے

سلسلے میں مدینہ میں تھے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی ہزیمت کی خبر دربار خلافت میں پہنچی چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اسی وقت مسیلمہ کذاب کی طرف روانہ کیا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ روانگی کا حکم ملتے ہی یمامہ کی طرف روانہ ہوئے اس وقت بنوحنیفہ کا بہت زور شور تھا۔ مورّخین کے مطابق چالیس ہزار جنگ آور یمامہ کے دیہات اور وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے، حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ نے بھی عجلت کر کے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی طرح لڑائی شروع کردی اور ناکامی کے آثار نمایاں تھے کہ خوش قسمتی سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ایک اور گروہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی امداد کے لئے بھیج دیا۔

مسیلمہ کذاب تک پہنچنے میں ابھی ایک روز کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ کو مقدمتہ الجیش پر مقرر کر کے آگے بڑھنے کو کہا اتفاق سے رات کے وقت ان کی مڈبھیڑ مجاعہ سے ہوگئی جو چالیس یا ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ بلا دبنی عامر دبنی تمیم کی طرف شب خون مارنے گیا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے مجاعہ بن مرارہ کے علاوہ سب کو خاک وخون میں لوٹا دیا۔

مسیلمہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کا حال معلوم ہوا تو چالیس ہزار کی عظیم الشان جمعیت کے ساتھ عقربا کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی اپنی تیرہ ہزار فوج کے ساتھ وہیں پہنچ گئے اور ایک خونریز جنگ کی ابتدا ہوئی، دونوں طرف سے لڑنے والے ایک دُوسرے پر اس شدت کے ساتھ ٹوٹے پڑتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہی لڑائی فریقین کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والی ہے، پہلے

حملہ میں بنو حنیفہ لڑتے لڑتے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس خیمہ تک پہنچ گئے جہاں مجاعہ قید تھا اس کے بعد لشکر اسلام اللہ اکبر کہتا ہوا بنی حنیفہ پر اس زور سے حملہ آور ہوا کہ بنی حنیفہ بدحواسی کے عالم میں بھاگ نکلے، محکم بن طفیل نے (جو لشکر مسیلمہ کے میسرہ پر تھا) بنو حنیفہ کو پکار کر کہا کہ حدیقہ میں چلے جاؤ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

(مورخین کے مطابق شہر یمامہ کے دروازہ پر ایک باغ تھا جس کو حدیقہ الرحمٰن کہتے تھے مسیلمہ نے اپنا خیمہ اسی باغ میں نصب کیا تھا)

یہ سن کر بنو حنیفہ نے تو باغ میں گھسنا شروع کر دیا مگر ابن طفیل جس نے ن کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے قتل ہو گیا باغ کے اندر پہنچ کر مسیلمہ کے لشکر نے دروازہ بند کر لیا۔ مگر مسلمان حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے دروازہ توڑ کر گھسنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر قیامت خیز لڑائی شروع ہو گئی، اس افراتفری کے عالم میں لوگوں نے مسیلمہ سے پوچھا۔ ''تیرا وہ وعدہ کہاں ہے جو تیرا خدا تجھ سے کرتا تھا''۔ مسیلمہ نے جواب دیا۔ ''ہر شخص اپنے اہل وعیال کے لئے لڑے یہ موقع ان باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے۔ مسیلمہ نے جب اپنی نجات کی کوئی صورت نہ دیکھی تو گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جمعیت کو ساتھ لے کر لڑتا ہوا باغ سے باہر نکلا، جونہی باہر آیا حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے تاک کر ایسا وار کیا کہ وہیں ڈھیر ہو گیا اس کے ساتھ ہی بنو حنیفہ کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ پسپا ہونے لگے مسلمانوں نے چاروں طرف سے گھیر کر انہیں قتل کرنا شروع کیا اور ان کی لاشوں سے سارا باغ بھر گیا۔

(تاریخ ابن خلدون حصہ اوّل)

اس دن لڑائی میں بنو حنیفہ کے اکیس ہزار آدمی واصل جہنم ہوئے

مسلمان شہداء کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں کثرت سے حافظ قرآن تھے مسیلمہ کذاب کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس حربے سے میں نے خیر الناس (یعنی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا تھا اُسی حربے سے شر الناس (مسیلمہ کذاب) کو قتل کیا۔

مرتدین کی سرکوبی:

مدعیان نبوت کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کی طرف سے بڑھے اور سب سے پہلے بنو اسد و غطفان سے برسرپیکار ہوئے، ان میں سے کچھ قتل ہوئے اور کچھ گرفتار جو باقی بچے وہ تائب ہو گئے۔ ان معرکوں کے علاوہ ارتداد کے سلسلہ میں جس قدر معرکے ہوئے ان سب میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ علامہ طبری فرماتے ہیں:۔

"ارتداد میں جتنی فتوحات ہوئیں وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کا کارنامہ ہیں"۔ (تاریخ الخلفاء، سیوطی)

عراق پر فوج کشی کے اسباب:

۱۱ھ میں جب جزیرۃ العرب میں حالات پرسکون ہو گئے اور مرتدین کا فتنہ ختم ہو گیا تو مسلمانوں نے اپنی توجہ عراق کی جانب مبذول کی،

جزیرہ عرب اس عہد کی دو عظیم الشان مخالف سلطنتوں میں گھرا ہوا تھا، ایران میں ساسانی اور شام میں رُومی، دونوں حکومتیں عربوں کی قدیم دُشمن تھیں اور ہمیشہ ان کی آزادی چھیننے کے دَرپے رہتی تھیں۔

ظہور اسلام کے بعد جب عرب متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے تو ان دونوں سلطنتوں کے لئے عرب کا سوال اور زیادہ اہمیت اختیار کر گیا چنانچہ اپنے

بغض وحسد کا اظہار اگر ایرانی حکومت نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر کے کیا تو دوسری طرف رُومی حکومت کے ایک حاکم شرحبیل بن عمرو نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد عرب میں ارتداد کا فتنہ پھیلا تو ان سلطنتوں نے اس موقع کو اپنے لئے بیحد غنیمت جانا چنانچہ ایک طرف ہرقل کی فوجیں شام میں اور دُوسری طرف ایران کی فوجیں عراق میں جمع ہونے لگیں۔

خلیفہ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ان دونوں حکومتوں کے عزائم سے اچھی طرح باخبر تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے گیارہ لشکروں کو روانہ کرتے وقت ایک بہادر اور تجربہ کار شخص حضرت مثنیٰ بن حارث کو عراق کو جانب روانہ فرمایا تھا۔ تاہم ان کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ فی الحال چھاپے مار کر عراقی رئیسوں کو ڈراتے رہیں تا کہ وہ عرب کے اندرُونی حالات میں فوجی مداخلت نہ کرسکیں۔

بہرکیف جب فتنہ ارتداد ختم ہوگیا تو حضرت مثنیٰ بن حارث شیبانی نے حضرت ابوصدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مدد کے لئے لکھا۔ حضرت ابوصدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں سوادِ عراق کو فتح کرنے اور شاہان کسریٰ کی سلطنت کو ختم کرنے جیسے عظیم الشان کام کے لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی موزوں نہ تھا چنانچہ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہما کو ان کی امداد پر مامور کیا اور شرفِ امارت بھی عطا کیا۔

جنگ اُبلہ:

اس وقت حضرت خالد رضی اللہ عنہ مدعیان نبوت اور مرتدین کی مہم سے فارغ ہو کر وادی الوبر میں مقیم اور دربارِ خلافت سے مزید احکام کے منتظر تھے چنانچہ حکم ملتے ہی عراق کی جانب بڑھے اور مقام نباج میں حضرت مثنیٰ سے مل گئے، پھر بانقیا اور بارسوما کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے اُبلہ پہنچے یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے

بہت اہم تھا اور عرب و ہندوستان کے بری و بحری خطوط یہاں آ کر ملتے تھے، بہرکیف اُبلہ کے حاکم ہرمز کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ملی تو دربار ایران میں اُردشیر کو اس امر کی اطلاع دے کر خود مقابلہ کے لئے بڑھا کاظمہ میں فریقین کا مقابلہ ہوا، ایرانیوں نے میدان جنگ سے فرار ممکن بنانے کے لئے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ لیا تھا لیکن اسلامی فوج کی شجاعت نے اس زنجیر آہن کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ایرانیوں نے فاش شکست کھائی اور ہرمز مارا گیا۔

جنگِ مذار:

کسریٰ اردشیر نے ہرمز کا خط ملتے ہی ایک لشکر گراں قارن بن قریانس کی ماتحتی میں ہرمز کی امداد کے لئے بھیجا۔ یہ لشکر جب مذار کے مقام پر پہنچا تو اسے ہرمز کی شکست اور قتل کی اطلاع ملی چنانچہ قارن اسی مقام پر ٹھہر گیا اسی اثنا میں ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی قارن کے لشکر سے مل گئی، قارن نے نہر ثنیٰ کے کنارے صف بندی کی اور اردشیر کے بیٹے قباذ اور ابوشجان کو جو جنگ اُبلہ سے بچ نکل آئے تھے میسرہ اور میمنہ پر مقرر کیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو جب ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو آپ مذار پہنچے اور ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں کو شکست فاش دی، جنگ میں قارن قباذ ابوشجان اور دیگر بڑے بڑے افسروں کے علاوہ تیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے۔

جنگ وَلجہ:

جنگ مذار میں ایرانیوں کی حسرتناک شکست کی خبر جب پایہ تخت میں پہنچی تو اُردشیر کو نہایت رنج ہوا۔ اُس نے ایران کے ممتاز بہادروں اندر زغر اور بہمن جادو یہ کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے

مقابلہ کے لئے روانہ کیا دونوں مختلف راستوں سے بڑھے اور حیرہ اور کسکر کے تمام دہقانی اور آس پاس کے عربوں کو اپنے ساتھ لیتے ہوئے ولجہ کے مقام پر پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ (ولجہ کا شہر کسکر کے اس علاقہ میں واقع ہے جو صحراء سے ملحق ہے یہ جنگ ماہ صفر ۱۲ھ میں ہوئی)۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ابھی مذار کے مقام پر ہی تھے کہ آپ کو اس عظیم اجتماع کی خبر ملی، چنانچہ آپ نے سوید بن مقرن کو ضروری ہدایات دے کر اپنے پیچھے چھوڑا اور خود مقابلہ کے لئے بڑھے ایرانیوں کے لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی سی فوج ساحل کے نشیب میں چھپا دی اور خود آگے بڑھ کر صف آرا ہوئے ایرانی پہلے سے تیار تھے۔ چنانچہ فریقین میں نہایت ہولناک جنگ شروع ہو گئی اور دیر تک گھمسان کا رن پڑا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایرانی فوج میں تھکاوٹ کے آثار پیدا ہو رہے ہیں تو آپ نے اس فوج کو جو کمین گاہوں میں چھپی ہوئی تھی میدانِ جنگ میں پہنچ جانے کا حکم دیا مسلمان کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑے ایرانی اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے، مسلمانوں نے ہر طرف سے گھیر کر انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح بے شمار ایرانی مارے گئے، ایرانی سپہ سالار اندرزغر جان بچا کر بھاگ نکلا، مگر کچھ دُور آگے جا کر پیاس کی شدت سے مر گیا جنگ کے بعد مسلمانوں نے عام آبادی سے کوئی تعرض نہ کیا اور ان کو پوری آزادی دے دی۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

جنگ اُلیس:

ولجہ کی جنگ میں عربی النسل عیسائی بھی جنہوں نے ایرانیوں کا ساتھ دیا تھا مارے گئے تھے، اس لئے تمام عیسائی قبائل اس کا انتقام لینے کے بہن جادویہ

سے جو اُلیس میں پڑا ہوا تھا جا کر مل گئے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ ولجہ کی فتح کے بعد اُلیس پہنچے اور جاتے ہی جنگ چھیڑ دی، دیر تک کشت وخون کا سلسلہ جاری رہا نتیجۃً حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں اور عربوں دونوں کو شکست دے کر ان کی بہت بڑی تعداد زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دی۔

فتح امغیشیا:

اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ امغیشیا کی طرف بڑھے مگر یہاں کے باشندے مسلمانوں کا رُخ دیکھ کر پہلے ہی شہر خالی کر چکے تھے اس لئے جنگ کی نوبت نہ آئی، تاہم حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان تمام بستیوں کی جو اس کے اردگرد تھیں مسمار کرنے کا حکم دیا۔ امغیشیا کا شہر حیرہ کا ہم پلہ تھا اور اُلیس کے قریب واقع تھا اس شہر سے مسلمانوں کو اس کثرت سے مالِ غنیمت ملا کہ ہر سوار کو پندرہ سو درہم ملے جب مالِ غنیمت کا خمس فتح کی خوشخبری اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے عظیم الشان کارناموں کی خبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور آپ نے فرمایا "اے معشر قریش! تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کر دیا اور اُس کے بھٹ میں گھس کر اس کو مغلوب کر لیا۔ اب عورتیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ جیسا بہادر پیدا کرنے سے قاصر ہیں"۔ (خالد سیف اللہ از ابوزید شلبی)

خلیفۃ الرسول کے اس قول سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کی دل سے قدر کرتے اور ان کو اپنے فن میں یگانہ روزگار سمجھتے تھے۔

حیرہ کی فتح:

امغیشیا کی فتح کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ حیرہ کی طرف بڑھے، امغیشیا اور حیرہ کے درمیان نہر فرات تھی، حیرہ کے حاکم آزادیہ نے پیش بندی کے طور پر

پہلے ہی اپنے لڑکے کو مسلمانوں کے روکنے کے لئے آگے بھیج دیا تھا۔

ابن آزادیہ نے نہر فرات کا بند باندھ دیا جس سے مسلمانوں کی کشتیاں رُک گئیں۔ مسلمان کشتیوں سے اُتر کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ابن آزادیہ کو فرات کے دہانہ پر جالیا، مقابلہ میں ابن آزادیہ مارا گیا اور فوج تباہ ہوئی۔

اس کے بعد فرات کا بند کھول کر مسلمان حیرہ کی طرف بڑھے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی آزادیہ حیرہ چھوڑ چکا تھا اہل شہر نے دروازے بند کر لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لیا جو ایک عرصہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں صلح کی گفت وشنید شروع ہوئی مگر جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ایرانیوں نے قلعہ کے اُوپر سے سنگبازی شروع کر دی، جواب میں مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کر اس شدت سے تیر برسائے کہ قلعہ اور محلات کی دیواریں چھلنی ہو گئیں، آخر ایرانیوں نے محاصرہ سے گھبرا کر ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک صلح نامہ لکھ کر حوالہ کیا کہ:۔

"اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے ہم اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے اور ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو یہ رقم ان پر واجب نہ رہے گی اور اگر وہ بدعہدی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں"۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

مسلمانوں کی ان فتوحات اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر حیرہ کے اطراف کے کاشتکاروں اور دیہی آبادی نے بھی بیس ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ اور ملحقاتِ حیرہ کی کامل تسخیر کے بعد حضرت ضرار بن آزور رضی اللہ عنہ، حضرت ضرار بن خطاب، حضرت قعقاع بن عمرو، حضرت مثنیٰ بن حارثہ اور حضرت عتبہ بن شماس، افسران سرحد کو دجلہ کی ترائی میں

بڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ لوگ حسب الحکم ساحل تک بڑھتے چلے گئے۔ اور جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

نمازِ فتح:

مورخین کے مطابق حیرہ فتح کر چکنے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آٹھ رکعت نمازِ فتح ادا فرمائی جس کے درمیان سلام نہیں پھیرا، اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ میرا اہل فارس جیسی کسی اور بہادر قوم سے مقابلہ نہیں ہوا اور ان میں اہل اُلیس زیادہ بہادر تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ تقریباً ایک سال تک حیرہ میں مقیم رہے اور اس دوران میں سرحدوں کی حفاظت اور خراج کی وصولی کے لئے عہدہ دار مقرر کرنے کا کام انجام دیتے رہے۔ (سیرت صدیق اکبر از علامہ محمد رضا مصری)

جنگ انبار:

اس دوران میں اردشیر مر گیا، اس کی موت کے بعد اگرچہ ایرانیوں میں اندرونی اختلاف بڑھ گئے تھے تاہم مسلمانوں کے مقابلہ میں پوری قوم متحد تھی اور اُنہوں نے اپنی مرکزیت قائم کرنے کے لئے فرخزاد بن بندوان کو (جو شاہی خاندان سے نہ تھا) عنانِ حکومت سپرد کر دی تھی، اس وقت ایرانی فوجیں شمالی عراق میں عین التمر سے لے کر انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جنوبی عراق کی حفاظت کے لئے حضرت قعقاع بن عمرو کو چھوڑ کر خود انبار کی طرف بڑھے، ان کے پہنچنے سے پہلے ہی یہاں کے باشندے قلعہ بند ہو چکے تھے چنانچہ آپ نے محاصرہ کر کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ ایرانی چونکہ خندق کے اس پار سے تیر برسا رہے تھے اس لئے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ

نے چاروں طرف چکر لگا کر اس کے استحکامات کا اندازہ لگایا پھر فوجوں کو حکم دیا کہ آنکھوں کو تاک تاک کر تیر مارو۔ اس تدبیر سے مسلمانوں نے ہزاروں آنکھیں بیکار کردیں۔ اس سے ایرانی گھبرا گئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خندق پٹوا کر فوجیں پار اُتاریں۔ ایرانی جو پہلے ہی تیر بازی سے گھبرائے ہوئے تھے مسلمانوں کی اس غیر متوقع آمد سے اس درجہ مرعوب ہوئے کہ بلا تامل تلواریں ڈال کر صلح کرلی۔

معرکہ عین التمر:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ابھی انبار کی مہم میں مصروف تھے کہ بہرام چوبین کا لڑکا مہران تازہ دم فوجیں لے کر عین التمر پہنچ گیا۔ عربی قبائل میں تمر، تغلب اور اید وغیرہ بھی عقہ بن عقہ کی ماتحتی میں اس کے ساتھ تھے، مہران بڑا متعصب تھا عرب قبائل نے اگرچہ اس کا ساتھ دیا تھا تاہم اس نے قومی عصبیت میں ان قبائل کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا کر ایرانی سپاہ کو قلعوں میں محفوظ کردیا۔ بعض انصاف پسند ایرانی اس پر معترض ہوئے، مہران نے جواب دیا کہ ان کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لئے انہی کو ایک دُوسرے کے ہاتھ سے کٹوانا چاہیے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ انبار کی تسخیر سے فارغ ہو کر عین التمر کی طرف بڑھ رہے تھے کہ کرخ کے مقام پر عقہ بن عقہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ آپ نے عقہ کو گرفتار کرلیا، اپنے سردار کی گرفتاری کے بعد عرب قبائل نے میدان چھوڑ دیا، جو باقی بچے وہ گرفتار ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قوم فروشی کے جرم میں عقہ اور اُس کے ساتھیوں کی گردنیں اُڑا دیں۔ مہران کو جب عربوں کی حالت کی خبر ہوئی تو قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا، لیکن جب شکست خوردہ عرب پہنچے تو اس کی ہمت بندھی اور قلعہ بند ہوگیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو ایرانیوں نے باہر نکل کر مقابلہ کیا

لیکن ناکام ہو کر پھر قلعہ میں گھس گئے۔ بالآخر ایرانیوں نے صلح کی درخواست کی جسے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مسترد کر دیا اور قلعہ پر بزورِ شمشیر قبضہ کر لیا تاہم آپ نے پھر کوئی سختی نہیں کی اور معمولی خراج کے سوا زمین پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔

معرکہ دومتہ الجندل:

عراق وشام کی سرحد پر واقع دومتہ الجندل میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے عربی عیسائی قبائل مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ غزوہ تبوک ربیع الاول ۹ھ اسی سلسلہ میں ہوا تھا۔ اس غزوہ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی حضور نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب تھے اور انہوں نے یہاں کے ایک فرمانروا اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کر کے مطیع بھی بنایا تھا چونکہ ان سازشوں کا سلسلہ اب تک جاری تھا اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو ان کے تدارک کے لئے مامور فرمایا لیکن یہ مہم تنہا ان کے بس کی نہ تھی، اس لئے حضرت عیاض رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو جو اُن کے قریب ہی موجود تھے مدد کے لئے لکھا، اب تک حضرت خالد رضی اللہ عنہ عین التمر کی جنگ سے فارغ ہو چکے تھے چنانچہ آپ عراق کی مہم چھوڑ کر ان کی مدد کو چلے آئے۔

دومتہ الجندل کے دو حاکم تھے، اکیدر اور جودی، اکیدر کو ایک مرتبہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اُس نے جودی کو جنگ سے روکا مگر جب وہ نہ مانا تو اکیدر اس کی حمایت سے کنارہ کش ہو گیا مگر چونکہ پہلے اس کا شریک رہ چکا تھا اس لئے گرفتار کرا کے قتل کرا دیا گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت عیاض رضی اللہ عنہ نے دوسمتوں سے دومتہ الجندل کا محاصرہ کر لیا۔ جودی نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر مارا گیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر

قبضہ کرلیا اگر مسلمان چاہتے تو دشمن کا ایک آدمی بھی نہ بچ سکتا۔ لیکن حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے بنوکلب کو پناہ دے دی اور باقی قبائل قتل کر دیئے گئے۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

حصید کی تسخیر:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ دومتہ الجندل میں تھے کہ اہل فارس نے موقع غنیمت جان کر حیرہ واپس لینے کی کوشش کی۔ حیرہ کے عربوں نے بھی عقہ بن عقبہ کے قتل سے برہم ہو کر ان کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارا چنانچہ دو نامی سپہ سالار زومہر اور روزبہ، انبار کی طرف بڑھتے ہوئے حصید اور خنافس تک پہنچ گئے۔ حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جنہیں حیرہ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے نائب مقرر کیا تھا، یہ خبر سن کر دو فوجیں حیرہ سے اہل فارس کے مقابلہ پر روانہ کیں یہ دونوں لشکر ایسے مقام پر ٹھہرے کہ حصید اور خنافس کا ریف سے تعلق منقطع ہوگیا۔ اور دشمن کے راستے مسدود ہوگئے۔

اسی اثناء میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ مدائن پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے براستہ حیرہ واپس آرہے تھے کہ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولیلٰی رضی اللہ عنہ اہل فارس سے بھڑ گئے اور ایک شدید جنگ کے بعد فتح حاصل کرلی۔ اس معرکہ میں عجمیوں کے لشکر کا دو تہائی حصہ جس میں زرمہر اور روزبہ بھی شامل تھے تہ تیغ ہوا باقی ایک حصہ خنافس کی طرف بھاگ گیا جہاں ان کا ایک مشہور و نامور شہسوار بہبوذان لشکر لئے ٹھہرا ہوا تھا، حضرت ابولیلٰی رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کیا، لیکن بہبوذان اس شکست خوردہ گروہ کے ساتھ خنافس سے نکل کر مصیخ کی طرف بھاگا، مصیخ میں ہذیل بن عمران اور ربیعہ بن بجیر ایک بڑی جمعیت

کے ساتھ اہل حصید کی امداد کے لئے موجود تھے۔

فتح مصیخ:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ واقعات سن کر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک معین شب اور وقت پر مصیخ کے قریب جمع ہونے کا حکم دیا اور خود بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہذیل اور اس کے ساتھیوں پر رات کے وقت تین اطراف سے حملہ کردیا۔ ایرانی فوج بےخبر پڑی سو رہی تھی کہ اس اچانک حملہ سے دہشت زدہ ہوگئی مسلمانوں نے تقریباً تمام فوج کو تہہ تیغ کردیا، صرف ہذیل معہ اپنے چند ساتھیوں کے بھاگ جانے میں کامیاب ہوا، اس معرکہ میں چونکہ عبدالعزیز بن ابی رحم اور لبید بن جرید بھی، جو مسلمان ہوچکے تھے، ہذیل کے ساتھیوں کے ساتھ قتل ہوگئے تھے اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کا خون بہا ادا کیا اور ان کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مالک بن نویرہ اور متذکرہ دونوں اصحاب کے قتل کی وجہ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کبیدہ خاطر تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے:۔

"مسلمان، دشمن کی سرزمین میں دشمن کے ساتھ قیام پذیر ہونگے ان کے ساتھ ایسی صورت کا پیش آنا ممکن ہے"۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اوّل)

جنگ ثنی اور بشر:

مصیخ سے فرار ہوکر ہذیل، عتاب بن اُسید کے پاس بشر جا پہنچا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ کو دو مختلف راستوں سے ثنی اور بشر روانہ فرمایا جہاں ربیعہ بن بجیر تغلبی بدستور فوجیں لئے پڑا تھا، ان دونوں کے پیچھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ خود ایک جداگانہ راستہ سے روانہ ہوئے، اس

حملہ کا پروگرام بھی ویسا ہی بنایا گیا جیسا جنگ مصیح کے موقعہ پر بنایا تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ثنی سے اپنی مہم کا آغاز کیا، اور اپنے ساتھیوں سے مل کر رات کے وقت تین اطراف سے ربیعہ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ دشمنانِ خدا اپنے آپ کو سنبھال بھی نہ سکے تمام مرد قتل ہوئے اور عورتیں گرفتار کر لی گئیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عوف شیبانی کے ہاتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خمس روانہ کیا باقی مالِ غنیمت اور عورتیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں۔ انہی عورتوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن بجیر کی لڑکی کو خریدا تھا جس کے بطن سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے۔

(تاریخ طبری حصہ سوم)

ثنی کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نہایت تیزی کے ساتھ بشر میں عتاب بن اُسید کے سر پر جا پہنچے جہاں ہذیل نے پناہ لے رکھی تھی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہاں بھی رات کے وقت تین جانب سے حملہ کیا اور گھیر کر ایک ایک کو قتل کر ڈالا صرف ہذیل امیر العسکر باقی بچا، اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ رضاب کی طرف بڑھے جہاں عقہ کا لڑکا ہلال مسلمانوں کا منتظر تھا، مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے قبل ہی وہ معہ اپنے ہمراہیوں کے بھاگ گیا، اسی لئے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

جنگ فراض:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ رضاب سے فراض کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا۔ یہاں شام، عراق اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں شام کی سرحد کی وجہ سے رومی بھی ایک فریق بن گئے تھے اور انہوں نے اپنے قریب

کی ایرانی چوکیوں سے مدد مانگی۔ ایرانی خوشی سے تیار ہو گئے ان کے ساتھ عربی قبائل تغلب، اباد اور نمر وغیرہ بھی رُومیوں کی حمایت پر کمر بستہ ہوئے چنانچہ تینوں کی متحدہ فوجیں فراض میں جمع ہوئیں، مسلمانوں کا مقابلہ چونکہ اس متحدہ طاقت سے تھا اس لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو خاص اہتمام کرنا پڑا اور فراض پہنچ کر از سر نو فوجیں مرتب کیں، فریقین کے درمیان فرات حائل تھا، اتحادی لشکر نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ یا تم دریا عبور کر کے بڑھو یا ہمیں بڑھنے دو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں بڑھنے کا موقع دیا، چنانچہ اتحادی لشکر کے دریا عبور کرتے ہی لب ساحل معرکہ شروع ہو گیا مسلمان جوشِ جہاد میں اس پامردی سے لڑے کہ ایرانیوں، رُومیوں اور عرب قبائل کی متحدہ فوجیں پسپا ہونے لگیں چونکہ ان کے عقب میں دریا اور سامنے مسلمان تھے اس لئے انہیں بھاگنے کا بھی راستہ نہ ملا اور مسلمانوں کے پے درپے حملوں سے قریب قریب کل فوجیں برباد ہو گئیں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا خفیہ حج:

مسلمان فتح کے بعد دس دن تک فراض میں مقیم رہے، پھر انہیں واپس حیرہ لوٹ جانے کا حکم دے کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ خود خفیہ طور پر حج کو چلے گئے۔ مورخین کے مطابق آپ پچیس ماہ ذیقعد ۱۲ھ کو اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے آپ کے ساتھ کوئی رہبر نہ تھا تاہم نہایت کٹھن اور دُشوار گزار راستہ طے کرتے ہوئے بعجلت مکہ پہنچے اور فریضہ حج ادا کرنے کے بعد اس سرعت سے واپس آئے کہ ابھی فوج کا پچھلا حصہ حیرہ نہیں پہنچا تھا چنانچہ آپ فوج کے ساقہ سے مل کر اس کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے اگرچہ ان چند لوگوں کے سوا جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے اور کسی شخص کو آپ کے حج کی خبر نہ تھی

پھر بھی یہ اطلاع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی خلیفہ الرسول نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو نامناسب خیال کیا اور ان پر عتاب فرمایا۔

اسی زمانہ میں ان اُمراء نے جنہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی جانب بھیجا تھا اپنے لئے مدد کی درخواست کی، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رُومیوں کی طرف بھی اسی خدائی تلوار کو بھیجنا مناسب خیال فرمایا جس نے شاہان کسریٰ کے تخت کو ہلا ڈالا تھا اس سلسلہ میں آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ذیل کا فرمان بھیجا۔

''تم یہاں سے روانہ ہو کر یرموک میں مسلمانوں سے مل جاؤ کیونکہ وہاں وہ دشمن کے نرغے میں گھر گئے ہیں، یہ حرکت (خفیہ حج) جو تم نے اب کی ہے آئندہ تم سے کبھی سرزد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ تمہارے سامنے دُشمن کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور تم مسلمانوں کو دشمن کے نرغے سے صاف بچا لاتے ہو، اے ابوسلیمان! میں تمہارے خلوص اور خوش قسمتی پر مبارکباد دیتا ہوں پس اس مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے۔ تمہارے دل میں غرور پیدا نہ ہونا چاہیے کیونکہ غرور کا انجام نقصان اور رُسوائی ہے اپنے کسی فعل پر نازاں بھی نہ ہونا، فضل و کرم کرنے والا صرف اللہ ہے اور وہی اعمال کا صلہ دیتا ہے''۔

(خالد سیف اللہ، از ابوزید شبلی)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اب قادسیہ کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ آپ کو یہ فرمان ملا، آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حکم پڑھ کر فرمایا ''خدا اور خلیفہ رسول اللہ ﷺ کا حکم سب سے افضل ہے''۔ چنانچہ آپ حضرت مثنیٰؓ کو عراق میں چھوڑ کر شام روانہ ہو گئے اور سرِدست عراق کی مہم رُک گئی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ محرم ۱۲ھ سے صفر ۱۳ھ تک کل ایک سال دو ماہ عراق میں رہے اور اس قلیل عرصہ میں

اپنی بے مثال شجاعت اور تدبر سے اس ملک پر مکمل قبضہ کرلیا۔

فتوحاتِ شام:

اُوپر ان حالات کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے جن کی بناء پر مسلمانوں کا ایرانیوں اور رُومیوں سے نبرد آزما ہونا ناگریز امر تھا، اس لئے عراق کے ساتھ ساتھ شام پر بھی فوج کشی ہوئی تھی اور ہر ہر صوبہ میں علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجی گئی تھیں، حضرت خالد رضی اللہ عنہ عراق کی مہم سے تقریباً فارغ ہوچکے تھے کہ دربارِ خلافت سے مندرجہ بالا فرمان پہنچا، چنانچہ آپ عراق سے روانہ ہوکر راستہ میں حدردا، ارک، قصم، سوئی، حوارین اور مرج راہط وغیرہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام پہنچے، اور پہلے بصریٰ کی طرف بڑھے۔

جنگ بصریٰ:

اسلامی فوجیں حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں یہاں پہلے سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی منتظر تھیں، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بصریٰ پہنچتے ہی یہاں کے بطریق پر حملہ کر کے اُسے پسپا کردیا اور اہل بصریٰ نے اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ جزیہ دیں گے اور اس کے معاوضہ میں مسلمان ان کی جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

اجنادین:

اس وقت مسلمان شام کی مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لئے الگ الگ دستے بھیجے ہوئے تھے، تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہوسکیں، فلسطین کی مہم حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق

تھی، بصریٰ کے بعد رُومی سپہ سالار تذارق اور قبقلاز نے اپنی فوجوں کو اجنادین میں حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر جمع کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بصریٰ سے فارغ ہو کر حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی امداد کو پہنچے، اجنادین میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا، رُومی لشکر کو شکست فاش ہوئی، لڑائی میں تذارق اور قبقلاز کے علاوہ تقریباً پچاس ہزار آدمی قتل ہو گئے۔

فتح دمشق:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اجنادین کے بعد شام کے صدر مقام دمشق کی طرف بڑھے اور امیر فوج حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے مل کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس شہر کی شہرت چونکہ تمام عرب میں تھی اس لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کے محاصرہ کا خاص اہتمام کیا۔ اور دمشق کو کم سے کم سامان سے جلد از جلد فتح کرنے کے لئے لشکر اسلام کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف دروازوں پر متعین کیا، چنانچہ حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ باب تو ما پر، حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ باب الفرا ولیس پر، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ باب جابیہ اور خود حضرت خالد رضی اللہ عنہ پانچ ہزار فوج کے ساتھ باب شرقی پر اُترے۔ محاصرہ کامل تین ماہ تک جاری رہا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا، محاصرہ ابھی جاری تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ ختم ہو گیا اور اس کی فتح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عمل میں آئی۔

مورخین کے مطابق فتح کی تفصیل یہ ہے کہ محاصرہ کے دوران میں دمشق کے بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہوا، اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پیئں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ دُنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ دوران جنگ اکثر راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ فوجی انتظامات اور دشمنوں کی سراغ

رسانی میں لگے رہتے تھے، جب آپ کو اس رات اہل شہر کی بے خبری کی اطلاع ہوئی تو آپ کمند لگا کر معہ چند جانبازوں کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر اندر اُتر گئے اور پھاٹک کے محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیئے، باہر فوج انتظار میں تھی چنانچہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہوگئی، اہل شہر جو ابھی تک غافل سو رہے تھے۔ اس ناگہانی حملے سے گھبرا گئے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے جو دُوسری سمت متعین تھے صلح کی درخواست کی، انہیں چونکہ اس صورتِ حال کا علم نہ تھا اس لئے درخواست قبول کرلی۔ ایک طرف سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ فاتحانہ داخل ہوئے اور دُوسری طرف سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحانہ دونوں کی ملاقات وسطِ شہر میں ہوئی، اگرچہ نصف شہر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا تاہم دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اس لئے نہ مالِ غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

معرکہ فحل:

دمشق کی فتح نے رُومیوں کو بہت برہم کردیا تھا چنانچہ وہ ہر طرف سے جمع ہوکر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں سے نبرد آزمائی پر آمادہ ہوئے، دمشق پر قبضہ کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اُردن کا رُخ کیا تھا، اس لئے رُومیوں نے اُردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا، رُومیوں نے مسلمانوں کے اچانک حملہ کے ڈر سے آس پاس کی نہروں کے بند توڑ دیئے جس کے باعث فحل اور بیسان کے درمیان کا علاقہ زیر آب آگیا اور تمام راستے رُک گئے لیکن اسلام کا سیلاب کب رُک سکتا تھا چنانچہ عیسائیوں نے مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر مصالحت کی کوشش کی، مگر مفاہمت نہ

ہو سکی اور ماہ ذیقعدہ ۱۴ھ میں دونوں فوجیں ایک دُوسرے کے مقابل ہوئیں۔ اسلامی لشکر کا مقدمۃ الجیش حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی کمان میں تھا عیسائیوں نے کئی خونریز معرکوں کے بعد بری طرح شکست کھائی اور اُردن کا پورا صوبہ فتح ہو گیا، کل رعایا ذمی قرار دی گئی اور عہد نامہ میں رعایا کی پوری املاک، زمین، گرجے اور دوسری عبادت گاہیں محفوظ کردی گئیں۔ (فتوح البلدان، بلاذری)

دمشق کا دُوسرا معرکہ:

دمشق اور اُردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے، اس لئے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ حمص کی طرف بڑھے یہ مقام یوحنا کے کنیسہ کی وجہ سے رومیوں کا اہم مرکز تھا، ہرقل شاہِ روم کو خبر ہوئی تو اس نے توذر بطریق کو فوج دے کر مقابلہ کے لئے بھیجا توذرہ، دمشق کی مشرقی سمت مرج رُوم کے مقام پر خیمہ زن ہوا اور مسلمان بھی آگے بڑھ کر مرج رُوم کی دُوسری جانب اُترے اسی اثناء میں رُومیوں کی ایک اور فوج شنس کی سرکردگی میں پہنچ گئی حضرت خالد رضی اللہ عنہ توذر کے مقابلہ کو بڑھے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شنس کے، توذر مقابلہ کرنے کی بجائے دمشق واپس لینے کے ارادہ سے آگے بڑھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلے، دمشق میں حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ موجود تھے، وہ توذر کی آمد کی خبر سن کر اس کا راستہ روکنے کے لئے نکلے، دمشق کے باہر دونوں میں نہایت خونریز معرکہ ہوا، ابھی جنگ جاری تھی کہ پیچھے سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے اور رومی لشکر کو دونوں سمتوں سے گھیر کر اس درجہ پامال کیا کہ سوائے معدودے چند کوئی رُومی زندہ نہ بچا، مقتولین میں رُومی سپہ سالار توذر بھی تھا جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے

قتل ہوا۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

حمص:

ہرقل کو جب اپنی فوجوں کی اس پامالی کا حال معلوم ہوا تو حمص سے بھاگ گیا اور حمص میں اپنے عامل کو یہ ہدایت دے گیا کہ شدید سردی کے دنوں میں مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تاکہ وہ دوسری کی شدت سے حوصلہ ہار بیٹھیں اور جم کر مقابلہ نہ کر سکیں۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بعلبک سے حمص کی طرف بڑھے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ جو بقاع کی تسخیر کے لئے گئے ہوئے تھے اسے فتح کرنے کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے حمص میں آن ملے، مسلمانوں نے حمص کا محاصرہ بڑی سختی سے کیے رکھا حتیٰ کہ سردی کا موسم گزر گیا۔ اور رُومیوں کی آخری اُمید بھی جاتی رہی رُومیوں نے نا اُمید ہو کر صلح کی درخواست کی جو مسلمانوں نے قبول کر لی اور شہر پر ان کا قبضہ ہو گیا اسی محاصرہ کے دوران میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آس پاس کے چھوٹے چھوٹے مقامات حماۃ شیرز (خالد سیف اللہ، از ابوزید شلبی) معرۃ النعمان وغیرہ فتح کیے اور حمص کی تسخیر کے بعد لاذقیہ ایک خاص تدبیر سے زیرنگیں کر لیا۔

یرموک:

رُومیوں کی پے دَر پے شکستوں اور مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات سے بددل ہو کر قیصر نے شام چھوڑ کر قسطنطنیہ جانے کا ارادہ کیا مگر جوق دَر جوق بیکس رُومیوں کی فریاد سن کر اُسے غیرت آ گئی، چنانچہ اُس نے ملک کے گوشہ گوشہ میں فرامین بھیج کر فوجوں کو اکٹھا کیا اور اس طرح دو لاکھ سے زائد کا ٹڈی دَل

مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اُمڈ آیا۔ رومی فوج کے جوش کا یہ عالم تھا کہ خانقاہوں کے گوشہ نشین راہب اور قیس بھی مذہب کا واسطہ دے کر رُومیوں کو جنگ پر اُکسا رہے تھے، بہرکیف یہ پُر جوش لشکر رومی سپہ سالار باہان کی سرکردگی میں یرموک کے میدان میں آکر خیمہ زن ہوا۔

رُومیوں کی یہ تیاریاں دیکھ کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے افسران فوج سے مشورہ کیا، سب نے مختلف آراء پیش کیں، تاہم آخر یہ طے پایا کہ شام کے مختلف حصوں میں منتشر فوجوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے، چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا، مسلمان چونکہ اس وقت مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہ کر سکتے تھے اس لئے اُنہوں نے جزیہ کی وہ رقم جو حقیقت میں مفتوحین کی حفاظت کا معاوضہ تھی انہیں واپس کردی، مسلمانوں کے اس طرز عمل سے عیسائی اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ مسلمانوں کی واپسی کی دُعائیں کرتے تھے۔

دمشق میں اجتماع کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت کو ان نئے حالات سے مطلع کیا، رُومیوں کی ان تیاریوں کا حال سن کر اہل مدینہ جوش جہاد سے لبریز ہوگئے اور ہر شخص سر بکف میدان کارزار میں جانے کے لئے بیتاب ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مناسب ہدایات کے ساتھ مزید کچھ امدادی فوج شام روانہ فرما دی۔ ادھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کل اسلامی لشکر کو دمشق سے یرموک میں منتقل کر دیا اور اس طرح دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آگئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں کار ہائے نمایاں انجام دیئے، اسلامی لشکر کی تعداد بیس تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی تاہم حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان فوجوں کو اَز سرِ نو مرتب کیا اور اس کو جدید طرز پر چھتیس حصوں میں تقسیم کر کے صف آرائی کی پھر ایک پُر جوش تقریر کر کے مسلمانوں کو جہاد پر اُبھارا اتفاق سے ایک

مسلمان کے منہ سے نکل گیا کہ رُومیوں کے مقابلہ پر ہماری تعداد بہت کم ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ یہ سن کر نہایت غضبناک ہوئے اور فرمایا "فتح و شکست تعداد کی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ تائید ایزدی پر ہے، اگر میرے گھوڑے کے سم دُرست ہوتے تو میں اس سے دوگناہ تعداد کی پرواہ نہ کرتا"۔ (تاریخ طبریٰ حصہ دوم)

ضروری انتظامات کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابو جہل اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو حملہ کا حکم دیا، رومی پہلے ہی جوش سے بھرے ہوئے تھے چنانچہ یرموک کے میدان میں ہنگامہ کارزار گرم ہوگیا اور ایسی خونریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی کہ میدانِ جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے عین اس حالت میں ایک عیسائی جس کا نام جرجہ (جارج) تھا رُومی فوج سے نکل کر اسلامی لشکر میں آیا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے مذہب اسلام پر گفتگو شروع کردی کہ اگر میں تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں تو کیا میرے لئے آخرت کا دروازہ کھل جائے گا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "یقیناً چنانچہ وہ میدان جنگ میں ہی مشرف بہ اسلام ہوکر مسلمانوں کی طرف سے لڑتا ہوا شہید ہوگیا۔ (تاریخ طبری حصہ دوم)

اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا، اسلامی لشکر نے غیر معمولی شجاعت بہادری اور استقلال کا ثبوت دیا، انجام کار رُومیوں نے شکست فاش کھائی۔ مورخین کے مطابق اس جنگ میں ایک لاکھ یا ستر ہزار رُومی سپاہ قتل ہوئے اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا اس شکست نے رُومیوں کی قوت کو اس حد تک ختم کردیا کہ پھر ان کو اتنی بڑی تعداد فراہم نہ ہوسکی۔

فتح حاضر:

یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو

قنسرین کی طرف بھیجا اور خود حمص واپس ہو گئے، راستے میں حاضر کے مقام پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی مڈبھیڑ رومیوں کے ایک لشکر سے ہو گئی جس کا سردار میناس تھا، دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی نتیجۃً میناس اور اس کی فوج کا اکثر حصہ میدانِ جنگ میں کام آیا۔ اہل حاضر نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے امان کی درخواست کی اور کہا ہمارا اس جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا اور ہماری رائے بھی اس میں شریک نہ تھی، اس لئے ہم کو امان دی جائے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور انہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

فتح قنسرین:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ حاضر سے قنسرین پہنچے، اہل قنسرین پہلے ہی سے قلعہ بند ہو کر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اہل شہر کو کہلا بھیجا کہ اس طرح قلعہ بند ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اور تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ گے تو اللہ یا ہمیں تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہمارے پاس اُتار لائے گا۔ (سیرت خالد، از ابو زید شلبی)

اہل قنسرین کو جب اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو اُنہوں نے صلح کی درخواست کی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ شہر کے استحکامات توڑ دیے جائیں، اہل قنسرین نے جان کے خوف سے مجبوراً اس شرط پر منظور کر لی کہ شہر کے استحکامات توڑ دیے جائیں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فصیل کو منہدم کرا دیا حاضر اور قنسرین میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جو کارہائے نمایاں سر انجام دیے انہیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے کارناموں کی وجہ سے خود ہی اپنے آپ کو سپہ سالار بنالیا ہے، اللہ! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت نازل کرے، وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے"۔ (تاریخ طبری حصہ دوم)

بیت المقدس کی فتح:

قنسرین کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ ہوا، عیسائی اس شرط پر کہ معاہدہ صلح خود امیر المومنین رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے لکھیں، بلا جنگ بیت المقدس حوالہ کرنے پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھنے کے لئے شام کا سفر اختیار فرمایا اور تمام افسران فوج کو جابیہ میں طلب کیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی جابیہ آئے، ان کا دستہ دیبا و حریر میں ملبوس تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ پڑی تو گھوڑے سے اترے اور انہیں کنکریاں مار کر فرمایا۔ تم لوگوں نے اتنی جلدی اپنی عادتیں بدل دیں"۔ ان لوگوں نے قبا کا دامن اُٹھا کر اسلحہ دکھایا اور کہا "لیکن سپہ گری کا جوہر نہیں گیا ہے"۔ فرمایا تب کوئی مضائقہ نہیں"۔

حمص کی بغاوت:

۱۷ھ میں اہل حمص نے بغاوت کر کے حمص واپس لینے کی کوشش کی لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بروقت توجہ سے یہ بغاوت بہت جلد ختم ہوگئی اور شام کے پورے علاقہ پر مسلمانوں کا مکمل تسلط ہو گیا۔

(فتوح الشام)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی:

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا ہے عام طور مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عنانِ خلافت سنبھالتے ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کردیا تھا، لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی کے پانچ سال بعد یعنی ۱۷ھ میں معزول ہوئے۔

یہ واقعہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ جس جانباز کی تلوار نے عراق وشام کی قسمت کا فیصلہ کیا تھا اُسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عین محاذِ جنگ میں معزول کردیا، لیکن اس معاملہ کا اس سے بھی زیادہ اہم اور قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ اس سے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سطوت وجلال کا پتہ چلتا ہے وہاں اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اطاعت امیر، نیک نفسی اور حق پرستی کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں، واقعی جو شخص بھرے مجمع میں معزولی کے حکم کو بخوشی قبول کر کے انتہائی صبر وتحمل کا مظاہرہ کرسکتا ہے وہ مشکل سے مشکل وقت میں اپنی اسی صلاحیت کو بروئے کار لاکر ان مشکلات پر درجہ احسن قابو بھی پاسکتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ معرکہ حق وباطل میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے آہنی عزم سے باطل کی کمر توڑ کر رکھ دی مگر حلقہ یاراں میں ریشم سے بھی زیادہ نرم ثابت ہوئے اور شکایت کا ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا گوارا نہ کیا۔

مورخین نے اگرچہ انکی معزولی کے متعدد وجوہ بیان کئے ہیں تاہم ان میں سے قوی تر اور متفق علیہ یہ ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے شجاعانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپرواہی برتتے تھے، اہل سیر کے مطابق خلیفہ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے وہ فوجی مصارف کا حساب کتاب دربارِ خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اور اپنے مزاج کی سختی کے باعث ہر معاملہ میں خودرائی سے کام لیتے تھے، عراق کی پیش قدمی روکنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر وہ خفیہ حج کے لیے چلے گئے، ان کا یہ طرزِ عمل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ناگوار گزرا اور آپ نے تنبیہ کی، اُنہوں نے بارہا لکھا کہ بغیر میرے حکم کے کوئی کام نہ کیا کرو اور نہ کسی کو کچھ دیا لیا کرو مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی روش پر قائم رہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی زمانہ سے ان سے برہم رہتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی معزولی کا مشورہ دیتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی خدمات کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کرسکتا جسے خدا نے بے نیام کیا ہے۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہ کی، تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فوراً معزول نہ کیا، بلکہ عرصہ تک سمجھاتے رہے، ایک دفعہ آپ نے انہیں تاکید کی کہ وہ آئندہ سے ان کی اجازت کے بغیر کسی کو بکری بھی نہ دیں مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کوئی اثر نہ لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ میں (حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا چلا آرہا ہوں اب اس کے خلاف نہیں کرسکتا۔

(تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

دُوسری وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کو خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دارو مدار حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قوتِ بازو پر ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پسند نہیں کرتے تھے۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

اور تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اخراجات اسراف کی حد تک پہنچ جاتے تھے جو دُوسرے افسروں کے لئے نمونہ بن سکتے تھے ایک مورّخ کے لفظوں میں:۔

"جب وہ (حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید) قنسرین واپس آئے تو ان کے پاس بہت سا مال غنیمت جمع ہو گیا تھا اس لئے اِدھر اُدھر سے لوگ انعام کے لالچ میں ان کے پاس پہنچے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں مایوس نہ ہونے دیا ان لوگوں میں اشعث بن قیس بھی تھا جسے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دس ہزار درہم انعام میں دیئے۔ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ان انعامات کا چرچا عام ہو گیا جو انہوں نے شاعروں اور سورماؤں کو دیئے تھے خاص طور پر اشعث بن قیس کے انعام کی بڑی شہرت ہوئی اور اسے بنو غسان اور حیرہ کے بادشاہوں کی نظیر ٹھہرایا گیا۔

(عمر فاروقِ اعظم از محمد حسین ہیکل)

چنانچہ جب اس انعام کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے دریافت کریں کہ اُنہوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے اگر مسلمانوں کے مال سے دیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنی جیب سے دیا ہے تو اسراف کیا، اس لئے دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

اس موقع پر مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

"حضرت خالد رضی اللہ عنہ جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا مجمع عام میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا، خالد رضی اللہ عنہ اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ درگزر کی جائے، لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے، مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اُتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا کے لئے انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھی۔

(الفاروق حصہ اوّل)

اللہ، اللہ، واقعہ کس قدر حیرت انگیز اور منظر کتنا حسرت ناک ہے کہ ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام عالم اسلام میں کوئی نہ تھا، اس موقعہ پر دم نہیں مارتا، دُنیا کی کوئی قوم ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟ مورخین کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق تقریر کی اور کہا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب تمام شام زیر کر لیا تو مجھے معزول کر دیا، اس پر ایک سپاہی نے کھڑے ہو کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ٹوکا اور کہا ”اے سردار چپ رہ ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے“۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہاں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے فتنے کا کیا احتمال ہے“؟

معزولی کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مدینہ واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی بیت المال میں داخل کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”خالد، واللہ! تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں“۔ اور پھر تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کرا دیا کہ میں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اس لئے میں نے انہیں معزول کر دیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل ندوی)

مذکورہ بالا فتوحات کے علاوہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ دُوسری مہموں میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دیتے رہے مگر مورخین کے مطابق ان مہمات میں آپ کی حیثیت معمولی مجاہد کی تھی اس لئے ان کی تفصیل نظر انداز کی جاتی ہے۔

گورنری:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگرچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بمصالح معزول کر دیا تھا تاہم معزول کرنے کے بعد ان سے ان کے رُتبہ کے مطابق کام لئے اور ان کی فطری انتظامی صلاحیتوں سے میدانِ جنگ کے بجائے دُوسرے شعبوں میں فائدہ اُٹھایا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزولی کے بعد رہا، حران، آمد اور لرتہ کا گورنر مقرر کر دیا، لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ ایک سال بعد اس منصب سے خود ہی مستعفی ہو گئے۔

وصال:

مورخین میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی جائے وفات اور سنہ وفات کے بارے میں کافی اختلاف ہے، بعض کا خیال ہے کہ آپ نے ۲۲ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے جنازہ میں شریک تھے اور آپ کی وفات سے مدینہ کی عورتوں خصوصاً بنی عذار میں کہرام برپا تھا۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

اس کے برعکس طبری نے بحوالہ واقدی لکھا ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں حمص کے مقام پر انتقال فرمایا، ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ حمص کی سرحد پر مقیم ہو گئے تھے، آپ کے گھوڑے اور ہتھیار سب یہیں تھے اور یہیں وفات پائی، مزید لکھتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قبر حمص میں ہے، مجھے یہ بھی معلوم ہے، کہ آپ کی میت کو کس کس نے غسل دیا اور کون کون جنازے پر حاضر تھے۔ (تاریخ طبری، فتوح الشام، ابن عساکر)

علامہ ابن حجر اپنی کتاب الاصابہ میں لکھتے ہیں۔ ”حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے ۲۱ھ میں شہر حمص میں وفات پائی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی

وفات مدینہ منورہ میں ہوئی، اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ آپ کی وفات حمص میں ہوئی"۔ اس طرح مولف کتاب اسد الغابہ بھی آپ کی وفات ۲۱ھ میں حمص میں وفات پائی"۔ (واللہ اعلم)۔ (اسد الغابہ، الاصابہ)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "خالد رضی اللہ عنہ کی موت نے اسلام میں وہ رخنہ ڈال دیا جس کا پُر ہونا مشکل ہے"۔ نیز فرمایا "ان کے متعلق جو میرا طرزِ عمل رہا اب مجھے اس پر ندامت محسوس ہوتی ہے"۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ان کی موت پر یہ مرثیہ کہا:۔

ترجمہ: "جہاں جنگ میں بڑے بڑے سورما چھپ جاتے ہیں وہاں تو
ہزار ہا ہزار آدمیوں پر بھاری پڑتا تھا، اگر دنیا میں کوئی بہادر
ہے تو جنگل کے شیر سے بھی کہیں زیادہ بہادر اور شیروں کے
بچوں سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والا تھا، اگر دُنیا میں کوئی
سخی ہوے تو تو گھنے جنگل میں پہاڑوں کے درمیان میں بہنے
والے سیلاب سے کہیں زیادہ سخی تھا"۔

(سیرت صدیق اکبر از علامہ محمد رضا مصری)

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی والدہ کو دیکھا کہ اپنے نامور بیٹے کے غم میں ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئی تھیں، آپ نے پوچھا یہ کون بی بی ہیں جو اس درجہ مغموم و پریشان ہیں، لوگوں نے عرض کیا یہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، آپ نے فرمایا "خوش نصیب ہے وہ ماں جس کے بطن سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ جیسا فرزند پیدا ہوا"۔ پھر فرمایا "جب تک نعمت موجود ہو اُس کی قدر نہیں کی جاتی لیکن جب وہ ضائع ہو جائے تو اُس کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے"۔

اولاد:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی کئی بیویاں تھیں جس سے کثیر اولاد پیدا ہوئی، ایک بیٹے سلیمان تھے جن کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو سلیمان تھی، ایک بیٹے عبداللہ تھے جو عراق میں شہید ہوئے، دو بیٹے عبدالرحمٰن و مہاجر خاص شہرت کے مالک ہوئے، دونوں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بہت چھوٹی عمر کے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مل گئے اور مہاجر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ بعض روائتوں میں ہے کہ مہاجر جنگ صفین میں شہید ہوئے حضرت عبدالرحمٰن کا شمار عرب کے غیور بہادروں اور شہسواروں میں ہوتا تھا، آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت حمص کے والی تھے۔

ان لڑکوں کے علاوہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے اور بھی لڑکے تھے، ابن قتیبہ لکھتے ہیں شام میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے کئی لڑکے اور پوتے تھے، لیکن سب طاعون کی وبا میں فوت ہو گئے اور کوئی زندہ نہ بچا۔

حضرت مہاجر نے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں قسطنطنیہ (استنبول) کے مشہور معرکہ میں فوج کے ایک کمانڈر حضرت عبدالرحمٰن تھے۔

فضل و کمال:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی ابتدا سے لے کر آخر تک، چونکہ میدان جنگ میں گزری اس لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے خوشہ چینی کا موقعہ کم ملا، آپ کا قول ہے ''جہاد کی مشغولیت نے مجھ کو تعلیم قرآن کے بڑے

حصہ سے محروم رکھا" تاہم آپ رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت کے باعث دولت علم سے بے بہرہ نہ تھے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحبِ علم و افتاء تھی اس میں ایک نام ان کا بھی تھا لیکن چونکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فطرتاً سپاہی تھے اس لئے مسندِ افتاء پر نہ بیٹھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے فتاویٰ کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت مقدام بن معدی کرب، حضرت قیس بن ابی حازم، حضرت اشتر نخعی، حضرت علقمہ بن قیس، حضرت جبیر بن نفیر (رضی اللہ عنہم) وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، انکی روایات کی کل تعداد اٹھارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک بخاری منفرد ہیں۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ دینی اُمور میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے، اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بنو الحارث بن کعب تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے نجران بھیجا تھا اور جب وہ لوگ اسلام لے آئے تو حضور ﷺ نے انہیں ہی حکم دیا کہ وہاں رہ کر لوگوں کو شریعت اسلام اور دینی اُمور کی تعلیم دیں۔ (خالد سیف اللہ از ابو زید شلبی)

رضائے نبوی ﷺ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے زندگی کی سب سے بڑی دولت رسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی اور خوشنودی تھی۔ اس بنا پر وہ اپنے جذبات کو بھی رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے تابع رکھتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اگرچہ سخت مزاج تھے لیکن فرمانِ نبوی ﷺ کے مقابلہ میں ان کی طبیعت کی سختی، حلم وعفو میں بدل جاتی تھی، ایک مرتبہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ میں کسی بات پر

بحث ہوگئی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، اتفاق سے اسی دوران میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور شکایت سن کر برہم ہوگئے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگے، حضور نبی کریم ﷺ خاموشی سے یہ سب کچھ سن رہے تھے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو متوجہ کر کے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ آپ ان کی زیادتیوں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں" حضور ﷺ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا:۔

"جو شخص حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ خدا سے بغض وعداوت رکھتا ہے"۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر اس ارشادِ نبوت ﷺ کا اتنا اثر ہوا کہ آپ کا بیان ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی رضا جوئی سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہ تھی۔ چنانچہ ان سے ملے اور ان کو راضی کیا۔ (سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

احترام نبوی ﷺ:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کا اس قدر احترام تھا کہ آپ کسی زبان سے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں کوئی ناروا کلمہ برداشت نہیں کر سکتے تھے، ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس کچھ سونا آیا، جسے آپ ﷺ نے اہل نجد میں تقسیم فرما دیا، اس پر قریش و انصار کو شکایت ہوئی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے سب سونا نجدی سرداروں کو دے دیا اور ہمیں محروم رکھا، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے ان کو تالیفِ قلب کے خیال سے دیا ہے، یہ سن کر ایک شخص نے کہا "محمد (ﷺ)! خدا سے ڈریئے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر میں نافرمانی

کرتا ہوں تو پھر خدا کی اطاعت کون کرتا ہے"؟ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس گستاخی پر سخت غصہ آیا اور اس شخص کی گردن اُڑا دینے کی اجازت چاہی، لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے روک دیا۔

آثار نبوی ﷺ سے تبریک:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہر اُس چیز سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے جسے حضور ﷺ سے انتساب کا شرف حاصل ہوتا، چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے موئے مبارک اپنی ٹوپی میں سلوالئے تھے؟ جسے پہن کر میدان کا رزار میں جاتے تھے، یرموک کے معرکہ میں یہ ٹوپی گر گئی تو آپ بیحد پریشان ہوئے یہاں تک کہ بڑی تلاش و جستجو کے بعد یہ ٹوپی ملی تو آپ کو سکون نصیب ہوا۔ آپ فرمایا کرتے تھے تمام جنگوں میں فتح انہیں موئے مبارک کی برکت سے ہوئی۔

جہاد فی سبیل اللہ:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی کتابِ زندگی کا سب سے جلی اور سب سے روشن عنوان جہاد فی سبیل اللہ ہے، آپ نے قبول اسلام کے بعد اپنے آپ کو ہمہ تن اسلام کی خدمت کے لئے وقف کردیا تھا اور اس راہ میں نہ آپ کو اپنی جان کی پرواہ تھی نہ مال کی، آپ کے اسی ذوق جہاد اور شجاعانہ کارناموں کے صلہ میں آپ کو دربارِ نبوت ﷺ سے "سیف اللہ" کا معزز لقب عطا ہوا جو آپ کے نام کا ایک ضروری حصہ بن گیا، آپ نے زندگی میں تقریباً سوا سو جنگوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے اور جسم کے ہر حصہ پر تیروں تلواروں کے اَن گنت زخم کھائے مگر جہادِ فی سبیل اللہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی قدم پیچھے نہ ہٹایا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی وہ سخت رات جس میں اپنے دُشمنوں سے لڑوں اُس

شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو۔

(اصابہ جلد اوّل)

آخری وقت جب زندگی کی کوئی اُمید نہ رہی تو بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ افسوس میری ساری زندگی میدان جنگ میں گزری اور آج اپنے بستر پر اسی طرح جان دے رہا ہوں جس طرح اُونٹ جان دیتا ہے، پس خدا کسی کو بزدلوں کی موت نہ دے، میرے لئے کلمہ "لا الہ الا اللہ" سے بڑھ کر کوئی عمل باعث تقویت واُمید نہیں رہا، ہمیشہ اسی کلمہ سے میری ڈھارس بندھی رہی۔

(سیرت صدیق اکبر مولفہ علامہ محمد رضا جعفری)

اللہ تعالیٰ نے ان کے قدموں میں یہ برکت دی تھی کہ جدھر کا رُخ کرتے تھے کامیاب لوٹتے تھے، آپ خود فرمایا کرتے کہ میں نے جس طرف کا رُخ کیا فتحیاب ہوا، آپ کے اس قول کی صداقت پر ان کے عظیم الشان کارنامے شاہد ہیں، رسول اللہ ﷺ کو ان کی شجاعت اور جنگی قابلیت پر اس درجہ اعتماد تھا کہ جب کسی مہم کا علم ان کو سونپ دیتے تو مطمئن ہو جاتے، غزوہ موتہ میں جب علم حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سنبھالا تو رسول اللہ ﷺ نے غائبانہ فرمایا کہ اب لڑائی کا تنور گرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کا مدح کرنا:

رسول اللہ ﷺ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی جانفروشیوں اور قربانیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور متعدد موقعوں پر ان کے متعلق تعریفی کلمات ارشاد فرماتے، فتح مکہ کے موقع پر جبکہ مسلمان مختلف سمتوں سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے، ایک گھاٹی کی طرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "دیکھو کون ہے"؟ عرض کی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ اللہ کا بندہ بھی خوب آدمی ہے، یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اس نے کفار اور منافقین پر کھینچا ہے"۔

(خالد "سیف اللہ" از ابوزید شلبی)

رسول اللہ ﷺ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خود بھی قدر دانی فرماتے تھے اور لوگوں کو بھی ان کا لحاظ رکھنے کی ہدایت کرتے تھے، ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا "خالد (رضی اللہ عنہ) کو تکلیف نہ دو، کیونکہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے کافروں پر گرایا"۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو حضرت ابن جمیل رضی اللہ عنہ، حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دینے سے انکار کردیا، رسول اللہ ﷺ کے علم میں جب یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

ابن جمیل (رضی اللہ عنہ) فقیر تھا، خدا نے اس کو دولتمند کیا یہ اس کا بدلہ ہے، لیکن خالد (رضی اللہ عنہ) بن ولید پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو اُنہوں نے اپنا تمام سامانِ حرب راہِ خدا میں وقف کردیا ہے، پھر ان پر زکوۃ کیسی، رہا عباس (رضی اللہ عنہ) کا معاملہ تو ان کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ چچا باپ کی جگہ ہے"۔

(سیر الصحابہ مہاجرین حصہ دوم)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مدح کرنا:

خلیفہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب اُلیس اور امغیشیا کے معرکوں کے دوران میں آپ کے کارناموں کا حال معلوم ہوا تو آپ

نے فرمایا:۔

"اے گروہِ قریش تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کردیا اور اس کے بھٹ میں گھس کر اس کو مغلوب کردیا، اب عورتیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ جیسا بہادر پیدا کرنے سے عاجز ہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے پر اصرار شروع کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اس تلوار کو ہرگز نیام میں نہ ڈالوں گا جسے اللہ تعالیٰ نے کفار پر مسلط کیا ہوا ہے"۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں رائے دریافت کی، تو آپ نے کہا "وہ جنگ کی سیاست کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں، موت کی پرواہ مطلق نہیں کرتے، اُن میں بلے کی سی پھرتی ہے اور ان کا حملہ شیر کی مانند ہوتا ہے"۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی جنگی قابلیت:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ایک مدبر اور دُور اندیش سپہ سالار تھے، آپ جنگ کے اُصولوں اور طریقوں سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے، آپ آگے بڑھنے اور مدافعت کرنے کے موقعوں سے اچھی طرح آگاہ تھے آپ میں سپہ سالار کی صفات کے ساتھ ساتھ ایک سپاہی کی صفات بھی بدرجہ اتم موجود تھیں، جنگ میں آپ بوڑھوں کی سی تجربہ کاری، نوجوانوں کی سی بہادری اور شیر کی سی جرات دکھاتے تھے، آپ دُشمن پر اندھا دُھند حملہ نہیں کرتے تھے، بلکہ مناسب موقع کی تلاش میں رہتے تھے، آپ دُشمن کے حالات معلوم کرنے کی پوری جستجو کرتے رہتے تھے، کسی شہر کو زیر نگیں کرنے بعد اس کی حفاظت کے لئے ایک فوج وہاں

متعین کردیتے تھے، اپنی فوج کے عقب کی حفاظت بڑے اہتمام سے کرتے تھے تاکہ دشمن بے خبری سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کرے کثرت سے لڑائیاں لڑنے کی وجہ سے آپ کو اس قدر جنگی اُمور کا تجربہ ہوگیا تھا کہ کوئی شخص بھی اس میدان جنگ سے ہٹتے تھے، آپ دُشمن کی کثرت بہادری وشجاعت اور سامانِ حرب کی فراوانی سے قطعی مرعوب نہ ہوتے، میدان جنگ میں آپ نہ خود سوتے اور نہ دُوسروں کو سونے دیتے، آپ پر دشمن کی کوئی بات مخفی نہ رہ سکتی تھی۔

(خالد سیف اللہ اَز ابوزید شلبی)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی ماتحت فوج سے نہایت نرمی سے پیش آتے تھے، آپ فوج کو ہمیشہ ایسے مقامات پر متعین کرتے تھے جہاں فتح کے حصول میں کوئی روک نہ ہو، آپ اپنے سپاہیوں کو ایسی جگہوں پر نہ لے جاتے تھے جہاں ہلاکت کا خوف ہو، بلکہ ایسے موقعوں پر خود آگے ہوتے تھے، غنیمت کے مال میں سے انہیں پورا حصہ عطا فرماتے اور اس کے علاوہ بھی انعام و کرام سے نوازتے رہتے، میدانِ جنگ میں آپ کے وقت کا بیشتر حصہ فوج کو لڑائی پر اُبھارنے ہمت بندھانے اور جوش وخروش دلانے پر صرف ہوا کرتا تھا ایک ایک صف کے سامنے جاتے اور فرماتے ”صبر میں عزت ہے اور بزدلی میں ذلت، خدائی مدد اُسی کو حاصل ہوگی جو صبر اختیار کرے گا“۔ یہ فوج کے ساتھ آپ کے حسنِ سلوک کا نتیجہ تھا کہ ہر شخص آپ کا گرویدہ ہوگیا تھا اور آپ ہی کے جھنڈے تلے لڑنا چاہتا تھا، مورخین کے نزدیک آپ کی معزولی کا بڑا سبب بھی یہی تھا کہ لوگوں کو آپ پر بے حد بھروسہ پیدا ہوگیا تھا جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خوف ہوا کہ کہیں لوگ خدا کو ہی نہ بھول جائیں، چنانچہ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے لوگوں پر یہ حقیقت واضح کی کہ فتح کا دارو مدار حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی

نصرت وتائید پر ہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان صحابہ کا جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کیا اور راہ خدا میں بیش از بیش قربانیاں دی تھیں، بیحد خیال رکھتے اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے تھے، آپ کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ظہور انہی لوگوں سے ہوتا ہے، اس عزت وتوقیر کا جو اظہار آپ نے غزوہ موتہ کے موقعہ پر فرمایا وہ آپ کے دلی جذبات کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔

مورخین کے مطابق حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک بدری صحابی نے آپ کو علم اسلام دینا چاہا تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا میں جھنڈا نہیں لوں گا، آپ اس کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ آپ غزوہ بدر میں شریک رہ چکے ہیں" آخر آپ نے انہی کے اصرار پر لشکر اسلام کی قیادت سنبھالی اور اپنی جنگی صلاحیتوں کی بنا پر لوگوں کو بچا لائے اسی طرح جب آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم پر عراق سے شام جانے لگے تب بھی آپ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی اور انہیں خاص طور پر اپنی فوج میں شامل کیا۔

حق پرستی:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اگرچہ سخت مزاج تھے اور طبیعت کی تیزی کے باعث ذرا سی خلافِ مزاج بات پر بگڑ جاتے تھے تاہم آپ میں ہٹ دھرمی کا شائبہ تک نہ تھا، آپ حق بات کو فوراً قبول کر لیتے اور دوسروں کے فضائل کے اعتراف میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے تھے، معزولی کے واقعہ پر آپ کا طرزِ عمل آپ کی حق پرستی کی ایسی روشن مثال ہے جس کا جواب نہیں۔ مجمع عام میں آپ کو اس طرح معزول کیا جاتا ہے کہ سر سے ٹوپی اُتار لی جاتی ہے، عمامہ گردن میں باندھ دیا جاتا

ہے اور آپ دَم نہیں مارتے اور جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے تو آپ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اب اس اُمت کا امین تم پر امیر کیا گیا ہے۔ (الاصابہ جلد اوّل)

اشاعتِ اسلام:

اشاعتِ اسلام ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی اس فرض سے غافل نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں اور آپ ﷺ کے بعد برابر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے، فتح مکہ کے بعد حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے اشاعت اسلام کی غرض سے جو سرایا بھیجے ان میں سے متعدد سریئے آپ کی سرکردگی میں کئے گئے، چنانچہ بنو خذیمہ، بنو عبدالمدان نجرانی انہی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے، مزید اہل یمن کے قبول اسلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی کوششیں بھی شامل تھیں، فتنہ ارتداد میں طلیحہ کی جماعت بنو ہوازن، بنو سلیم اور بنو عامر وغیرہ دوبارہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں آئے، ان جماعتوں کے علاوہ منفرد طور پر بھی بعض مشہور لوگ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے جنگ یرموک میں قیصر رُوم کے سفیر (جارج) کا قبول اسلام انہی کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔

حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام سعد تھا اور قبیلہ اوس کے خاندان اشہل سے تعلق رکھتے تھے سلسلہ نسب یہ ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن زید بن مالک بن عبد بن کعب بن عبدالاشہل۔

قبول اسلام:

واقدی کے بیان کے مطابق آپ انصار مدینہ کی اس جماعت میں شریک تھے۔ جو ۱۳ھ بعثت میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئی تھی اور جو بہتر (۷۲) مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں کے آنے کی اصل غرض یہ تھی۔ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں اور حضور ﷺ کو ہر قسم کی امداد واعانت کا یقین دلائیں۔

غزوات اور عام حالات:

مورخین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہ صرف بدر واحد بلکہ تمام غزوات میں حضور نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔

ربیع الاول ۶ھ میں جب عیینہ بن حصن فزاری نے چراگاہ میں رسول

اللہ ﷺ کے اونٹوں پر لوٹ ڈالی اور حضرت حسان بن ثابت نے کہا۔

هل سرا ولا دالللقيطت انا سلم غداه فوارس المقداد

ترجمہ: تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہایت برہم ہوئے کہ میرے ہوتے ہوئے خوارس مقدار کا کیوں ذکر کیا۔ اس زمانہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کے رئیس تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے معذرت کی کہ قافیہ کی مجبوری تھی۔

غزوہ بنی قریظہ (ذی الحجہ ۵ھ) میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو قیدیوں کے ہمراہ نجد بھیجا۔ انہوں نے قیدیوں کے معاوضہ میں کھجور اور ہتھیار خریدے اور اد ینہ لے کر آئے۔ فتح مکہ کے بعد رمضان ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں قبائل اوس خزرج اور عسان کا مشہور بت مناۃ منہدم کرنے کیلئے بھیجا اس بت کا صنم خانہ مشلّل میں قدید کے قریب تھا حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیس (۲۰) سواروں کے ہمراہ وہاں پہنچے۔ تو صنم خانہ کے خادم نے آنے کا سبب پوچھا فرمایا "میں مناۃ کو منہدم کرنے کیلئے آیا ہوں خادم نے کہا تم جانو اور وہ" چنانچہ آپ جب مناۃ کو گرانے کیلئے بڑھے تو ایک سیاہ فام برہنہ عورت سینہ کوبی کرتی اور شور مچاتی ہوئی نکلی پجاری نے اس عورت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ مناۃ یہ تیرے نافرمان بندے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ ہیئت کذائی دیکھی تو عورت کو قتل کر کے صنم خانہ منہدم کر دیا۔ خزانہ کی تلاشی لی مگر کچھ نہ نکلا آپ رمضان کی آخری تاریخوں میں واپس چلے آئے۔

وفات:

وفات کے سنہ اور تاریخ کے متعلق تذکرے خاموش ہیں۔

حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام قطبہ اور کنیت ابو زید تھی۔ نسب نامہ یہ ہے۔ حضرت قطبہ رضی اللہ عنہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ آپ کی والدہ کا نام زینب بنت عمرو تھا جو قبیلہ اسلم سے تھیں۔

قبول اسلام:

حضرت قطبہ رضی اللہ عنہ ان چھ خوش قسمت اور نیک نفس اصحاب میں شامل ہیں جنہیں انصار مدینہ میں سب سے پہلے قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد آپ پھر ۱۲ھ بعثت میں عقبہ اولیٰ میں شریک ہوئے۔

غزوات میں شرکت:

مورخین کے مطابق آپ غزوہ بدر و غزوہ اُحد اور تمام غزوات میں حضور نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے ان اصحاب میں تھے جو تیر انداز بیان کئے گئے ہیں۔ غزوہ بدر میں آپ نہایت پامردی اور جانبازی سے لڑے مسلمانوں اور کفار کی صفوں کے درمیان ایک پتھر پھینک کر کہا جب تک

یہ نہ بھاگے گا میں بھی نہ بھاگوں گا۔ غزوہ احد میں نو زخم کھائے اور فتح مکہ میں بنو سلمہ کی علمبرداری کا فخر حاصل کیا۔ صفر ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو بیس آدمیوں کے ہمراہ تبالہ کی طرف بھیجا جہاں خثعم کا ایک قبیلہ رہتا تھا۔ مجاہدین نے وہاں پہنچ کر ایک شخص کو پکڑا اور اس سے کچھ باتیں دریافت کیں مگر وہ پہلے تو گونگا بن گیا اور پھر چیخ چیخ کر اپنے لوگوں کو متنبہ کرنے لگا مجاہدین اسے تہہ تیغ کر کے وہاں ہی ٹھہر رہے۔ جب قبیلہ کے لوگ سو گئے تو مسلمانوں نے حملہ کر دیا بڑی خونریز لڑائی ہوئی اور فریقین کے کافی لوگ زخمی و قتل ہوئے آخر مسلمانوں نے دشمن پر غلبہ حاصل کر لیا اور ان کی عورتیں اونٹ اور بکریاں پکڑ کر مدینہ لے آئے۔

اخلاق:

حضرت قطبہ رضی اللہ عنہ سنت نبوی ﷺ پر چلنے کی سخت کوشش کرتے تھے۔

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام، حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کنیت ابو سعد اور لقب سیاف رسول ﷺ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ بن سُفیان بن عوف بن کعب بن ابی بکر بن کلاب بن ربیعہ۔ آپ مدینہ کے قریب بادیہ میں رہتے تھے۔

اسلام وغزوات:

فتح مکہ سے قبل حلقہ بگوش اسلام ہوئے حضور سرور دو عالم ﷺ نے انہیں ان کے قبیلہ کے نومسلموں کا امیر بنایا۔ فتح مکہ میں جب تمام قبائل جمع ہوئے۔ تو ان کا قبیلہ بھی نو سو افراد کے ساتھ شامل ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے قبیلہ والوں سے فرمایا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو تمہاری جماعت کو ہزار کے برابر کر دے اس ارشاد کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کو شرف امارت عطا فرمایا۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نہایت شجاع و بہادر تھے اس لئے حضور نبی کریم ﷺ انہیں اہم امور کی انجام دہی کے لئے منتخب فرماتے تھے۔ چنانچہ ربیع الاول ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے جو سریہ دعوت اسلام کے سلسلہ میں ان کے قبیلہ بنی کلاب کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ وہ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں گیا تھا

مورخین کے مطابق مقام زج پر فریقین کے درمیان جنگ ہوئی جس میں کفار کو شکست ہوئی۔

غزوات کے علاوہ بھی حضرت ضحاک رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی خدمت انجام دیا کرتے تھے اور بعض موقعوں پر شمشیر برہنہ لیکر حضور نبی کریم ﷺ کی پشت پر کھڑے ہوتے تھے اس خدمت کے صلہ میں بارگاہ رسالت ﷺ سے ان کو سیاف رسول ﷺ کا معزز لقب عطا ہوا تھا۔

فضل وکمال:

حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ سے صرف چار حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت سعید ابن میتب رضی اللہ عنہ اور حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایت کی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی معلومات پر فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ مقتول کی دیت میں اس کی بیوی کا کوئی حصہ نہیں لیکن حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کی شہادت پر یہ رائے بدل دی۔

حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی رضی اللہ عنہ

اہل سیر کے مطابق حضور سرور دو عالم ﷺ کو خبر ملی کہ جدہ میں کچھ حبشی آئے ہیں، جو بحری ڈکیت ہیں، اور مکہ پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس اطلاع پر حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ بن مجزز مدلجی کو تین سو آدمیوں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا، حبشیوں کو جب مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی، تو منتشر ہو گئے، اور جزیرہ میں کہیں روپوش ہو گئے۔ (رحمۃ للعالمین حصہ دوم)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ بغیر جنگ کیے جب واپس لوٹے تو آپ کے رفقاء میں سے کچھ لوگوں نے واپسی میں عجلت کی، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، تو آپ نے آگ جلا کر عجلت کرنے والے مسلمانوں کو اس میں کود جانے کا حکم دیا، ان میں جب چند تعمیل حکم پر تیار ہو گئے، تو آپ نے اس حکم کو محض مذاق کہہ کر انہیں ایسا کرنے سے روک دیا، ان لوگوں میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بھی تھے، مدینہ منورہ پہنچ کر لوگوں نے جب اس بات کا ذکر بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''تم میں سے جو شخص گناہ کا حکم دے، اس کی اطاعت نہ کرو''۔

بعض سیرت نگاروں کے نزدیک اس سریہ کے امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے ہی آگ میں کود جانے کا حکم دیا۔ (واللہ اعلم)

حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام سعد تھا اور قبیلہ اوس کے خاندان اشہل سے تعلق رکھتے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن زید بن مالک بن عبد بن کعب بن عبدالاشہل۔

قبولِ اسلام:

واقدی کے بیان کے مطابق آپ انصارِ مدینہ کی اس جماعت میں شریک تھے۔ جو ۱۳ھ بعثت میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئی تھی اور جو بہتر مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل تھی۔ان لوگوں کے آنے کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں اور حضور ﷺ کو ہر قسم کی امداد واعانت کا یقین دلائیں۔

غزوات اور عام حالات:

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہ صرف بدر واُحد بلکہ تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے۔

ربیع الاوّل ۶ھ میں جب عیینہ بن حصن فزاری نے چراگاہ میں رسول اللہ ﷺ کے اُونٹوں پر لُوٹ ڈالی اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

هل سرا ولا دالللقيطة انما

سلم غداة فوارس المقدار

تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہایت برہم ہوئے خوارس مقداد کا کیوں ذکر کیا۔

اس زمانہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کے رئیس تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے معذرت کی کہ قافیہ کی مجبوری تھی۔

غزوہ بنی قریظہ (ذی الحجہ ۵ھ) میں آنحضرت ﷺ نے ان کو قیدیوں کے ہمراہ نجد بھیجا۔ انہوں نے قیدیوں کے معاوضہ میں گھوڑ اور ہتھیار خریدے اور مدینہ لے کر آئے۔

فتح مکہ کے بعد رمضان ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے انہیں قبائل اوس، خزرج اور غسان کا مشہور بت مناۃ منہدم کرنے کیلئے بھیجا، اس بُت کا صنم خانہ مشلّل میں قدید کے قریب تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیس سواروں کے ہمراہ وہاں پہنچے تو صنم خانہ کے خادم نے آنے کا سبب پوچھا، فرمایا "میں مناۃ کو منہدم کرنے کیلئے آیا ہوں۔" خادم نے کہا "تم جانو اور وہ۔" چنانچہ آپ جب مناۃ کو گرانے کیلئے بڑھے تو ایک سیاہ فام برہنہ عورت سینہ کوبی کرتی اور شور مچاتی ہوئی نکلی۔ پجاری نے اس عورت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مناۃ یہ تیرے نافرمان بندے ہیں۔" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ ہیبت کذائی دیکھی تو عورت کو قتل کر کے صنم خانہ منہدم کر دیا۔ خزانہ کی تلاشی لی مگر کچھ نہ نکلا، بہر کیف آپ رمضان کی آخری تاریخوں میں واپس چلے آئے۔

وفات:

وفات کے سنہ اور تاریخ کے متعلق تذکرے خاموش ہیں۔

Click For More Books